دلائلِ باہرہ سے مزین حضور سیدنا بلال یمنی حبشی تیمی مکی مدنی شامی رضی اللہ عنہ
کے رنگ روپ، فصیح اللسانی اور سیرت مبارکہ کے چند مشہور پہلوؤں کی
نقاب کشائی پر متلاشیانِ حق کے لیے ایک نایاب تحفہ

جمالِ بلال رضی اللہ عنہ





تصنیفِ لطیف:

ابوالاحمد محمد علی رضا القادری الاشرفی

ناشر
اکبر بک سیلرز لاہور


خوشخبری
علماء اہلسنت کی کتب PDF میں
حاصل کرنے کیلئے
تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن
کریں
https://t.me/tehqiqat
گوگل سے ڈاؤن لوڈ کرنے لئے
https://
archive.org/details/
@zohaibhasanattari
طالب دعا زوہیب حسن عطاری

نام کتاب	....	جمال بلال رضی اللہ عنہ
مصنف	....	ابوالاحمد محمد علی رضاء القادری الاشرفی
تعداد	....	600
صفحات	....	464
ناشر	....	محمد اکبر قادری
تاریخ اشاعت	....	اپریل 2017ء
قیمت	....	-/400روپے

ناشر اکبر بک سیلرز زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور

فہرسِ مباحث

تقاریظ و تأثرات

تقریظِ سعید

فاضلِ رشید، عمدۃ المصنفین مولانا ابوذہیب محمد ظفر علی سیالوی ادام اللہ برکاتہ
(چنیوٹ)

....

بسم اللہ الرحمن الرحیم

؎ وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا

بندہ اپنے ایک محترم ومکرم دوست سے شہر ''سانگلہ ہل'' یعنی سرزمینِ شیر اہلسنّت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک عالمِ دین کا ذکرِ خیر، شوقِ علم، ذوقِ مطالعہ، اعلیٰ ظرفی، بڑاپن، عجز وانکساری اور علمی قابلیت سنا کرتا تھا۔

دل میں شوقِ ملاقات انگڑائیاں لیتا، پر وقت ساتھ نہ دیتا، اک بار وقت نے ساتھ دیا، قسمت مہربان ہوئی، بندہ علامہ صاحب کی دست بوسی کے لئے روانہ ہوا، جب ملاقات ہوئی تو جذبات کچھ یوں تھے کہ:

؎ ''ملاقات حبیب ساڈی عید ہوگئی''

علامہ صاحب اس طفلِ مکتب کو کچھ اس انداز سے ملے کہ کمال کر دیا، اتنے خوش ہوئے کہ: جیسے مدتوں سے اس ناچیز سے ملاقات کے منتظر تھے، جتنی دیر ملاقات رہی وقت بے انتہاء اچھا گزرا، حالات وواقعات وکتب وذوقِ مطالعہ پر گفتگو جاری رہی اور وقفہ وقفہ سے آپ اپنی خوشی کا اظہار کرتے رہے، مہمان

نوازی بھی بہت خوب کی، اتنی شفقت و محبت سے نوازا کہ: اس طالبعلم کو اپنے ہونے کا احساس ہونے لگا۔

میری مراد:

قابلِ صد عزت واحترام، فاضلِ جلیل، عالمِ نبیل، حضرت علامہ مولانا ابوالاحمد محمد علی رضاء القادری الاشرفی زید مجدہ وزید شرفہ وزید علمہ ہیں۔

آپ انتہائی ملنسار، باوقار اور مسلک کا درد رکھنے والے عظیم عالمِ دین ہیں، حقائق کو پڑھنے والے، حقائق کو جاننے والے، حقائق کو بیان کرنے والے، واعظانہ رنگ بازیوں سے بچنے والے اور دوسروں کو بچانے والے ہیں، تحقیق کا ذوق دلانے والے ہیں۔

ان کے اسی ذوق کا مظہر "**جمالِ بلال**" رضی اللہ عنہ ہے...... جو کہ بہت باکمال ہے...... تحقیق بے مثال ہے...... کیونکہ یہ تذکرہ بلال رضی اللہ عنہ ہے...... وہ جو غلامِ نبی لجپال صلی اللہ علیہ وسلم ہے...... جن کا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم لازوال ہے...... جہاں تک راقم الحروف کا خیال ہے...... تو یہ کتاب جس کا نام "**جمالِ بلال**" رضی اللہ عنہ ہے...... حقیقت میں دافع و رافع تمام اشکال ہے...... اور آجکل من گھڑت قصوں کا جو جال ہے...... فقط جہالت کا وبال ہے...... توبہ بہ بارگاہِ ذوالجلال ہے۔

راقم الحروف نے کتاب کا مطالعہ کیا، دلائل سے مزین پایا حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے بارے جو من گھڑت داستانیں ہیں ان کا مکمل مگر دلائلِ قاطعہ وبراہینِ واضحہ سے رد کیا ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے جمالِ باکمال،

شان و مقام اور عزت و مرتبہ کا مکمل دفاع کیا ہے۔

علامہ صاحب زید مجدہ نے اندازِ سادہ مگر دلربا اور مدلل اپنایا۔

اللہ کریم کی بارگاہ میں دعاء ہے کہ: رب کریم جل جلالہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے علامہ صاحب کے علم و عمل میں، عمر و رزق میں بے شمار برکتیں عطاء فرمائے اور مزید دین متین کی خدمت کی توفیق عطاء فرمائے۔

....

طالبِ دعاء

ابو ذہیب محمد ظفر علی سیالوی غفرلہ

و

ابو بلال محمد سیف علی سیالوی

23 صفر المظفر 1438 بروز جمعرات 9 بج کر 45 منٹ

تقریظ سعید

استاذ العلماء، فقیہ بے بدل مفتی **محمد شفیق احمد مجددی** نقشبندی دامت برکاتہ

مہتمم جامعہ سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلى ونسلم على رسوله الكريم وعلى آله واصحابه اجمعين، اما بعد! قال النبى صلى الله عليه وسلم : اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه، اللهم ارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه، اللهم ارنا الاشياء كما هى۔
(رواه الترمذى)

نبیِ نور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء مانگی: اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا اور اسکی اتباع کی توفیق عطاء فرما، اے اللہ! ہمیں باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما، اے اللہ! ہمیں چیزوں کی حقیقت سے آشنا فرما جیسے وہ ہیں۔

کسی بھی مصنف ومحقق کے لئے مذکورہ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مشعلِ راہ ہے کہ محقق اپنی تحقیق وتصنیف میں احقاقِ حق، ابطالِ باطل کے لئے سب سے پہلے توفیقِ الٰہی کا طالب ہو، تاکہ رحمتِ خداوندی کی برکت سے مطلوب ومقصود کو

آشکار کرنے میں حاصل رہے۔

اسلام میں تحقیق کے تصور کو بڑی وسعت حاصل ہے اور یہ ہمارے اسلاف کرام کی تحقیق کا ہی مبارک ثمر ہے کہ: آج قرآن وحدیث، سیرت وتاریخ اور ادب کے مسائل کا بے شمار خزینہ ہمارے سامنے موجود ہے، جس سے امت راہنمائی حاصل کر رہی ہے، فللّٰہ الحمد۔

نیز میدانِ تحقیق کے شہسواروں نے اس میدان میں فلاح وظفر کے ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں جس سے ابہام وشکوک کے اندھیرے ختم ہوئے ہیں، چونکہ یہ مقاصد تحقیق کی بنیادی چیزوں میں سے ہے جن میں خامیوں کو دور کرنا، غلط نظریئے کو درست کرنا، مجمل کی تفصیل اور ناقص کی تکمیل کرنا بھی شامل ہے، اسی لئے محقق کو بڑی محنتِ شاقہ، جفاکشی اور جہدِ مسلسل کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، جسکا اندازہ زیرِ نظر کتاب ''**جمالِ بلال**'' رضی اللہ عنہ سیرتِ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ پر ایک منفرد تحقیق ہے اور قدیم وجدید کُتب کی روایات کا تقابلی جائزہ بھی ہے، جسکو پڑھکر قاری بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ کئی موجودہ مؤرخین وسیرت نگاروں نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی بالخصوص نسب مبارک، قبیلہ، مولد، مسکن، عہدِ غلامی، رنگ اور زبان کے توتلے پن کے بارے میں ایسی روایات کو مشہور کیا جنکا سیرتِ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے کچھ علاقہ نہیں۔

جو روایات اس بارے میں منقول ہیں بھی، فاضل مصنف نے بڑی عمدگی اور دلائلِ باہرہ سے نا صرف ان کی تردید کی بلکہ ان کے معانی ومراد کو متعین بھی کیا ہے، اور معترضین کو تحقیقی والزامی انداز میں مسکت جوابات بھی دیئے ہیں، اگر یہ

کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ: مذکورہ کتاب سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے تمام اہم پہلوؤں کو آشکار کرنے کا ایک خوبصورت مرقع ہے، جسکو عزیزم فاضل جلیل عالم نبیل استاذ العلماء حضرت مولانا محمد علی رضاء القادری الاشرفی نے احسن انداز میں تصنیف فرمایا ہے، فاضل محترم ایک بالغ النظر، وسیع المطالعہ ہونے کے ساتھ خدمتِ دین کے جذبے سے سرشار بھی ہیں۔

اللہ کریم اپنے محبوب مکرم نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصدق سے موصوف کی اس عظیم کاوش کو قبول فرمائے اور اپنی رحمتِ بے پایاں سے سرفراز فرما کے کتاب ہذا کو مقبولِ عام فرمائے تا کہ قارئین سیرتِ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے بارے اپنی اصلاح کریں۔

آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ اجمعین

طالبِ شفاعتِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

محمد شفیق احمد مجددی

مہتمم جامعہ سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

(سانگلہ ہل)

۲۰ الجمادی الاخری ۱۴۳۸ھ

تقریظِ سعید والدِ مصنف

شیخ القرآن، مسہلِ کنز الایمان، ابوالعمر علامہ

غلام مصطفٰی القادری الفاضلی

اعمّ اللّٰہ فیوضہ

....

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمدللہ الولیّ الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد والصلوٰۃ والسلام علی من کان ولد مثلہ لم یلد احدولم یولد، اما بعد!

بلا نہایہ کرم والے کا مجھ پر بیشمار کرم ہے کہ حضور سرورِدو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے مجھے مطیع و مؤدب اولاد عطاء فرمائی، میرے سب سے بڑے بیٹے اور اس مبارک کتاب کے مصنف عزیزم ''محمد علی رضاء القادری الاشرفی'' کو خدا نے ذوق وشوق کے ساتھ ساتھ ایک عظیم اور لافانی دینی جذبے سے بھی مالا مال فرمایا ہے۔

خوش قسمتی سے اچھے اور قابل اساتذہ کی نگرانی، علمی ہمدرد و مونس دوست، دینی ماحول اور دینی شغف رکھنے والی نیک سیرت معاون زوجہ کا ساتھ عطاء فرمایا، برخوردار جانِ پدر کا مطالعہ، تحقیقی ذوق قابلِ تحسین اور میرا ناز ہے۔

نورِ نظر نے عقیدہ حق اہل سنت و جماعت سے وابستگی اور بزرگانِ دین واولیاءِ امت وعلماءِ ملت سے لگاؤ بحمدہ تعالیٰ ورثہ میں پائی ہے، سراج الامت، امام الائمہ، ابوالفقہاء جناب سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے خاص قلبی عقیدت نصیب ہوئی، پھر ان سب عظیم احسانات پر خدا کا فضل یہ بھی ہوا کہ عزیزم ''محمد علی رضاء القادری الاشرفی'' کو سعادتِ ارشاد بھی مرشدِ باکمال شیخ المشائخ مفتی ء اعظم پاکستان خواجہ پیر محمد اشرف القادری دامت برکاتہ العالیہ (گجرات) کے دستِ حق پرست پر ہوئی، جس سے جانِ پدر نورِ نظر کی صلاحیتوں میں مزید نکھار آیا، یادر ہے کہ: میں یہ الفاظ محض والد ہونے کے ناطے نہیں لکھ رہا بلکہ یہ مبارک کتاب ''**جمالِ بلال** ؓ'' میرے الفاظ کی سچائی کا واضح ثبوت ہے۔

جس کا ہر ایک لفظ اور ہر ایک جملہ تحقیقی نہج پر تحریر ہوا ہے، اس محبت نامے میں تاریخ، سیرت، فضائل، حدیث، تحدیث، منطق، فلسفہ، لغت اور علمِ مناظرہ کی جھلک نمایاں ہے، رفعِ ابہامات وازالہ ءتوہمات، ابطال واصلاح، تنقید و تطبیق، نظر وفکر، انکشافات اور ترتیب وتبویب نے اس مبارک کتاب کے حُسنِ تدوین میں ایسا اضافہ کر دیا جسکی دلچسپ مباحث کی گہرائیوں میں طبائع سلیمہ غوطہ لگائے بغیر رہ ہی نہیں سکتیں، جانِ پدر نے کتاب میں فضولیات کو شامل نہیں کیا، مشمولات کی بنیاد فقط مقصودات ہی کو بنایا۔

''**جمالِ بلال** ؓ'' اپنے آپ میں ایک بے مثال حسین شاہکار ہے، فقیر یہ سمجھتا ہے کہ: حضرت امام العاشقین سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ ایک مظلوم صحابی ہیں جنکی محبت کی آڑ میں قلمکاروں اور واعظین کی جانب سے اُن کے

رنگ، حلیے اور زبان کا مذاق اُڑایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ: سیّدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ کے حوالے سے اس امت پر ایک بہت بڑا اور بھاری قرض تھا جسے میرے جگر پارے نورِ نظر ''محمد علی رضاء القادری الاشرفی'' نے بحمدہ تعالیٰ بخوبی اتار دیا۔

دراصل یہ سہرا ''شیخ المشائخ حضور مفتیٔ اعظم پاکستان خواجہ پیر محمد اشرف القادری زید مجدہ'' ہی کے سر کو ہے، آپ ہی نے سب سے پہلے اس مدعیٰ کو اجاگر کیا جسے آپ ہی کی پیروی کرتے ہوئے میرے نورِ نظر نے کتابی شکل میں تفصیلی مباحث کے ساتھ تصنیف کر دیا۔

نیز یہ مبارک کتاب سید المؤذنین امام العاشقین سیّدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے عشق میں ڈوب کر دفاعی انداز میں لکھی جانے والی جانِ پدر کی ایک بے مثال تصنیف ہے، یہی وجہ ہے کہ: اس مبارک کتاب میں موجود مباحث میں اس سے متعلق تقریباً ہر ضروری امر پر روشنی ڈالی گئی ہے، نیز غلط روایات کے تعاقب اور اپنے مدعیٰ پر دلائل کے باجمال انوکھے امتزاج نے حیرت انگیز کشش پیدا کر دی ہے۔

نورِ نظر کا یہ کارنامہ رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا اور یہ میرے لئے اور میرے جگر پارے سے نسبتِ مؤدت رکھنے والے ہر مسلمان کے لئے بے مثال عزت افزائی کی علامت ہے۔

دعاء ہے کہ: اللہ وحدہٗ لاشریک جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اس مبارک کتاب کو جانِ پدر کے لئے فیضانِ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے حصول کا ذریعہ بنائے اور اس مبارک کتاب کو ہر خاص وعام کے لئے علم

وعرفان کا وسیلہ بنائے، اور دینی ودنیاوی امور میں مصنف کو فلاح وظفر اور عون ونصر عطاء فرمائے۔ (امین)۔

فقط والسلام امیدوارِ شفاعت
ابو العمر غلام مصطفیٰ القادری الفاضلی
(فقیر بابِ غوثیہ) (شیخوپورہ)
1-3-2017ء بروز بدھ

تأثراتِ محبت

سندالمدرسین، فاضلِ نوجوان علامہ مفتی محمد شاہد چشتی زاد علمہ وشرفہ
مدرس جامعہ معظمیہ (معظم آباد شریف)

....

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

امابعد! دین میں تبلیغ واشاعت کے ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ تحریر بھی ہے، میرے دوست مفتی محمد علی رضاء القادری الاشرفی نے اس فریضے کو نبھاتے ہوئے اور حدیث پاک ''الدین نصح'' پر عمل کرتے ہوئے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی سیرت کے چند گوشوں کو اپنی تحریر کا عنوان بنایا پھر بالخصوص ان جزئیات کا پردہ چاک کیا جس میں خطباء اور کچھ مؤلفین نے رطب ویابس سے کام لیتے ہوئے لازمِ غیر بین کو لازمِ بین بنا کر پیش کیا۔

اللہ عزوجل مولانا کی سعی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور میری مؤدبانہ التماس ہے کہ: خطیب حضرات اس تحریر مستطاب کا مطالعہ ضرور فرمائیں!

اذا لم تکن للمرء عین صحیحة

فلا غرو ان ترتاب فصبح مصفر

والسلام

محمد شاہد چشتی

مدرس جامعہ معظمیہ (معظم آباد شریف)

مصنف کا تعارف

از: مولانا محمد افضال حسین نقشبندی مجددی زید مجدہ

....

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله الامين، اما بعد! فقد قال النبي صلى الله عليه وسلم: ان مثل العلماء في الارض كمثل النجوم يهتدىٰ بها في ظلمات البر والبحر، فاذا انطمست النجوم اوشك ان تضل الهداة۔

نبی کریم رؤوف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے: بیشک زمین میں علماء ستاروں کی طرح ہیں جن کے ذریعے رات کو خشکی اور سمندر میں راہنمائی حاصل کی جاتی ہے تو جب ستارے مٹ گئے راہ گیر بھٹک جائیں گے۔

(المنذری: الترغیب والترھیب من الحدیث الشریف، کتاب العلم، الترغیب فی العلم وطلبه وتعلمه وتعلیمه وما جاء فی فضل العلماء والمتعلمین جلد 1 صفحہ 56 مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

خلیفۂ حجۃ الاسلام، مناظر اسلام، ضیغم اسلام، شیر اہلسنّت حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عنایت اللہ قادری رضوی حامدی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث مبارکہ کی وضاحت میں کچھ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

''اس حدیث شریف میں علماء کرام، علماء حق، علماء اہلسنّت وجماعت کو

ستاروں کی مانند قرار دیا گیا ہے جیسا کہ دوسری حدیث شریف میں میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ستاروں کی مانند ٹھہرایا، الحمدللہ! اس میں میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے علماء کرام کی کمال عزت افزائی فرمائی گئی ہے کہ ان کے لئے وہی لفظ ارشاد فرمایا جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے فرمایا اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اگر مسلمان منزلِ مقصود کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو علماءِ اہلسنّت کا دامن نہ چھوڑیں اور علماءِ اہلسنّت کے دست و بازو بنیں تا کہ اسلام کا خوب بول بالا اور دنیا میں دین کا مکمل غلبہ ہو اور یہ کہ ان کی راہنمائی میں چلنا دنیا و آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہے، اور ان کے فرمان کی خلاف ورزی کرنا دنیا و آخرت کے نقصان کا باعث و ذریعہ ہے"۔

(از افادات و ملفوظاتِ شیرِ اہلسنّت، مرتب: محمد افضال حسین نقشبندی مجددی، (غیر مطبوعہ))

حضرت سیّدنا ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ دو مرد ہیں ان میں ایک عبادت گزار ہے جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو عبادت میں مشغول رہتا ہے رات بھر کھڑے ہو کر نوافل پڑھتا رہتا ہے اور دوسرا عالم ہے جو صرف فرض نمازیں پڑھتا ہے پھر لوگوں کو دین کی تعلیم دینے میں مصروف ہو جاتا ہے (ان دونوں میں سے کس کا درجہ اونچا ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم، ثم قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : ان اللہ وملائکتہ واھل السماوات والارضین حتی النملۃ فی جحرھا وحتی الحوت لیصلون علی معلم الناس الخیر"۔

یعنی اس عالم کا درجہ جو صرف فرض پڑھ کر پھر بیٹھ کر لوگوں کو دین کی تعلیم دینے میں مصروف ہو جاتا ہے عبادت گزار پر ایسے (ہی بلند) ہے جیسے میرا درجہ تم میں سے سب سے کم درجے والے انسان پر (بلند ہے)، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے اور آسمانوں اور زمینوں والے یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور یہاں تک کہ مچھلیاں (پانی میں) سب کے سب لوگوں کو قرآن وسنت کی تعلیم دینے والے عالم کے لئے رحمت و بخشش کی دعاء کرتی ہیں۔

(الترمذی: الجامع الصحیح، ابواب العلم، باب : ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة، رقم الحدیث : 2685 صفحه800 مطبوعه دارالسلام للنشر والتوزیع الریاض)

ان احادیث مبارکہ سے عظمت ومقامِ علماء کرام اتنا ظاہر وباہر ہے کہ مزید کسی وضاحت، حاشیہ یا اظہارِ خیال کی چنداں ضرورت ہی نہیں، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ بوسیلہء مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں علماء حق علماء اہلسنّت وجماعت کی عزت وادب کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم!

مصنف کے والدِ گرامی:

عاشقِ سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ، حضرت علامہ مولانا ابوالاحمد محمد علی رضاء القادری الاشرفی زید علمہ کے والدِ گرامی قدر، مسہلِ کنزالایمان، علامہ مولانا قاری غلام مصطفیٰ القادری الفاضلی دامت برکاتہ العالیہ ضلع شیخوپورہ کی ایک جانی پہچانی مذہبی وروحانی شخصیت ہیں، شیخوپورہ میں اہلسنّت وجماعت کی مشہور

ومعروف تنظیموں ''سنی ایکشن کمیٹی'' اور ''جماعتِ اہلسنت'' ضلع شیخوپورہ کے سرکردہ اور اہم عہدوں پر فائز رہے اور ہیں، لیکن آپ کا تعارف آپ کا (غیر مطبوعہ) عظیم کارنامہ ترجمہ کنز الایمان شریف کی تسہیل طباعت کے بعد رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا، آپ نہایت سادہ، شریف اور منکسر المزاج شخصیت کے مالک ہیں، اس کے ساتھ شیخوپورہ کے ایک ممتاز اور منجھے ہوئے عالم دین اور خطیب بھی ہیں علاوہ ازیں آپ کئی (مطبوعہ وغیر مطبوعہ) کتب کے مصنف بھی ہیں مثلاً!

(1)۔اسلم البیان فی تسهیل ترجمه کنز الایمان

(2)۔اسلم النجاۃ فی مسائل الصلوٰۃ (نماز کی کتاب)

(3)۔ اسلم الایمان فی عقائد الاسلام (عقائد کا بیان)

(4)۔قدرۃ القادر فی فضائل عبد القادر (مناقب غوث اعظم رحمہ اللہ)

(5)۔کشف الحجاب من ایصال الثواب

(6)۔زکوۃ وعشر کا بیان (7)۔روزہ اور رمضان

(8)۔مصافحہ دونوں ہاتھوں سے

(9)۔لغۃ القرآن (صرفی نحوی ترکیب)

آپ کے چھ صاحبزادے ہیں!

(۱)۔مولانا ابوالاحمد محمد علی رضاء القادری الاشرفی۔

(۲)۔مولانا قاری محمد عثمان القادری الاشرفی۔

(۳)۔غلام غوث القادری الاشرفی۔

(۴)۔مولانا ابوالانس محمد حسان الحق القادری الاشرفی۔

(۵)۔محمد عمر فاروق القادری الاشرفی۔

(٦)۔محمد بنیامین قادری۔

ان میں سے تیسرے ''صاحبزادہ غلام غوث القادری الاشرفی'' آپ کے ''اسلم البیان فی ترجمہ کنزالایمان'' اور دیگر کتب ورسائل کا کام سنبھالتے ہیں اور تین صاحبزادے خدمتِ دینِ متین میں خوب سرگرمِ عمل ہیں!

(i)۔اس کتاب کے مصنف علامہ مولانا ابوالاحمد محمد علی رضاء القادری الاشرفی صاحب (جن کا مفصل ذکر آگے آرہا ہے)

(ii)۔مولانا قاری محمد عثمان القادری الاشرفی صاحب جو کہ شیخوپورہ میں ہی امامت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

(iii)۔مولانا ابوالانس محمد حسان القادری الاشرفی صاحب بھی شیخوپورہ میں ہی امامت وخطابت کے فرائض نبھارہے ہیں۔

پانچویں ''صاحبزادہ محمد عمر فاروق القادری الاشرفی'' ملک سے باہر ہوتے ہیں۔

آخری اور سب سے چھوٹے بیٹے پیدا ہوتے ہی وفات پاگئے۔

مصنف کی ولادت:

اس مبارک نامے ''**جمال بلال** ''رضی اللہ عنہ کے مصنف مولانا ابوالاحمد محمد علی رضاء القادری الاشرفی اپنے تمام بہن بھائیوں میں سب سے بڑے ہیں آپ کی ولادت سے قبل والدِ محترم نے نذر مانی کہ اگر: ''بیٹا ہوا تو دین کی تعلیمات سے آراستہ کروں گا'' چنانچہ 20 جنوری 1984ء کو محلہ سلطان پورہ

شیخوپورہ میں ہوئی آپ کا شجرہ نسب یوں ہے!

"محمد علی رضاء بن غلام مصطفی بن محمد رفیق بن محمد بخش بن محمد اسماعیل بن غلام محمد بن محمد دین"

اس شجرہ کی ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ: اس میں مذکور ہر شخصیت اپنے اپنے والدین کی پہلی اولاد ہے۔

نام و بشارت:

مولانا کا نام آپ کے والدگرامی قدر کے استاذ گرامی اور شیخوپورہ کے نامور عالم دین حضرت علامہ مولانا غلام رسول سلطانی المعروف فقیر سلطانی نے "محمد علی رضاء" رکھا اور ساتھ ہی فرمایا: "اپنی اس بیٹے کو علم دین پڑھانا یہ ان شاء اللہ عالمِ دین بنے گا"، ماشاء اللہ! اللہ کے برگزیدہ بندے اور عالمِ دین کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ آج پورے ہو چکے ہیں، مولانا نہ صرف عالمِ دین بنے بلکہ کئی علماء کے استاذِ گرامی ہونے کا بھی شرف و اعزاز رکھتے ہیں، بقولِ شاعر!

نگاہِ ولی میں وہ تأثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

ابتدائی تعلیم:

مولانا صاحب کی رسمِ "بسم اللہ" آپ کے والدِ محترم نے فرمائی، ناظرہ قرآن پانچ سال کی عمر میں اپنے والدِ محترم کے حضور ہی مکمل کر لیا تھا جس سے آپ کے بچپن ہی سے ذہین و فطین ہونے کا پتہ چلتا ہے، ساتھ ہی قبلہ والد گرامی کے پاس فارسی کا قاعدہ پڑھنا بھی شروع کر دیا اور نیز اس دوران عصری تعلیم بھی

جاری رکھی۔

اعلیٰ تعلیم:

آپ کے والدِ گرامی نے اپنے شیخِ کامل شیخ المشائخ قطب الاولیاء، حضرت خواجہ پیر محمد اسلم قادری فاضلی رحمۃ اللہ علیہ (خانقاہِ قادریہ عالیہ عالیہ نیک آباد شریف گجرات) کے حکم پر 1996ء میں درسِ نظامی کے لئے شیخ الحدیث، آفتابِ رضویت، ماہتابِ سنیت، فیض یافتہ محدّث اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا پیر ابوالفیض محمد عبدالکریم چشتی رضوی نقشبندی قادری المعروف حضور محدّثِ ابدالوی رحمۃ اللہ علیہ کے جامعہ ''دارالعلوم چشتیہ رضویہ'' خانقاہ ڈوگراں میں بروز پیر شریف داخل کروایا، جہاں اسی دن سب سے پہلا سبق جانشینِ محدّث ابدالوی حضرت شیخ العلماء صاحبزادہ پیر محمد نورالمجتبیٰ چشتی المعروف حضور ''چن پیر'' شیخ الحدیث دارالعلوم چشتیہ رضویہ نے خود پڑھایا بعدازاں آپ ہی سے ''صرف، نحو، منطق، ریاض الصالحین، قدوری اور اصول الشاشی'' کے اسباق پڑھے۔

نیز اسی جامعہ میں فیض الاسلاف، استاذ العلماء مولانا میاں محمد یونس قادری سے ''کلیدِ مصادر، کتاب فارسی، کریما سعدی، نامِ حق، مالابد منہ اور گلستانِ سعدی'' اور استاذ العلماء، سند المدرسین مولانا میاں محمد مقصود ابدالوی سے ''پند نامہ عطار، بوستان سعدی، مفید الطالبین اور شرح مائۃ عامل'' پڑھیں۔

1998ء کے آخر میں جامعہ نظامیہ شیخوپورہ داخلہ لیا وہاں شیخ الصرف والنحو مولانا محمد نصراللہ جان ہزاروی سے ایک سال تک ''صرف ونحو'' بمعہ تعلیلات وقوانین وتصریفات، اور ان کے علاوہ جامعہ نظامیہ کے سابقہ ناظم تعلیمات مفتی

محمد عبدالرحمٰن ہزاروی سے ''صرف بہتر ال''، الاستاذ مولانا محمد سعید احمد ملتانی سے ''شرح مائۃ عامل اور ہدایۃ النحو''، الاستاذ محمد لیاقت علی انجم سے ''نورالایضاح'' پڑھی۔

2000ء میں جامعہ انوارِ مدینہ سانگلہ ہل میں داخل ہو گئے اور وہاں مناظر اسلام استاذ العلماء مولانا مفتی محمد جمیل احمد رضوی مہتمم وبانی جامعہ بریلی (شیخوپورہ) سے ابتدائی صرف ونحو کے ساتھ ساتھ ''تجوید، علم الصیغہ، پنج گنج، صرف بہتر ال، شرح مائۃ عامل، ابواب الصرف، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح ملا جامی، نورالایضاح، اصول الشاشی، مجموعہ منطق، مرقاۃ، شرح تہذیب، قطبی، مختصر المعانی، سراجی فی المیراث، مشکوۃ المصابیح'' وغیرہ پڑھیں۔

اور استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی محمد شفیق احمد مجددی سے ''نورالایضاح (بقیہ)، اصول الشاشی (بقیہ)، نورالانوار، کنزالدقائق، قدوری'' اور سابق الذکر استاذ العلماء مولانا محمد لیاقت علی انجم سے یہیں پر ''شرح نخبۃ الفکر، الفوز الکبیر'' پڑھیں،

دورہ حدیث شریف:

2005ء میں دارالعلوم چشتیہ رضویہ خانقاہ ڈوگراں میں صحاح ستہ کا سماع جگر گوشہ محدّث ابدالوی حضرت علامہ مولانا صاحبزادہ پیر محمد نور المجتبیٰ چشتی چن پیر سرکار سے کیا، بعد ازاں کچھ عرصہ حدیث شریف کا سماع یادگارِ محدّث اعظم پاکستان جامعہ رضویہ مظہر اسلام جھنگ بازار فیصل آباد میں شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا محمد سعید قمر سیالوی صاحب سے بھی کیا اور دستار بندی بھی جامعہ رضویہ میں ہی جگر گوشہ محدّث اعظم پاکستان پیر محمد فضل رسول حیدر رضوی دامت برکاتہ

العالیہ کے ہاتھوں ہوئی۔

تدریس:

2005ء دورہ حدیث سے فارغ ہوتے ہی اگلے سال 2006ء میں آپ کو اپنی ہی جائے تعلیم "جامعہ انوارِ مدینہ سانگلہ ہل" میں تدریس کے لئے مقرر کرلیا گیا، 2008ء تک وہاں سلسلہ تدریس جاری رکھا، عدمِ تعاون کی وجہ سے جامعہ بند ہوجانے کے بعد دار العلوم فیضانِ مکان شریف بھلیر چک 119 میں سلسلہ تدریس شروع کیا جہاں 2009ء سے لے کر 2012ء تک پڑھایا، پھر استاذ محترم کے حکم سے جامعہ قادریہ رضویہ (سانگلہ ہل) میں پڑھانا شروع کردیا اور 2012ء سے لے کر 2016ء تک وہیں پڑھایا۔

اسی دوران مولانا ابو الاحمد محمد علی رضاء القادری الاشرفی حفظہ اللہ تعالیٰ کی دعاؤں اور خصوصی تحریکی کاوشوں سے ان کے ایک مخلص بزرگ دوست جناب محترم حاجی محمد نواز چٹھہ صاحب جزاہ اللہ جزاء جزیلا کی جانب سے "جامعہ سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ" احمد ٹاؤن سانگلہ ہل کی عمارت کا قیام عمل میں آیا، جوکہ 2017ء کے شروع میں ہی تکمیلی مراحل سے گزر کر اب تعلیمی مراحل کی طرف رواں دواں ہے، یہی وجہ ہے کہ مولانا صاحب تادمِ تحریر اسی جامعہ سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ میں ہی اپنے تدریسی سفر کو رواں رکھتے ہوئے علمی جواہر لٹا رہے ہیں۔

آپ نے اپنے اب تک کے 11 سالہ تدریسی دور میں درج ذیل کتابیں پڑھائیں ہیں!

(1)۔ ترجمۂ قرآن (2)۔ تجوید

(3)۔میزان الصرف (4)۔صرف بھترال

(5)۔مراح الارواح (6)۔تیسیر ابواب الصرف

(7)۔علم الصیغہ وخاصیات (8)۔نحومیر

(9)۔شرح مائۃ عامل (10)۔ہدایۃ النحو

(11)۔کافیہ (12)۔شرح ملا جامی

(13)۔تلخیص المفتاح (14)۔مختصر المعانی

(15)۔المطول (16)۔تعلیم المنطق

(17)۔المرقاۃ (18)۔شرح تہذیب

(19)۔قطبی (20)۔تفسیر جلالین

(21)۔تفسیر بیضاوی (22)۔نور الایضاح

(23)۔قدوری (24)۔ہدایہ

(25)۔اصول الشاشی (26)۔نور الانوار

(27)۔سبع معلقات (28)۔دیوان متنبی

(29)۔دیوانِ حماسہ (30)۔ہدایۃ الحکمۃ

(31)۔سلم العلوم (32)۔شرح معانی الآثار

(33)۔مسند امام اعظم ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ (34)۔مشکوۃ المصابیح

(35)۔مؤطا امام محمد (36)۔مؤطا امام مالک

(37)۔ریاض الصالحین (38)۔شرح نخبۃ الفکر

(39)۔سراجی فی المیراث (40)۔الفوز الکبیر

اس 11 سالہ تدریسی دور کی فہرستِ کتب دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ:

آپ نے ابتدائی درجہ سے لے کر انتہائی درجہ کی کتب تک وہ کتابیں بھی پڑھائی ہیں جو خود کسی سے نہیں پڑھیں، انتہائی دقیق اور مشکل مسائل پر مبنی کتب بھی بڑے شوق سے بلا تکلف پڑھا رہے ہیں، اور بعض کتب میں تو ایسی مہارت ہوگئی ہے کہ اب پڑھانے کے لئے ان کے مطالعہ کی بھی ضرورت پیش نہیں آتی۔

شادی خانہ آبادی:

مولانا صاحب کی تدریس کے تیسرے سال یکم مئی 2008ء میں آپ کا نکاح ہوا، نکاح کی یہ تقریب انتہائی سادگی کیساتھ انجام پائی، آپ کا نکاح آپ کے استاذ گرامی استاذ العلماء مولانا میاں محمد یونس قادری صاحب نے پڑھایا۔

اولاد:

مولانا صاحب کو اللہ رب العزۃ نے تاحال ایک بیٹی "فاطمہ سعدیہ" 2009ء میں اور تین بیٹے "ابوبکر محمد احمد رضاء المصطفیٰ القادری 2011ء میں، ابو ہریرہ محمد نعمان المصطفیٰ القادری 2013ء میں، نعلینِ مصطفیٰ القادری 2016ء میں" عطاء فرمائے۔

تلامذہ:

مولانا صاحب کی دن رات تدریسی مصروفیات نے انہیں بہت سے قابل تلامذہ دیئے ہیں جن میں عوام کے ساتھ ساتھ مختلف علاقوں کے دینی و مذہبی سرگرمِ عمل متعدد علماء کرام شامل ہیں، جن میں چند ایک نام قابلِ ذکر ہیں مثلاً!

(1)۔ استاذ العلماء مولانا محمد نثار احمد ساقی مدرس (شعبہ درسِ نظامی) جامعہ لسیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سانگلہ ہل۔

(2)۔ استاذ العلماء مولانا پروفیسر محمد شہباز تبسم مجددی مدرس (شعبہ درسِ

نظامی) جامعہ سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سانگلہ ہل۔

(3)۔استاذ الحفاظ مولانا قاری محمد آصف علی شمسی مدرس (شعبہ حفظ القرآن) جامعہ سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سانگلہ ہل۔

انکے علاوہ مولانا محمد حسان الحق القادری الاشرفی (شیخوپورہ)، مولانا محمد عثمان القادری الاشرفی (شیخوپورہ)، مولانا محمد منیر احمد برکتی (سانگلہ ہل)، مولانا قاری محمد طارق محمود رضوی (فیصل آباد)، علامہ اویس الرسول رضوی (حافظ آباد)، مولانا محمد اشفاق حنفی قادری (سانگلہ ہل)، مولانا محمد نثار رضوی (آزاد کشمیر)، مولانا محمد صفدر علی قادری (سانگلہ ہل)، مولانا محمد محسن شہزاد چشتی (شاہکوٹ)، مولانا محمد حامد عباس نقشبندی (بیرانوالا)، مولانا محمد احمد سعید چشتی (سانگلہ ہل)، مولانا محمد فاروق المصطفیٰ رضوی (مانانوالا)، مولانا غلام مرتضیٰ رضوی (چک 42 مرڑھ)، مولانا محمد طارق قادری (سانگلہ ہل)، مولانا محمد بلال مدنی (سانگلہ ہل)، مولانا محمد افضل نقشبندی (چھور مغلیاں)، مولانا سید ساجد حسین گردیزی (چٹھہ چک)، مولانا سید محمد فیصل حسین شاہ (حافظ آباد)، مولانا محمد محسن حیات (فیصل آباد)، مولانا محمد علی اکبر قادری (سانگلہ ہل)، مولانا محمد عثمان حیدر جلالی (حافظ آباد)، مولانا حافظ محمد ناصر علی (چک 45)، مولانا محمد طیب (لاہور)، مولانا محمد وقاص (حافظ آباد)، مولانا محمد عابد علی مغل رضوی (چار چک رسالہ)، مولانا محمد عاطف علی چشتی (ڈیرہ بھٹیاں)، مولانا محمد حسین وٹو رضوی (مانانوالہ)، مولانا محمد نواز وٹو رضوی (شاہکوٹ)، مولانا محمد شہزاد قادری مجددی (کوٹلہ خورد)، مولانا محمد وقاص رضوی (حافظ آباد)، مولانا قاری محمد ریاض (سانگلہ ہل)، مولانا محمد منظر عباس حیدری

(سانگلہ ہل)، مولانا محمد خضر حیات (سانگلہ ہل) مولانا محمد عدیل عباس مجددی (سانگلہ ہل)، مولانا محمد بشارت صابری (چک á 45)، مولانا محمد خالد محمود (کوٹ مومن)، مولانا محمد زین الحسن نقشبندی (سانگلہ ہل)، مولانا صوفی محمد آفتاب نقشبندی (سانگلہ ہل)، مولانا پروفیسر محمد رمیز الحق القادری الاشرفی (سانگلہ ہل) اور مولانا محمد تیمور شاہد القادری الاشرفی (سانگلہ ہل)، مولانا محمد سیف اللہ القادری الاشرفی (سانگلہ ہل)، مولانا محمد عظیم افضل القادری الاشرفی (سانگلہ ہل)، مولانا غلام مرتضیٰ القادری الاشرفی (سانگلہ ہل)

اور تلامذہ کا یہ سلسلہ تا حال جاری وساری ہے خدا عزوجل مولانا کے علمی فیضان میں مزید برکت دے۔

ارادت وبیعت:

تعلق مع اللہ، اخلاص وللّٰہیت کی اہمیت اور عظمت تو مولانا کے قلب میں قابل اساتذہ اور مشائخِ اہلسنّت کی نسبت سے ہی پیدا ہوگئی تھی، پھر والدِ محترم کے حکم پر ''اشرف المشائخ، شیخ الحدیث والتفسیر، شیخ کامل، عالمِ باعمل، مرجعِ خلائق حضور خواجہ پیر مفتی محمد اشرف القادری دامت برکاتہ العالیہ محدث نیک آبادی ومرکزی سجادہ نشین خانقاہِ قادریہ عالیہ نیک آباد (مراڑیاں شریف) گجرات'' کی خدمت میں حاضر ہوکر شرفِ بیعت وارادت سے مالا مال ہوئے۔

اپنے شیخ سے قلبی لگاؤ کچھ ایسا ہے کہ تقریر وتحریر میں اپنے شیخ ہی کے نقشِ قدم پہ چلنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، اور یہ مبارک کتاب ''**جمال بلال** ''رضی اللہ عنہ بھی اپنے شیخ کامل سے محبت وعقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

خدمتِ قرآن:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس نے قرآن مجید سیکھا اور دوسروں کو سکھایا''

(الدارمی: السنن، کتاب فضائل القرآن، باب خیارکم من تعلم القرآن وعلمہ، رقم الحدیث: 3337 جلد2 صفحہ528 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی)

حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لوگوں میں سے کچھ اللہ والے ہوتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! وہ کون خوش نصیب ہیں؟ فرمایا: ''اهل القرآن، هم اهل الله وخاصته'' قرآن والے ہی اللہ والے اور اس کے خواص ہیں۔

(ابن ماجہ: السنن، کتاب السنة، باب: فضل من تعلم القرآن وعلمه، رقم الحدیث: 215 صفحہ40 مطبوعہ دارالسلام للنشر والتوزیع الریاض)

مولانا صاحب بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان بشارات کے پورے پورے مصداق ٹھہرتے ہیں، قرآن کریم کے ساتھ ان کی محبت کا یہ عالم ہے کہ: روزانہ نمازِ فجر کے فوراً بعد سلسلہ وار ترجمہ تفسیر بھی پڑھاتے ہیں ماشاء اللہ مولانا صاحب کا درسِ قرآن پورے شہر میں شہرہ رکھتا ہے، درسِ قرآن کا سلسلہ گزشتہ آٹھ سال سے روزانہ کی بنیاد پر دو تین آیات کی صورت میں جاری وساری ہے، جس میں کئی بار راقم کو بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی، اہلِ محلہ وعلاقہ جن میں نمازیوں کی کثیر تعداد بڑے ذوق وشوق اور انہماک سے درسِ قرآن

سننے میں شریک ہوتی ہے، اسی رفتار سے مولانا کو پہلی مرتبہ "ترجمہ وتفسیر القرآن" ختم کرنے میں 6 سال کا عرصہ لگا، اور مولانا ایسا کرنے والے سانگلہ ہل کے واحد عالمِ دین ہیں اور تاحال دوسری مرتبہ پھر سے قرآن شریف کا ترجمہ وتفسیر روزانہ کی بنیاد پر جاری وساری ہے اور تادمِ تحریر 5 پارے مکمل ہو چکے ہیں، ترجمہ وتفسیر کی اس کلاس کا دورانیہ تقریباً آدھا گھنٹہ ہوتا ہے جس میں اصلاحِ عقائد واعمال پر بڑی اعلیٰ گفتگو فرماتے ہیں جو کہ علاقے کی فضاء کو آئے دن خوشگوار کرتی جارہی ہے، کئی شورعقیدہ لوگ آپ کے درسِ قرآن کی وجہ سے صراطِ مستقیم پر چلنے لگے، اور اہلِ علاقہ آپ کے اس عظیم کارِ بے نظیر پر بہت خوش اور مستفید ومستنیر ہیں اسی سے آپ کے درسِ قرآن کی کامیابی ظاہر وباہر ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو بوسیلہء مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم یونہی خدمتِ قرآن کرتے رہنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)۔

خدمتِ حدیث:

حضرت سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "نضر اللّٰہ امرأ اسمع مقالتی فوعاھا وحفظھا وبلّغھا" اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جس نے میری حدیث کو سنا اسے یاد کیا اور اسے آگے پہنچایا (یعنی بیان کیا)۔

(الترمذی: الجامع الصحیح، ابواب العلم، باب: ماجاء فی الحدیث علی تبلیغ السماع رقم الحدیث: 2658 صفحہ 792 مطبوعہ دار السلام للنشر والتوزیع الریاض)

حضرت سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا "اللّٰھم ارحم خلفائنا، قلنا:

یارسول اللّٰہ (صلی اللّٰہ علیہ وسلم)! وما خلفاؤکم؟ قال: الذین یأتون من بعدی، یروون احادیثی وسنتی ویعلمونھا الناس'' اے اللہ! میرے خلفاء پر رحم فرما! ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کے خلفاء کون ہیں؟ فرمایا: جو میرے بعد آئیں گے اور میری حدیثیں اور سنتیں روایت کریں گے اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیں گے۔

(الطبرانی: المعجم الاوسط، من اسمہ محمد، رقم الحدیث: 5846 جلد 4 صفحہ 239 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

مولانا صاحب سرکارِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرامین پر پورا اترتے ہیں، 2008ء سے لے کر اب تک درسِ قرآن کی مسلسل کامیابیوں کے بعد 2016ء میں آپ نے درسِ حدیث شریف کا سلسلہ بھی شروع فرمادیا، جس میں الحافظ الکبیر، ابوبکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم النبیل الضحاک بن مخلد الشیبانی رحمہ اللہ'' المتوفی 287ھ'' کی شہرہ آفاق تصنیف ''کتاب الزہد'' کے دروس ہوتے رہے، جن میں اہلِ علاقہ میں سے بزرگ حضرات کے ساتھ ساتھ سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز کے بھی متعدد طلباء شریک ہوتے رہے، ہر روز بلاناغہ تین چار احادیث کا ترجمہ اور تشریح فرماتے اور طلباء کو ہر حدیث کا ترجمہ لکھواتے اور کچھ طلباء حدیث کو عربی متن کے ساتھ زبانی بھی یاد کر کے سناتے رہے۔

''کتاب الزھد'' کے بعد دروسِ حدیث کی افادیت واہمیت اور ثمرات کو مدِنظر رکھتے ہوئے پھر مولانا صاحب نے ''الامام یوسف بن حسن بن عبدالھادی المقدسی الدمشقی الحنبلی المعروف بابن المبرد المقدسی رحمہ اللہ'' المتوفی 909ھ کی کتاب التخریج الصغیر والتحبیر الکبیر کے دروس کا سلسلہ

• شروع فرمادیا جو الحمدللہ العزیز روزانہ بلاناغہ بعد از نمازِ عشاء تسلسل کے ساتھ تاحال جاری وساری ہے۔

اور تادمِ تحریر آدھی کتاب یعنی تقریباً 60 احادیث پڑھائی اور لکھوائی جاچکی ہیں مولانا صاحب کے درسِ قرآن وسنت جیسے اس عظیم کام سے مسلکِ اہلسنّت کو اس علاقے میں خوب تقویت وفائدہ پہنچ رہا ہے، اور متعدد حضرات اس لافانی خدمتِ دین سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

خداعزوجل مولانا صاحب کے اس سلسلہ کو اور زیادہ پروان چڑھائے۔ (آمین)

امامت وخطابت:

مولانا صاحب نے اگست 2008ء میں جامع مسجد تاجدارِ مدینہ گارڈن ٹاؤن سانگلہ ہل میں امامت وخطابت کے فرائض کو سنبھالا، آپ کے نمازی حضرات آپ سے دل وجان سے محبت رکھتے ہیں، اور آپ کا بھی اہلِ محلّہ بالخصوص اپنے نمازی حضرات کے ساتھ محبت، پیار، بزرگ حضرات کے ساتھ انتہائی نرمی اور چھوٹوں سے شفقت کا حال قابلِ تحسین ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر مساجد کے مقابلے آپ کی مسجد میں نمازیوں کی تعداد میرے دیکھنے میں زیادہ آئی ہے، نماز شروع کروانے سے پہلے صفوں کا بالخصوص اہتمام فرماتے ہیں، اور وقتاً فوقتاً نمازی حضرات کے ضروری مسائلِ نماز کی اصلاح بھی بڑی دلجمعی کے ساتھ فرماتے رہتے ہیں۔

آپ کے خطباتِ جمعۃ المبارک انتہائی علمی مگر آسان انداز میں ہوتے ہیں، جو ہر خاص وعام اور ہر چھوٹے، بڑے کے دل میں اتر جاتے ہیں، بڑوں

کے ساتھ ساتھ چھوڑے بچے بھی آپ کے بیانات کو خوب دلچسپی سے سنتے ہیں، قرآن وسنت اور مستند کتب سے با حوالہ گفتگو کرتے ہیں جو کہ اس پُر آشوب وقت کی اشد ضرورت بھی ہے، کچھ عرصہ قبل ''ردِعیسائیت'' پر کئی خطباتِ جمعہ دیئے جو آپ کے عیسائیت پر بھی مطالعہ کی بین دلیل اور ثبوت ہیں، 2008ء سے لے کر تادمِ تحریر 2017ء کے اوائل تک جو خطبات جمعۃ المبارک آپ نے دیئے ہیں کاش کہ تمام خطبات کبھی تحریری صورت میں چھپ جائیں تو مسلکِ اہلسنّت کی ایک بہت بڑی خدمت ہوگی، اللہ تعالیٰ جلد اسباب پیدا فرمائے (آمین)

لائبریری:

مولانا صاحب کا کتب خانہ ''کتبِ تفاسیر، کتب فقہ، کتب تصوف، کتب اسماء الرجال، کتبِ سیرت وفضائل، کتبِ تاریخ اور کتبِ مخالفین'' وغیرہا کا ایک گراں قدر خزانہ ہے، جس میں سب سے زیادہ کتب ''حدیث شریف'' کی ہیں جو کہ آپ کی حدیث شریف سے محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے، آپ کی لائبریری میں ایک محتاط اندازہ کے مطابق تقریباً 70 سے زائد چھوٹی بڑی احادیث کی کتب موجود ہیں، جن میں سے کئی تو 20، 25 جلدوں پر بھی مشتمل ہیں، تقریباً یہی حال دوسری کتب کا بھی ہے، نیز آپ کا کتب سے لگاؤ اور مطالعے کا شغف انتہائی دیدنی ہے اکثر کتب مجھ راقم ہی سے منگوائی ہیں میں نے جب بھی کوئی نایاب کتاب، شانِ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم، شانِ صحابہ واہلِ بیت پر لاکر دی تو اس کتاب کو بے ساختہ چوم لیتے، اکثر ان لمحات میں راقم نے ان کی آنکھیں نم ہی دیکھی ہیں، میرے دیکھنے کے مطابق مولانا کو ان موضوعات سے کچھ خاص ہی قلبی لگاؤ ہے، اور یہی ہمارے اسلاف کی پہچان بھی ہے۔

چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ کم وسائل کے باوجود اس قدر اچھی لائبریری بنالینا یقیناً اللہ تعالیٰ کے حضور آنکھوں سے نکلے آنسوؤں اور قلبی جذبے ہی کا صدقہ ہے۔

سیّدنا اما اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فاؤنڈیشن (سانگلہ ہل):

مولانا صاحب امامت وخطابت، درس وتدریس، تصنیف وتحقیق جیسی گوناں گوں مصروفیات کے ساتھ ساتھ سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فاؤنڈیشن سانگلہ ہل (جو 2008ء میں بنائی گئی) کے بانی اور چیئرمین بھی ہیں، جس کے درج ذیل مقاصد ہیں!

(۱)۔ اپنے علاقے میں ہر سال شبِ برأت سے لے کر شبِ قدر تک ایک عظیم الشان سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تربیتی کورس کا اہتمام کر کے عوام الناس تک مسلکِ حق اہلسنّت وجماعت کے عقائد واعمال کا صحیح تعارف پیش کرنا۔

(۲)۔ علماء کرام اور بزرگانِ دین بالخصوص ''امام الائمہ فی الحدیث والفقہ حضور سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ'' کی خدماتِ دینیہ کا صحیح تعارف پیش کرنا۔

(۳)۔ دینی مسائل پر مبنی علمی وتحقیقی اور فکری لٹریچر شائع کرنا۔

(۴)۔ عظیم الشان فقید المثال سالانہ سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کانفرنس کا انعقاد کرنا وغیرہا۔

سالانہ سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تربیتی کورسز کا اجراء:

مولانا صاحب نے عوام اہلسنّت کے عقائد ونظریات اور مسائل

ومعمولات کی تصحیح وتطہیر اور اصلاح کے لئے 2009ء میں اپنی جامع مسجد تاجدارِ مدینہ سانگلہ ہل میں پہلے سالانہ 41 روزہ ''سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تربیتی کورس'' کا اجراء کیا، جس کا وقت روزانہ نماز فجر کے فوراً بعد ایک گھنٹہ مقرر کیا گیا چنانچہ 2009ء میں جاری ہونے والا یہ سلسلہ الحمدللہ العزیز انتہائی شان وشوکت کے ساتھ تادمِ تحریر بھی جاری وساری ہے ان کورسز کا مختصر خاکہ پیشِ خدمت ہے!

پہلا سالانہ 41 روزہ تربیتی کورس:

پہلا سالانہ کورس جو کہ 2009ء میں ہوا اس میں حدیث کی کتاب ''مسند امام اعظم ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ'' کا دورہ کروایا گیا، جس میں مولانا صاحب نے اس مبارک کتاب کی حدیثیں مکمل شرح کے ساتھ پڑھائیں، اس کورس میں تقریباً 65 طلباء نے شرکت کی۔

دوسرا سالانہ 41 روزہ تربیتی کورس:

دوسرا سالانہ کورس 2010ء میں ہوا جس کا موضوع ''عقائد ومسائل'' تھے، جن پر خوب مدلل ومفصل گفتگو فرمائی گئی، اس کورس میں شرکت کرنے والوں کی تعداد 85 تھی۔

تیسرا سالانہ 41 روزہ تربیتی کورس:

تیسرا سالانہ کورس 2011ء میں ہوا جسکا موضوع ''عقیدہ ایمان وتحفظ ایمان'' تھا لیکن اس میں حالاتِ حاضرہ بھی موضوعِ بحث رہے۔ اس میں طلباء کی تعداد 86 رہی۔

چوتھا سالانہ 41 روزہ تربیتی کورس:

چوتھا سالانہ کورس 2012ء میں ہوا جس کا موضوع ''نکاح وطلاق'' کے مروجہ مسائل زیرِ بحث رہے، بڑھتی ہوئی طلاق کی شرح اور طلاق کے متعلق لوگوں کی عدمِ علمیت کی وجہ سے آئے روز دی جانے والی طلاقوں کے معاملے میں یہ کورس بہت مؤثر ثابت ہوا، اس میں طلباء کی تعداد 108 تھی۔

پانچواں سالانہ 41 روزہ تربیتی کورس:

پانچواں سالانہ کورس 2013ء میں ہوا جس کا موضوع ''اصلاحِ معاشرہ میں ایک مسلمان کا کردار'' تھا، اس میں 132 افراد نے شرکت کی۔

چھٹا سالانہ 41 روزہ تربیتی کورس:

چھٹا سالانہ کورس 2014ء میں ہوا جسکا موضوع ''مسائل وفضائل نماز وروزہ'' تھا، اس میں 146 افراد شریک ہوئے۔

ساتواں سالانہ 41 روزہ تربیتی کورس:

ساتواں سالانہ کورس 2015ء میں ہوا جس کا موضوع ''آداب وعقائد'' تھے، اس مین 186 افراد شریک ہوئے۔

آٹھواں سالانہ 41 روزہ تربیتی کورس:

آٹھواں سالانہ کورس 2016ء میں ہوا جس کا موضوع ''عظمتِ اہل بیت اور دفاعِ صحابہ کرام'' تھا، جس میں راقم نے بھی کچھ ایام شرکت کی سعادت حاصل کی ہے، مخالفین اہلسنّت اور صحابہ کرام کے گستاخوں کی طرف سے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں پھیلائی جانے والی جھوٹی داستانوں اور الف لیلیٰ

کہانیوں اور گستاخیوں کا اس کورس میں بھرپور احسن انداز سے تعاقب وتدارک کیا گیا، یہ کورس اس لحاظ سے بھی انتہائی کامیاب رہا کہ کئی لوگوں کی اصلاح کا سبب بنا اور کئی لوگوں نے غلط عقائد سے توبہ کرلی، اس میں 188 افراد شریک ہوئے۔

ان آٹھوں سالانہ کورسز میں عوام وخواص بے حد فائدہ اٹھا چکے ہیں، اور راقم کے ان الفاظ کی تحریر کے وقت 2017ء کے ''نوویں سالانہ تربیتی کورس'' کا اعلان بھی ہو چکا ہے، جس کا موضوع ''عظمتِ آل واصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن وسنت کی روشنی میں'' قرار پایا ہے، دعاء ہے کہ: اللہ تعالیٰ اس عظیم کارِخیر وفضل میں بھی دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطاء فرمائے (آمین)

مولانا صاحب کی اس بے مثال علمی خدمات سے متأثر ہو کر شہر سانگلہ ہل میں مختلف جگہوں پر مختلف علماء حضرات نے بھی مولانا صاحب کی دینی خدمات سے مستفید ہونے کے لئے اپنے ہاں چند روزہ سالانہ کورسز کا اجراء کردیا وہاں بھی تمام دنوں مولانا صاحب ہی علمی لیکچر دینے کے لئے مدعو کئے جاتے ہیں، یعنی مولانا صاحب کی سارے سال کی مصروفیات ایک طرف اور صرف ماہِ شعبان وماہِ رمضان میں تربیتی کلاسوں اور علمی دروس کی مصروفیت بے حد بڑھ جاتی ہے۔

سالانہ سیّدنا اماما عظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کانفرنس کا انعقاد:

ہر سال سالانہ سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تربیتی کورس کے اختتام پر شبِ قدر کی مبارک ساعتوں میں مولانا صاحب ایک عظیم الشان، فقید المثال سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کانفرنس کا انعقاد کرتے ہیں جس میں کورس

کے شریک طلباء کو اسناد اور اسلامی معلوماتی دینی کتب بطورِ تحفہ پیش کی جاتی ہیں، چنانچہ تا دمِ تحریر آٹھ کورس بہت کامیابی وثمرات کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں۔

راقم الحروف کا مولانا صاحب سے تعلق 2013ء سے ہے، اُن دنوں راقم ''حضور شیرِ اہلسنّت، ضیغمِ اسلام، مناظرِ اسلام، فاتحِ خارجیت ورافضیت، مظہرِ سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، حضرت علامہ پیر مفتی محمد عنایت اللہ قادری رضوی حامدی رحمۃ اللہ علیہ'' کے خطبات پر کام کر رہا تھا، مکتبوں، کچھ لاپرواہ لوگوں اور پریشان کن حالات کے پیشِ نظر ''خطبات'' چھپنے میں رکاوٹیں کھڑی ہوئیں تو مولانا صاحب نے بہت ہی پیارے انداز میں دل جوئی وحوصلہ افزائی فرمائی، ان کی ڈھارس راقم کے حوصلے پھر جوان کرگئی، پھر وہ دن بھی آئے جب عمدۃ المصنفین ابوذ ہیب محمد ظفر علی سیالوی صاحب آف چنیوٹ کی کاوشوں سے اور استاذ العلماء، فخر العلماء، عمدۃ المحققین، زینۃ المدرسین علامہ مولانا ابوالاحمد محمد علی رضاء القادری الاشرفی زید مجدہ کی جانب سے کی جانے والی خطبات شریف کی سیٹنگ سے 2016ء میں ''خطبات شیرِ اہلسنّت رحمۃ اللہ علیہ'' منصہ شہود پر آئے، مولانا صاحب نے 100 نسخے مکتبہ سے منگوائے اور اپنے آٹھویں سالانہ تربیتی کورس کے طلباء کو اسناد کے ساتھ بطورِ تحفہ تقسیم کئے اور ساتھ بہت زیادہ دعاؤں سے راقم کو نوازا۔

سیّدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے محبت وعقیدت:

سیّدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت امام الائمہ، سراج الامۃ، رئیس الفقہاء والمجتہدین، سید الاولیاء والمحدثین، بشارتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، دعاء

مرتضیٰ رضی اللہ عنہ الغرض نبوت وصحابیت کے بعد کسی بھی انسان میں جس قدر فضائل اور محاسن پائے جاسکتے ہیں آپ ان تمام اوصاف کے جامع اور راہنما تھے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ سے مولانا صاحب کو اس قدر عقیدت ومحبت ہے کہ آپ نے سالانہ تربیتی کورسز کا نام، اپنی فاؤنڈیشن کا نام، کانفرنسز کا نام، نئے تعمیر ہونے والے جامعہ کا نام اور اسی جامعہ سے منسلک جامع مسجد کا نام بھی آپ رضی اللہ عنہ ہی کے نام مبارک پر رکھا ہے، حضور امام صاحب سے اس درجہ محبت کی وجہ یہ بنی کہ 2007ء میں ایک رات دورانِ مطالعہ امام شعرانی کی ''المیزان الکبریٰ'' میں حضور سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے حالات وحقائق پڑھتے ہوئے محبتاً آنکھوں سے آنسو نکلے، اسی وقت وضو کرکے دو رکعت نفل پڑھ کے حضور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں ان نفلوں کا ثواب بطور ہدیہ ایصال کردیا تو اسی رات قسمت کا ستارہ چمکا اور حضور سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے مولانا صاحب کو خواب میں اپنی زیارت سے مشرف فرمایا، سفید عمامہ، سفید لباس، ہاتھ میں مبارک عصا، دبلے پتلے، سفید بارونق، چمکدار رنگ، بارعب چہرہ، سفید داڑھی جس میں سامنے کی جانب چند سیاہ بال تھے تشریف لائے اور آپ رضی اللہ عنہ مولانا صاحب کو دیکھ کر مسکرائے اور مسکراتے ہوئے تھپکی دی، اور کچھ پندونصائح بھی ارشاد فرمائے، صبح جب مولانا صاحب اٹھے تو وہی کتاب چہرے کے قریب تھی، آنکھوں میں آنسو تھے اور کمرہ بھینی بھینی خوشبو سے مہک رہا تھا، بس اسی دن سے اپنے امام سے گہری وابستگی اختیار کرلی۔

امام صاحب سے محبت ہی کا اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بیٹے دیئے ان میں سے ایک بیٹے کا نام ''نعمان'' امام صاحب کے ہی مبارک نامِ گرامی پر رکھا،

خواب میں امام صاحب کی زیارت سے مشرف ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد مولانا صاحب نے حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں ایک منظوم قصیدہ بھی تحریر کیا جس کے کل 15 اشعار ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں!

امام ایسا امام جیسا نہ پایا ہم نے زمانے بھر میں
ہے رب ورحمت کا فضل ہم پر امام اعظم ابوحنیفہ

کتاب وسنت حیات جن کی عظیم رب کا انعام ہم پر
حیاء کا پیکر، سخاء کا منبع، امام اعظم ابوحنیفہ

ہے علم والوں میں فضل تیرا، ہو قمر بین النجوم جیسے
اسی لئے تو کہا ہے تم کو، امام اعظم ابوحنیفہ

نہ مانے وہ جو نہ جانے تم کو، وہ شان ایسی ہے پائی تم نے
ذلیل ورسوا ہوا عدوِ امام اعظم ابوحنیفہ

ہے نام جن کا شفاءِ مرضاں جو کوئی چاہے دوائے درداں
ابو حنیفہ پکارو! بلکہ امام اعظم ابوحنیفہ

کمالِ تقویٰ، جمالِ جلوہ، ہے قدر دانوں پہ من وسلویٰ
ہے نورِ عین اور راحتِ جاں، امام اعظم ابوحنیفہ

ہزار صدقے، فداء میں تجھ پر، ہے سب صحابہ کا کرم تجھ پر
تو شاہِ فارس، تو شاہِ کوفہ امام اعظم ابوحنیفہ

ہے تیرا، میرا، امام سب کا، یہ وِرد میرا ہے روز و شب کا
علی رضاء کا امام یارو! امام اعظم ابوحنیفہ

تراجمِ کتب:

راقم کے اصرار پر مولانا صاحب نے مختلف چار کتب کا انتہائی خوبصورت انداز میں ترجمہ بمعہ تخریج بھی کیا ہے، جو تا حال غیر طبع ہیں، تفصیل ملاحظہ ہو!

(۱)۔الرخصة فی تقبیل الید لابن المقریٔ مطبوعه مصر۔

(۲)۔ القبل والمعانقة والمصافحة لابن الاعرابی مطبوعه مصر۔

(۳)۔کتاب الزهد لابی بکر الشیبانی مطبوعه بیروت۔

(۴)۔التخریج الصغیر والتحبیر الکبیر لابن المبرد مطبوعه دار النوادر۔

تصنیفات:

حد درجہ مصروفیات کے باوجود مولانا صاحب نے بہت بلند رتبہ اور علمی کام کئے ہیں جس میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں!

(۱)۔فضائل و مسائلِ قربانی۔

یہ رسالہ دو مرتبہ فاؤنڈیشن کی ہی جانب سے چھپ چکا ہے۔

(۲)۔ الاستغفار للمیت۔

میت کے لئے دعاء واستغفار بالخصوص دعا بعد نماز جنازہ پر ایک عجیب اور انوکھی تحقیقات کی حامل تقریباً 500 صفحات پر مشتمل لاجواب کتاب ہے، یہ مولانا صاحب کی پہلی تصنیف ہے جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

(۳)۔ **مسندِ بلال** رضی اللہ عنہ (عربی، اردو)

اس کتاب میں سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے منسوب روایات کو جمع کیا گیا ہے جو ابھی تحت التکمیل ہے۔

(۴)۔ التکمیل (''عربی'' اور ''عربی، اردو'')

یہ کتاب احادیث وروایات کا مجموعہ ہے جو ابھی زیرِ تکمیل ہے اس کے تقریباً 300 صفحات تحریر کئے جاچکے ہیں، یہ کتاب اہلِ علم کے لئے ایک انمول تحفے سے کم نہیں ہوگی۔

(۵)۔صلوۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ کتاب نماز سے متعلق انتہائی آسان اور مدلل سوالاً جواباً 128 صفحات پر مشتمل ہے، جو پہلی مرتبہ سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فاؤنڈیشن سانگلہ ہل کے ہی زیرِ اہتمام ستمبر 2014ء میں طبع ہوئی، جسے عوام وخواص نے خوب سراہا علماء کرام کی جانب سے خوب پذیرائی حاصل ہوئی، کئی مدارس ومساجد اور علمی جگہوں پر بطور نصاب شامل کرلی گئی جس کی وجہ سے پہلا ایڈیشن جلد ہی ختم ہوگیا اور دوسری مرتبہ مزید اضافہ جات کے ساتھ اسے نہایت تزک واحتشام کے ساتھ لاہور کے مشہور ومعروف مکتبہ ''اکبر بک سیلرز اردو بازار لاہور'' سے چھپ کر منصۂ شہود پر پھر سے آچکی ہے۔

مولانا صاحب اسی طرز کی مختلف موضوعات پر تین اور کتب لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں بلکہ کئی ایک پرتو کام شروع بھی ہو چکا ہے، جنہیں ''مصطفویاتِ اربعہ'' سے موسوم کردیا گیا ہے۔

(٦)۔ اللحیۃ الشرعیہ (شرعی داڑھی)

یہ غیر مقلدین اہلِ حدیث کی جانب سے لگائے گئے فتوے کا جواب ہے جو تقریباً 300 صفحات پر مشتمل لاجواب تحریر ہے، ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

(٧)۔ حدیقۃ النور (نور کا باغ)

یہ مولانا صاحب کی اپنی لکھی ہوئی نعتیہ شاعری کا مجموعہ ہے، جس میں کئی کلام ہیں، جن میں ''قصیدہ شوق'' 88 اشعار اور ''آمیزہ محبت'' 175 اشعار پر مشتمل دو طویل کلام ہیں، اس کے علاوہ چند مناقب بھی شامل ہیں، یہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔

(٨)۔ جمالِ بلال رضی اللہ عنہ۔

یہ مبارک کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے، جسے سیّدنا بلال حبشی یمنی رضی اللہ عنہ پر ایک خوبصورت اور بے مثال انداز سے تحریر کیا گیا ہے، اسے تحریری عمل سے گزارنے کی غرض وغایت جاننے کے لئے مولانا صاحب کی ''جمالِ بلال رضی اللہ عنہ'' کے پیشِ لفظ کو پڑھنا سودمند ہوگا۔

راقم کی دلی دعاء ہے کہ! اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب سید العرب والعجم، سید کائنات، فخرِ موجودات احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے مولانا صاحب کی دینی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطاء فرمائے اور یونہی خدماتِ دین میں آپ کی زندگی بسر فرمائے، نیز یہ سلسلہ آپ کی

اولاد میں بھی منتقل فرمائے اور دین کے کام میں آنے والی ہر قسم کی رکاوٹوں کو دور فرمائے اور آسانیاں پیدا فرمائے، آمین بجاہ النبی الکریم الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

خادمِ مسلک اہلسنّت

الفقیر محمد افضال حسین نقشبندی مجددی

۲۳ الجمادی الاخری ۱۴۳۸ھ

22 مارچ 2017ء بروز بدھ

پیش لفظ

الحمدللّٰه رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین ووالدیه وآله واصحابه اجمعین والعاقبة للمتقین والموعظة للمتدبرین والنصیحة للمتفکرین والوصیة للذاکرین اما بعد!

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم، رسول اکرم نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات واحسانات میں سے ایک بے مثال کرم یہ مبارک کتاب ''**جمالِ بلال رضی اللہ عنہ**'' ہے، صرف اس ایک احسان کی شکرگزاری اگر پوری زندگی بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز ہو کر بھی ادا کرنے کی سعی ناممکن کروں تو بھی حقِ شاکری ادا نہ ہو پائے۔

فلله الحمد، والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء خاتم النبیین محمد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم۔

اس مبارک کتاب ''**جمالِ بلال** رضی اللہ عنہ'' کی وجہِ تألیف اور سببِ تصنیف قبلہ مرشدِ گرامی حضور مفتی اعظم پاکستان **پیر خواجہ محمد اشرف القادری** محدّثِ نیک آبادی زید انوارہ (مراڑیاں شریف گجرات) کے میرے دل میں اُتر جانے والے چند جملے بن گئے، جسکی تفصیل کچھ یوں ہے کہ:

سن 2005ء ماہِ رمضان المبارک گجرات حاضری کا شرفِ عظیم حاصل ہوا، جہاں امام الصرف والنحو مولانا ہاشم علی نوری رحمۃ اللہ علیہ کے دورہ ءصرف ونحو کی کلاس کے بعد قبلہ مرشدِ گرامی کے درسِ حدیث شریف میں اپنے والدِ گرامی **شیخ القرآن ابوالعمر غلام مصطفیٰ القادری الفاضلی** زید مجدہ کے ساتھ شامل ہونے کا موقع ملا، تو اسی درس میں قبلہ پیر صاحب سے ''صحابیِ رسول حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ'' کے بارے میں چند حیرت انگیز انکشافات سننے کو ملے، فرمایا: ''حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا رنگ کالا نہیں تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ فصیح اللسان تھے'' بطورِ دلیل چند حوالہ جات بھی سنائے نیز فرمایا: ''لہٰذا جو خطباء حضرات حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا رنگ ''کالا'' بیان کرتے ہیں یا آپ رضی اللہ عنہ کی زبان میں تو تلاپن بیان کرتے ہیں یہ صحیح نہیں ان کی اصلاح ہونی چاہیے کیونکہ یہ معاملہ ایک صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہ کی عزت کا ہے جو ہم سب کی عزت سے زیادہ اہم ہے''۔

بس میں نے دل میں اسی وقت ٹھان لیا کہ: اگر زندگی رہی اور کسی اور نے اس پر قلم نہ اٹھایا تو اپنے مرشدِ گرامی کے ان الفاظ کو یہ فقیر کتابی صورت میں پیشِ نظرِ عام کرے گا، لیکن اِس طفلِ مکتب کے لئے علمی وتحریری تجربہ اور وسائل کی کمی آڑے رہی، حالانکہ دورانِ تدریس وتقریر وقتاً فوقتاً بندہ اپنے مرشدِ گرامی کے اُنہی الفاظ کا پرچار کرتا رہا لیکن جہاں تک تصنیف کا تعلق تھا تو کئی بار ارادہ کر لینے کے باوجود یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا اور متعدد بار اس عظیم خیال کار کو حقیقت کا روپ دینے سے وقت، کتب اور مطالعہ کی کمی کی وجہ سے تہی دامن ہوجاتا لیکن جب بھی کسی سے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رنگ کو کالا اور زبان کو توتلا

کہتے ہوئے سنتا تو دل میں جوشِ تصنیف کی آگ بھڑک جاتی، بالآخر مولیٰ تعالیٰ نے پیارے آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصدق سے کتابوں کا ذخیرہ اور چند مخلص اور مسلک کا درد رکھنے والے علم دوست احباب فراہم فرمائے، جن کی بے مثال مدد اور تعاون کے ذریعے بندہ کے لئے اپنے مرشد گرامی کے الفاظ کو کتابی صورت دینے کا موقعہ مل ہی گیا اور کم وبیش ڈھائی ماہ کے عرصے میں یہ کارنامہ انجام پایا بندہ نے اپنی لائبریری کی جن کتب سے استفادہ کیا ہے وہ کتاب کے آخر میں مأخذ ومراجع کی زینت ہیں۔

قصہ، روایت، حکایت، داستان، مثال، حدیث، اثر، خبر اگر واقعہ کے مطابق ہو تو فبہا، ورنہ وہ کہانی بن جاتی ہے اور سنانے والے ''کاہن''۔

اور بدقسمتی سے دورِ حاضر کے ہر قسم کے فرقے اور طبقے میں کہانیاں سنانے والوں کی کمی نہیں، اور اس پر بھی طُرفہ یہ کہ: اندازِ خطابت سے ان کہانیوں میں ایسا جادو بھر دیا جاتا ہے کہ: سننے والے عوام تو عوام خود کئی صاحبانِ شعور بھی تحقیق وتنقید کی بجائے ''مست ومسحور'' ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال حبشی یمنی رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارک میں بڑی خطرناک حد تک ڈرامائی انداز میں ایسی ایسی کہانیاں گھڑ کر ملا دی گئی ہیں کہ: وہ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی شان کم اور بے ادبیاں زیادہ نظر آتی ہیں، لیکن اسے طبائع کی سستی کہیں یا جہالت کا وبال، کوئی فرق نہیں پڑتا کہ: عوام وخواص کو اگر ایسی کہانیاں نہ سنائی جائیں تو احقاقِ حق سے دوری کی نحوست کی وجہ سے انہیں چین ہی نہیں آتا، حدیث میں آتا ہے کہ: ''طلب الحق غربة'' یعنی حق کی تلاش غربت کا شکار ہوگئی، یہی وجہ ہے کہ جاہلوں کو خوش کر کے متاعِ قلیل پانے کی خاطر ایسی ایسی کئی من گھڑت

کہانیاں زبانوں پر جاری وساری ہیں کہ خدا کی پناہ!

مدتِ دراز تک دوسروں کی طرح ہم بھی ان افسانوں اور کہانیوں کو حقیقت سے تعبیر کرتے رہے، چنانچہ اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل وکرم اور عنایاتِ باہرہ اور قبلہ مرشدِ گرامی شیخ المشائخ حضور مفتی اعظم پاکستان **محمد اشرف القادری** اعز اللہ عزا شرفا (محدث اعظم گجرات) کے مبارک الفاظ وفیوضات نے راہنمائی فرمائی، چنانچہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی سیرت پر لکھی جانے والی دورِ حاضر کی کئی تصنیفات کا بھی تسلی بخش مطالعہ کیا اور مستند کتب بھی زیرِ مطالعہ رہیں، چنانچہ دورانِ مطالعہ حیرت انگیز حد تک انکشافات ہوتے رہے جو پہلے کبھی بھی کسی سے سننے کو نہ ملے، مطالعہ میں جوں جوں وسعت ہوئی ویسے ہی حضرت سیّدنا بلال حبشی یمنی رضی اللہ عنہ کی سیرت پاک کے حوالے سے کئی باتوں کے غلط اور خلافِ واقعہ ہونے، کئی باتوں کے مرجوح ومردود ہونے اور کئی باتوں کے صحیح وثابت ہونے کا علمی اضافہ ہوا۔ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے جمال وفصاحت کے بیان کے ساتھ کئی اور مروجہ غلط فہمیوں کو بھی دور کرنے کی کوشش کی، میں یہ نہیں کہتا کہ: یہ کتاب حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی سیرت کا مکمل احاطہ ہے لیکن یہ کہہ سکتا ہوں کہ: الحمد للہ اسے ردِ شبہات اور تطبیق روایات کے اعتبار سے جامع بنانے میں میں نے اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی، اس کتاب کی عبارات ناقدین کی تنقید سے بچ نہیں سکتیں لیکن شائقین کو لذتِ تحقیق سے لطف اندوز کیے بغیر بھی رہ نہیں سکتیں، نیز اس کتاب کا انحصار صرف کتبِ معتمدہ اور روایاتِ مقبولہ پر ہی کیا گیا ہے، جس روایت کا کوئی مستند حوالہ یا مؤید اشارہ نہیں مل سکا اسے نقل کرنے کی اہمیت بھی نہیں دی

گئی، جس جگہ متن کو اہمیت دینا ضروری سمجھا وہاں متن کو مقدم کیا اور جس جگہ حوالہ جات کو اہمیت دینا مطلوب تھا وہاں حوالہ جات کو مقدم کر دیا، فضائل وفواضل کے باب میں جن روایتوں کو نمبر وار پیش کیا گیا ہے ان کے عربی متن اور مزید تخریج کی یہاں ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ اپنی دوسری کتاب ''**مسندِ بلال** رضی اللہ عنہ '' میں بمعہ عربی متن ومزید تخریج درج کر دی ہے، جو کتبِ معتمدہ ومستندہ سے لی گئی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی روایات پر مشتمل ایک مرتبہ مجموعہ ہے جو ان شاء اللہ العزیز جلد پیشِ نظر عام ہوگی۔

یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ: دراصل ہماری اس کاوش کی قدر وہی کریگا جو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے موضوع پر دورِ حاضر کے واعظین اور سیرت نگاروں کے موقف سے باخبر اور زباں زدِ عام روایاتِ متداولہ سے واقف ہوگا۔ تنقید برائے تنقید سے قطع نظر! میں نے اس مبارک کتاب کو تنقید برائے اصلاح کی نہج پر ہی تصنیف کیا ہے، یعنی اس پوری کتاب میں آغاز سے اختتام تک تین باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے!

(۱)۔ مختلف روایات وواقعات میں تطبیق اور رفعِ ابہام۔

(۲)۔ خرافاتِ مشہورہ وموہومہ کا رد۔

(۳)۔ انکشافات۔

نیز اس کتاب کا انداز کچھ ایسا ہے کہ جب میں یہ کہوں کہ: ''دورِ حاضر کے سیرت نگار یوں کہتے ہیں'' تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ: میں نے اس مبارک کتاب کی تصنیف کے سلسلے میں دورِ حاضر کے سیرت نگاروں کی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ پر لکھی جانے والی کسی تصنیف میں وہ بات اپنی آنکھوں سے دیکھ

کر پڑھی ہے، نیز خوب یاد رہے کہ: بسلسلہ نقد و جرح دورِ حاضر کے جن سیرت نگاروں یا ان کی کتب کا نام درج کیا گیا ہے اس سے میرا مقصد تحقیر و توہینِ ذات بالکل نہیں بلکہ فقط واعظین یا سیرت نگاروں کی قابلِ اعتراض، مختلف فیہ اور بے دلیل و عبث عبارات کے سقم کو بیان کر کے اصلاح کرنا یا محقق قول پر قارئین کو خبردار کرنا ہے۔

نیز اس مبارک کتاب کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ: جب مجھے خود کسی بات کے تحقق کے سلسلہ میں کوئی مستند قول یا روایت نہیں ملی اور نہ ہی اس سے مخالف کوئی شے ملی تو میں نے اس میں پائی جانے والی تشنگی کو دور کرنے کے لئے احتمالات کا سہارا لیا لیکن اس کے باوجود میں نے اسے قطع و تحقق سے ہٹ کر کلامِ محتمَل کو اسی انداز میں لکھ دیا تاکہ پڑھنے والے کو اس میں کسی قسم کے تحقق کا دھوکہ یا غلط فہمی نہ رہے، دریں اثناء ان احتمالات سے اختلاف کی پوری پوری گنجائش بھی موجود ہے۔ اور جہاں مجھے کسی مستند کتاب کی معتمد عبارت سے کسی امر پر فائدہ حاصل ہوا تو میں نے اس عبارت پر اعتبار کرتے ہوئے اس کا لبِ لباب ترجیحاً درج کر دیا اور ساتھ ہی حوالہ بھی لکھ دیا تاکہ قارئین کو اس مؤقف کے تحقق و اثبات میں کسی قسم کا شک یا شبہ نہ رہے۔ نیز کئی جگہوں پر ثبوت کے طور پر ایک آدھ حوالے سے بھی کام چلایا گیا ہے، لیکن جہاں ضرورت پڑی وہاں متعدد حوالہ جات کی صورت میں حتی الوسع مکمل تخریج بھی کر دی ہے۔

چنانچہ اس مبارک کتاب کے مباحث مکمل ہونے کے بعد میں نے چند اہلِ نظر، تحقیق پسند اور مسلک کا درد رکھنے والے مخلص دوست علماء کی بارگاہ میں تنقیدی مطالعہ کی غرض سے اس کی ایک ایک کاپی پیش کی، ناصحانہ مشاورت و اصلاح کے

ساتھ ساتھ ان مباحث کے انداز کو خوب سراہا گیا، چنانچہ ان مباحث میں ضروری اصلاحات کے باوجود غلطی کا امکان بلا امکان نہیں، پروف ریڈنگ کے باوجود لفظی غلطی کا وجود اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ قرآن نہیں، نیز اس کتاب کے مندرجہ عناوین ومباحث کو حتی الوسع جامع مانع بنانے اور ان میں حتی القدرت صحت وتصحیح کی پوری پوری کوشش بھی کی گئی ہے۔

واللہ الغفور الرحیم الرحمن وھو المؤفق والمستعان۔

''جمالِ بلال'' حضور مفتی اعظم پاکستان کی بارگاہ میں

تکمیلِ کار کے بعد یہ آرزو دل میں انگڑائی لینے لگی کہ: اب ان مباحث کو قبلہ مرشدِ عالی کی بارگاہ عالیہ میں پیش کیا جائے تا کہ حضرت مرشدِ گرامی کے فیوضات و مسرورات سے روحانی لذتیں راقم کا نصیبہ بنیں۔ ہچکچاہٹ، شرمیلی طبیعت اور کمزور قوتِ ارادی کی وجہ سے قبلہ مرشدِ گرامی کی بارگاہ میں حاضری کا ارادہ کر کے کئی بار آج سے کل پر ڈالتا رہا اور بالآخر خدا کی توفیق سے حضرت مرشدِ گرامی دامت برکاتہ العالیہ کی بارگاہِ عالیہ میں حاضری کا شرف پایا۔

وافرحتا! وہ مبارک دن بھی آ گیا!......دل کی کیفیت پُر سرور تھی ......حضرت مرشدِ گرامی کی بارگاہ میں اپنے چند خاص تلامذہ (مولانا محمد تیمور شاہد القادری الاشرفی، محمد سیف اللہ القادری الاشرفی، محمد عظیم افضل القادری الاشرفی، غلام مرتضٰی القادری الاشرفی، محمد معظم علی خان القادری الاشرفی، محمد بلال اکرم القادری الاشرفی اور محمد نعیم مجددی) کے ہمراہ سانگلہ ہل سے گجرات حاضر ہوا، ......زندگی میں پہلی بار قبلہ مرشد گرامی کے ساتھ ہمکلامی کا وہ عظیم لمحہ میسر آیا جو پہلے کبھی نصیب نہ ہوا تھا......زندگی میں پہلی بار اپنے مرشد گرامی کے بالکل ساتھ کھڑے ہو کر **الجامعۃ الاشرفیۃ** (گجرات) کی ''**علی مسجد**'' میں نمازِ ظہر با جماعت پہلی صف میں ادا کرنے کا موقعہ ملا......اور زندگی میں پہلی بار مرشد

گرامی کے مبارک قدموں میں مجھے اپنے ہاتھوں سے پاپوش پہنانا نصیب ہوا۔

پھر جب خود کو "جمالِ بلال رضی اللہ عنہ" کے ساتھ قبلہ مرشدِ عالی کی بارگاہ میں حاضر پایا تو اس بے وجود کو بحرِ علم و عرفان کا سامنا دل کی کیفیت کو مہنگا پڑ گیا، دل تو چاہتا کہ سینے سے نکل کر مرشدِ گرامی کے قدموں میں جا کر ڈیرے ڈال دے، لیکن پاسِ بشری میں یہ کہاں ممکن تھا؟ چنانچہ پُر زور ہچکچاہٹ کے باوجود بڑی ہمت کے ساتھ بصد عجز و نیاز قبلہ مرشدِ گرامی کی بارگاہِ عالیہ میں جب "جمالِ بلال رضی اللہ عنہ" کو پیش کیا تو پھر......کیا عالم تھا؟......الفاظِ بیان نہیں......ہُو بہو انداز بھی نہیں......مرشدِ گرامی کے متبسم چہرے کی وہ خوشی!...... مر کر بھی بھول نہیں سکتا ...... بھلا کیا یہ لذتِ فیض کوئی بھولنے والی شےء تھی؟......کیا یہ مبارک لحات قابلِ فراموش تھے؟......ہرگز نہیں!......دل اتنا باغ باغ تھا کہ گلشنِ قلب کے غنچے ہی کھل اٹھے......بس یوں سمجھ لیں کہ محنت کی قیمت ہی مل گئی۔

”جمالِ بلال“ پر حضور مفتی اعظم پاکستان کے تأثرات

اس مبارک کتاب کو ہاتھ میں پکڑ کر دیکھتے ہی کِھل اٹھے اور فرمانے لگے:
سبحان اللہ!...... ماشاء اللہ!...... نام بھی ”جمالِ بلال رضی اللہ عنہ“ ہے؟......
کتاب کے اوراق اُلٹ پلٹ کرتے ہوئے مزید فرمانے لگے:...... آپ نے ایک صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہ کی عزت بچالی...... اس کا اجر بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت بڑا ملے گا...... مزید فرمایا: الحمدللہ!...... میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حق میں کالی رنگت اور توتلی زبان کے (مروجہ رٹے کے) خلاف آواز اٹھائی تھی الحمدللہ!...... پھر دیدہ زیب فرحت و مسرت کا اظہار وقتاً فوقتاً ان الفاظ سے فرماتے رہے کہ:...... بیٹا! آپ نے یہ بہت بڑا کام کیا...... میرا خواب تھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ایسا کام ضرور ہونا چاہیے ...... بیٹا! آپ نے بہت اچھا کام کیا...... میں بہت خوش ہوں...... پھر فرمایا: کیا آپ کے پاس اس کی ایک اور کاپی ہے؟...... میں نے عرض کیا: جی حضور! یہ آپ ہی کے لئے ہے...... فرمایا: تو ٹھیک ہے...... ان شاء اللہ میں اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اچھی طرح پڑھوں گا اور ہوسکا تو اس پر آپ کو ایک تقریظ بھی لکھ کر دوں گا...... پھر تھوڑی دیر کے بعد اسی پُر مسرت انداز میں اس کتاب کو یونہی دیکھتے رہے...... اس دوران

میرے دل کی کیفیت کیا تھی؟...... قابلِ بیان نہیں...... میں خوشی میں آپ ہی کو عقیدت بھری نظروں سے دیکھتا رہا...... پھر فرمایا: کیا آپ نے اس کتاب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی فصاحت کا بیان کیا ہے؟...... میں نے عرض کیا: جی حضور!...... فرمایا: پھر تو آپ نے دل خوش کر دیا ...... بیٹا جی! سرکار صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوں گے...... آپ نے بہت اچھا کام کیا...... آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم صحابی کی عزت بچائی ہے...... یہ بہت بڑا کام تھا ...... میں بہت خوش ہوں...... اب میں اسے خوب غور سے پڑھوں گا اور موقعہ ملا تو اس پر ایک تقریظ بھی لکھوں گا۔

میرے لئے قبلہ مرشد گرامی حضور مفتی اعظم پاکستان کی زبانِ عالی سے صادر ہونے والے یہ بے حد انمول الفاظ ہی تقریظ ہیں، چنانچہ اس کتاب کی تألیف کا تمام سہرا از اول تا آخر قبلہ مرشدِ گرامی ہی کو جاتا ہے۔

پہلی آواز اور پہلا قلم:

میرے لئے یہ اعزاز کچھ کم نہیں کہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے حق میں سب سے پہلے آواز اٹھانے والے میرے ہی مرشدِ گرامی حضور مفتی اعظم پاکستان عالی مرتبت ہیں، اور اسی پر سب سے پہلے قلم اٹھانا آپ ہی کی بدولت میرے نصیبے میں آیا۔

تمنا:

دل کی گہرائیوں میں تمنا ہے کہ: بذاتِ خود مولائے کُل، آقائے کائنات حضور فخرِ موجودات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کیا خاص لطف وکرم نصیبِ رضاء ہوں گے اور بذاتِ خود حضور سیّدنا ومولانا حضرت امام العاشقین

بلال یمنی حبشی حجازی شامی رضی اللہ عنہ سے کیا کیا عجب فیوض و برکات شریکِ قضاء ہوں گے؟ بارگاہِ ایزدی میں یہ ناچیز پوری امید کرتا ہے کہ: میری بخشش کے لئے ایک ''**جمالِ بلال** رضی اللہ عنہ'' ہی کافی ہو۔

میں دل سے دعاء کرتا ہوں کہ: اللہ رب العزۃ اس کام کا اجر قبلہ مرشدِ گرامی، میرے والدین، شیوخ، احباب و معاونین و تلامذہ اور اس کتاب کے ہر اس قاری کو بے حساب اجر اور بغیر حساب مغفرت نصیب فرمائے جو اسے قدر کی نگاہ سے دیکھے اور اس کتاب کے اہم ترین مباحث اور اسباق کا پرچار کرے نیز اہلِ قدر سے استدعاء بھی ہے کہ: قدر دان اپنی دعاؤں میں راقم ناچیز کو بھی یاد رکھیں۔

والله الموفق والمستعان۔

اظہارِ تشکر:

اللہ اور اسکے رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ مقدسہ میں نذرانہ ءشکر پیش کرنے کے بعد لامتناہی جذباتِ محبت سے اپنے نہایت ہی شفیق والد گرامی علامہ ابوالعمر شیخ القرآن غلام مصطفیٰ القادری الفاضلی دام اقبالہ (شیخوپورہ) کی بارگاہ شفقت میں ہدیہ ءتشکر پیش کرتا ہوں جنکی حوصلہ افزائی اور قدم قدم پر لافانی دعاؤں کا مجھ نکمے کو سہارا ہے، نیز! استاذ العلماء ابوالنعمان مفتی محمد شفیق احمد مجددی دامت برکاتہ ''مہتمم و ناظم اعلیٰ جامعہ سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ'' (سانگلہ ہل)، عمدۃ المصنفین مولانا ابوذہیب محمد ظفر سیالوی حفظہ اللہ (چنیوٹ) اور بالخصوص ''صاحبِ خطبات شیرِ اہلسنّت رحمہ اللہ'' مجاہدِ اہلسنّت مولانا محمد افضال جسین نقشبندی مجددی زادشرفہ (سانگلہ ہل) کا بے حد شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی علمی

مشاورت اور محبت بھرے جذبات نے حوصلہ افزاء حد تک بھرپور ساتھ دیا۔

نیز اپنے نہایت ہی محترم و محسن بزرگ دوست جناب حاجی محمد نواز چٹھہ سلمہ اللہ فی الدارین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کا پُرخلوص دینی تعاون شاملِ حال رہا اور ساتھ ہی ساتھ معزز و محترم جناب محمد اکبر قادری زادہ اللہ شرفا (اکبر بک سیلرز لاہور) کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں، جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت کا ذمہ اٹھایا۔ دعاء ہے کہ: خدا تعالیٰ ان سب کو جزائے جزیل عطاء فرمائے۔ (آمین)

بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ واصحابہ اجمعین۔

راقم الحروف

طالب شفاعت، جویائے رحمت، راجیء برکات

ابوالاحمد محمد علی رضاء القادری الاشرفی

(سانگلہ ہل)

الانتساب

حضور شیخِ کامل، اشرف المشائخ، عمدۃ المحققین، امام المناظرین علامۃ الدہر، مظہرِ فیضانِ مشائخِ قادریہ، شیخ العلماء والشیوخ فردِ دارِ آلِ اولیاء اللہ، صاحبِ سجادہ، ضیاء السالکین، نیّرِ عرفان بقیۃ الاسلاف، عالم السنۃ والقرآن، حضور مفتیءِ اعظم پاکستان

مفتی محمد اشرف القادری

محدّث اعظم گجرات، مہتمم الجامعۃ الاشرفیۃ (گجرات)
زیب وزینِ سجادہ سلسلہ خاندانِ ''قادریہ عالیہ فاضلیہ''
ادام اللہ اقبالہ وزاد اللہ عزہ وعلمہ وفیضہ وشرفہ فی الدارین
کی بارگاہ سے اس سعی جمیل کو منسوب کرتا ہوں جن کی
تابانیوں سے ایک تجلّی اس حقیر کے حصہ میں آئی، اور
کئی بے نور چراغوں کے اُجالے کا باعث بنی۔

الاهداء

اهدیٰ اولًا الی الحضرة العظمیٰ، صاحب سر المکنون، عالم ماکان وما یکون، صاحب الشرف والعلیٰ، صاحب القضیب واللواء، صاحب الشفاعة الکبریٰ، صاحب الرسالة الکبریٰ، حاملِ علم الحق والهدیٰ، صاحب العزة والجاه، نبی الثقلین، إمام القبلتین، نور الاقمار والشموس، امام الفراش والعروش، صاحب النسب العظیم، ابن آباء الکریم، حشر الخلائق تحت قدمیه، تشر الکوائن أمام عینیه سیّدنا مولانا ملجأنا، مأوانا، نور عیوننا، راحة روحنا، سکینة افئدتنا

﴿محمد رسول اللّٰه﴾

هدیه هدی مستقیم الی صراط مستقیم، اول البدایة، آخر النهایة، کنوز الدرایة، مقصود الروایة، الله یحبه وهو المحبوب، الطالب یطلبه وهو المطلوب، حاملِ اسرار الامور الغیبیة، صاحب حسن الشباب والشیبیة، النبی البشیر النذیر، الرسول السراج المنیر، جهد المجاهدین، وصال الواصلین، صلوة العاشقین، راحة اصحاب القلوب، حقیقة الایجاب والسلوب، اسلام المسلمین، امام النبیین والمرسلین، الدین الواصل الی الحق، صلی الله علیه ووالدیه وآله واصحابه اجمعین وسلم

واهدی ثانیًا

الی السید، المتجرد،عبد الکریم، ابی عبد الله،ابی عبد الرحمن، ابی عمرو، مؤذن رسول الله صلی الله علیه وسلم ،سید المسلمین، سید المؤذنین ذی الفضل والسماح، علم المتحنین والمعذبین فی الدین، خازن الرسول الامین صلی الله علیه وسلم ، السابق الوامق، المتوکل الواثق،اول المؤذنین فی الاسلام،سابق الحبشة، صادق الاسلام، طاهر القلب،افصح اللسان من العرب، مولیٰ ابی بکر الصدیق، حبیب الله ورسوله الشفیق، تسکین قلب کل مؤمن، راحة ارواح المسلمین، داخل الجنة امام سید المرسلین صلی الله علیه وسلم ، اول المسلمین من الموالی، المجاهد الشجیع،سیّدنا ومولانا

بلال بن رباح

الیمنی،الحبشی، الحجازی، التیمی، القریشی، الشامی رضی الله عنه، امه الحمامة رضی الله عنها، السابقة من السابقین الاولین، ربنا ارحمهما. بارك لهما، صل وسلم علیهما وعلینا بحرمتهما وعلیٰ جمیع المؤمنین والمؤمنات.ربنا انت وفقتنی علی هذا السعی الجمیل فتقبلها منی واجزء نی جزاء کاملا جزیلا فی الدنیا

والقبر والآخرة بحرمة سيدالاخيار والنبی المختار صلی الله عليه وسلم وبحرمة سيّدنا بلال بن رباح اليمنی الحبشی التيمی المکی المدنی الحجازی الشامی رضی الله عنه۔

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید العرب والعجم وجنود اللہ والامم، سیّدنا ومولانا محمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم من ارسلہ اللہ بالحق والھدیٰ وعلی خلیفۃ الرسول سیّدنا ابی بکر الصدیق وسیّدنا امیر المؤمنین عمر الفاروق وسیّدنا امیر المؤمنین عثمان ذی النورین وسیّدنا امیر المؤمنین علی المرتضیٰ وسیدینا الحسنین الکریمین وسیدینا عمین المکرمین الحمزۃ والعباس وسیدۃ النساء لاھل الجنۃ فاطمۃ الزھراء وعلی والدی الرسول الامین وآلہ المکرمین واصحابہ المعظمین اجمعین وعلیٰ اولیاء امتہ وعلماء ملتہ وصلحاء منتہ الاکرمین المتأدبین الموقرین، والعاقبۃ للمتقین والموعظۃ للمتدبرین، والنصیحۃ للمتفکرین والبشریٰ للمؤمنین والرحمۃ للمسلمین والفلاح للحنیفیین والانعام لاھل السنۃ اجمعین وبیان للناس فی العالمین۔

اما بعد!

اس پوری کتاب میں صرف انہی امور کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے جن میں سیّدنا بلال حبشی یمنی رضی اللہ عنہ کے بارے روایات و اقوال میں اختلاف پایا جاتا ہے یا آپ رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ کے نورانی باب میں جن مشہور خرافاتِ جہلاء کا اختلاط ہو چکا ہے، چنانچہ اہلِ علم کے اختلاف کی صورت میں ہم نے ارجاح و ترجیح اور اطباق و تطبیق سے کام لیا لیکن جہلاء کی چرب زبانیوں اور ان کے مشہور من گھڑت خرافاتی افسانوں کا ردِ بلیغ کرنا ضروری سمجھا، نیز اس کے ساتھ ساتھ معلومات میں اضافہ کے لئے کئی حیرت انگیز انکشافات بھی نقل کئے ہیں جن سے عوام جاہل اور خواص ناواقف تھے، کچھ ادھوری روایتوں اور مبہم اقوال کی وجہ سے پیدا ہونے والی وضاحت پسند طبیعتوں کی تشنگی اور تجسس دور کرنے کے لئے تسلی بخش دلائل کی عدم دستیابی کی صورت میں اختلاف کی گنجائش کے باوجود ہم نے احتمالات کا سہارا بھی لیا ہے۔

چنانچہ اس مبارک کتاب کا ہر باب اپنے اندر حیرت انگیز معلومات رکھتا ہے، جس سے ان شاء اللہ العزیز شائق کو مقصد تک پہنچنے میں آسانی، متن میں دلچسپی اور روح کو عجب سکون میسر ہوگا۔

ترتیب و تبویب ہی اس کتاب کا جمال ہے اور اسی ترتیب کا جمال "**جمالِ بلال** رضی اللہ عنہ" ہے، چونکہ کسی بھی شخصیت کے حُسن و جمال کا اندازہ لگانے کے لئے بالعموم 4 امور پیشِ نظر رکھے جاتے ہیں!

(۱) جمال فی السیرۃ (۲) جمال فی القرابۃ

(۳) جمال فی الصورۃ (٤) جمال فی اللسان

لہٰذا یہی وہ چار امور ہیں جو جمالِ ذات پر بہترین شواہد کا کام دیتے ہیں، اور انہی کی وجہ سے فضائل وفواضل مقدر بنتے ہیں، اور وجہِ محبت ہونے کے لئے ان میں سے محض ایک بھی کافی وشافی ہوتا ہے، لیکن بحمدہٖ تعالیٰ وبفضلہ ان شاء اللّٰہ العزیز ہم اپنی اس مبارک کتاب میں خوب ثابت کردیں گے کہ: جنابِ سید المؤذنین حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ میں ایک نہیں بلکہ مذکورہ بالا چاروں جمال ہی بدرجہ احسن پائے جاتے ہیں۔ تاکہ سچی محبت والوں کا چہرہ عزت سے روشن اور کاذبین کا منہ ذلت سے ''کالا'' ہو۔

لہٰذا سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا جمال بیان کرنے والوں کو ان چاروں باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ: ہم نے اس مبارک کتاب کی ترتیب میں مذکورہ بالا چاروں امورِ لازمہ کا لحاظ رکھا ہے، تاکہ مقصد ومطلوب کو جاننا نہایت آسان ہو، چنانچہ اس کتاب کی صورتِ ترتیب اس طرح ہوگی!

پہلا جمال: ''سیرتِ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ''۔

اس بحث میں تین باب ذکر کیے جائیں گے!

باب۔(نام، لقب، کنیت)

باب۔(ولادت، وفات، عمر)

باب۔(مولد، مسکن، مدفن)

دوسرا جمال: ''قرابتِ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ''۔

اس عنوان کے تحت بھی تین باب ہی ذکر کیے جائیں گے!

باب۔(قبیلہ اور والدین)

باب۔(بہن، بھائی)

باب۔(ازواج،اولاد)

تتمہ جمالین: ”سیرت وقرابت“:

اس عنوان میں سیرت وقرابت سے متعلق 5 ابواب ذکر ہوں گے!

باب۔(اسلام،ولاء،تشدد اور آزادی)

باب۔(قیمتِ خرید اور مختلف روایات)

باب۔(غلامی اور غربت سے متعلق انکشاف)

باب۔(ہجرت)

باب۔(غزوات)

تیسرا جمال: ”صورتِ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ“:

اس بحث میں بھی تین ابواب ذکر ہوں گے!

باب۔(حلیہ)

باب۔(رنگ)

باب۔(رنگ سے متعلق مخالف دلائل کا ردِ بلیغ)

چوتھا جمال: ”فصاحتِ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ“:

اس بحث میں صرف ایک ہی باب ذکر ہوگا جس میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی فصیح اللسانی کا مدلل و مفصل بیان اور اسی سے متعلق طعن کا جواب بھی دیا جائے گا۔

متفرقاتِ جمال:

اس آخری بحث میں ۱۴ ابواب ذکر ہوں گے!

باب۔(چند اوہامِ باطلہ کا رد)

باب۔(وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اذانیں)

باب۔(فضائل وفواضل)

باب۔(مرویات)

مذکورہ بالا اکثر ابواب میں چند فصول کے تحت مدعیٰ کو نکھار کر بیان کیا جائے گا، اور کتاب کے آخر میں مأخذ ومراجع کی سرخی میں اس تمام ابحاث کے مصادر کا بیان کر دیا جائے گا۔

پہلا جمال

﴿سیرتِ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ﴾

باب

(نام، لقب اور کنیت)

نام:

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے نام میں سبھی متفق ہیں کہ: نامِ مبارک ''بلال'' ہی ہے۔ اس بارے میں کوئی دوسرا قول موجود نہیں۔

لقب واعزاز:

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے مختلف القابات کتبِ متندہ مثلاً! الطبقات الکبریٰ لابن سعد، تاریخ لابن عساکر، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم، معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، الاستیعاب لابن عبد البر، الاصابہ لابن حجر، تہذیب التہذیب لابن حجر، اسد الغابہ لابن الاثیر، صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی، سیر اعلام النبلاء للذہبی، التاریخ للذہبی، مدارج النبوت، الروض الانف' وغیرہا میں بیان کئے گئے ہیں کہ: جن میں سے "رجل من اهل الجنة""سابق الحبشة" "الصادق" اور "اندیٰ صوتا" کے القاب اعزازی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے عطاء ہوئے، اور سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جانب سے ''خازن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' اور سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جانب سے "سیّدنا" اور "حسنة من حسنات ابی بکر" کے اعزازی لقب ملے، اسی طرح تمام صحابہ میں "بلال المؤذن" اور "مولٰی ابی بکر" کے لقب سے معروف تھے اور اسلافِ امت کی طرف سے جو القابات منسوب کئے گئے وہ باتفاق المحدّثین یہ ہیں: "مؤذن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، المتجرد، عبد الكريم، السابق الاول الوامق، المتوكل الواثق، اول المؤذنين، سيد المؤذنين، صادق الاسلام، ظاهر الاسلام، موحد الله بين المشركين جهراً، صاحب العنزة،

طاھر القلب، اول المسلمین من الموالی، المجاھد، الجری، الشجیع "۔

کنیت:

مذکورہ بالا کتب میں ''احمد بن محمد بن حسین الکلاباذی، ابو عبد اللہ بن مندۃ، محمد بن احمد المقدمی، ابو عبد الرحمٰن، احمد بن حنبل، مسلم بن حجاج، محمد بن اسماعیل، محمد بن سعد، نوح بن حبیب، ابو عمر الضریر، ابن عساکر، ابو نعیم، واقدی، ابن عبد البر، الذہبی، ابن حجر، ملا علی القاری، بدر الدین عینی، بغوی، طبرانی، نور الدین الہیثمی، ابن کثیر، بزار، ابن ناصر الدمشقی، حلبی، الدیار بکری، زرقانی، سیوطی، ابن عدی اور ابن حبان وغیرہم کی جانب سے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی ایک نہیں بلکہ کئی کنیتیں مثلاً! "ابو عبد اللہ "، "ابو عبد الکریم"، "ابو عبد الرحمٰن"، " ابو عمرو "'' بیان کی جاتی ہیں نیز شاہ عبد الحق دہلوی کی مدارج النبوت میں ایک اور کنیت ''ابو خازن'' کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور چونکہ کتبِ معتمدہ میں بالاتفاق یہ بھی منقول ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد نہیں تھی کما سنذکر ان شاء اللہ العزیز چنانچہ مذکورہ بالا سبھی کنیتیں ''اعزازی'' ہیں، جیسے ابو بکر، ابو تراب، ابو ہریرہ اور ابو حنیفہ وغیرہ۔

باب

(ولادت،عمر،وفات)

یہ امر مسلمہ ہے کہ حضرت سیّدنا بلال حبشی یمنی رضی اللہ عنہ کے سنِ ولادت کی تعیین کے سلسلے میں علماء سیر وتواریخ آپ رضی اللہ عنہ کے سنِ وفات کا سہارا لیتے ہیں۔ چنانچہ سنِ ولادت معلوم کرنے کے لئے ہمارا بھی پہلا مقصد یہی ہوگا کہ ہم یہ ثابت کریں کہ آپ کی وفات شریف کس سن میں ہوئی؟ اوراس کے بعد یہ ثابت کریں کہ: وفات کے وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک کتنی تھی؟ تا کہ سنِ ولادت پرایک مضبوط رائے قائم کی جا سکے، چنانچہ!

فصل: سنِ وفات میں اختلاف:

اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں کسی میں 17، کسی میں 18، کسی میں 20، کسی میں 21 ہجری حتی کہ کسی میں 28 ہجری کو آپ کے سنِ وفات کے طور پر بیان کیا گیا ہے بلکہ کہیں تو کسی ایک ہی شخصیت کی جانب سے دو دو قول بھی مروی ہیں۔ مثلاً!

سنِ وفات 17 ہجری والی روایت:

☆۔ اس سلسلہ میں صرف ''یحییٰ بن بکیر'' سے مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 364 رقم 15640 اور جامع المسانید والسنن لابن کثیر جلد 1 صفحہ 386 میں روایت کو نقل کیا گیا ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سن 17 ہجری میں فوت ہوئے

سنِ وفات 17 اور 18 ہجری والی روایت:

☆۔ اس قول کے قائل بھی ''یحییٰ بن بکیر'' ہی ہیں کہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سن 17 یا 18 ہجری میں فوت ہوئے جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 223، 253، المعجم الکبیر للطبرانی جلد 1 صفحہ نمبر 266، معرفۃ الصحابہ لابی نعیم جلد 1 صفحہ نمبر 333 زرقانی علی المواہب اللدنیۃ جلد 5 صفحہ 77 اور

اسد الغابہ لابن الاثیر جلد 1 صفحہ نمبر 131 میں ہے۔

سنِ وفات 18 ہجری والی روایت:

☆۔ نیز یہ قول بھی "یحییٰ بن بکیر" ہی کا ہے کہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سن 18 ہجری میں فوت ہوئے۔ جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 253، عمدۃ القاری جلد 16 صفحہ 336، فتح الباری جلد 7 صفحہ 116 اور البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر جلد 5 صفحہ 139 میں ہے۔

نیز اسی قول کو امام ملا علی القاری نے "جمع الوسائل شرح شمائل" حصہ 1 صفحہ 260 میں پھر اسی کے حاشیہ میں امام عبدالرؤف المناوی نے بھی اپنایا ہے۔

سنِ وفات 18 اور 20 ہجری والی روایت:

☆۔ یہ قول کہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سن 18 یا 20 ہجری میں فوت ہوئے دو حضرات سے منقول ہے!

(۱)۔ "ابو عبد اللہ بن مندہ" جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 222 اور معرفۃ الصحابہ لابی نعیم جلد 1 صفحہ نمبر 333 میں ہے۔

(۲)۔ "محمد بن اسحاق" جیسا کہ: المستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ نمبر 496 رقم 5311 میں ہے۔

سنِ وفات 20 ہجری والی روایتیں:

☆۔ یہ قول کثیر حضرات کا ہے!

(۱)۔ "احمد بن عبد اللہ بن عبد الرحیم" جیسا کہ تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 221 میں ہے۔

(۲)۔ "عمرو بن علی الفلاس" جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ

نمبر222، 223، 254، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ لابن حجر جلد ۱ صفحہ نمبر 187، تہذیب التہذیب لابن حجر جلد ۱ صفحہ نمبر 472 رقم 933، سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد 3 صفحہ 219، 210 اور تاریخ الاسلام للذہبی جلد 3 صفحہ نمبر 391، 384 میں ہے۔

(۳)۔"محمد بن عمرو اقدی" جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 222، 223، 254، 253، 252، مستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 495، 499 رقم 5307، 5325، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ لابن حجر جلد ۱ صفحہ نمبر 187، تہذیب التہذیب لابن حجر جلد ۱ صفحہ نمبر 472 رقم 933، سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد 3 صفحہ 219، 210 اور تاریخ الاسلام للذہبی جلد 3 صفحہ نمبر 391، 384 میں ہے۔

(۴)۔"ابوعیسیٰ" جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 222، 223، 254، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ لابن حجر جلد ۱ صفحہ نمبر 187، تہذیب التہذیب لابن حجر جلد ۱ صفحہ نمبر 472 رقم 933، سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد 3 صفحہ 219، 210 اور تاریخ الاسلام للذہبی جلد 3 صفحہ نمبر 391، 384 میں ہے۔

(۵)۔"ابن نمیر" جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 222، 223، 254، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ لابن حجر جلد ۱ صفحہ نمبر 187، تہذیب التہذیب لابن حجر جلد ۱ صفحہ نمبر 472 رقم 933، سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد 3 صفحہ 219، 210 اور تاریخ الاسلام للذہبی جلد 3 صفحہ نمبر 391، 384 میں ہے۔

(۶)۔ ''مصعب بن عبد اللہ'' جیسا کہ: مستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 499 رقم 5325 میں ہے۔

(۷)۔ ''محمد بن اسحاق'' جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ 253 اور البدایۃ والنھایۃ المعروف تاریخ ابن کثیر جلد 5 صفحہ 139 میں ہے۔

(۸)۔ ''محمد بن ابراہیم بن حارث التیمی'' جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 253 میں ہے۔

(۹)۔ ''ابن ناصر الدین الدمشقی'' جیسا کہ: جامع الآثار لابن ناصر الدمشقی جلد 5 صفحہ نمبر 2809 میں ہے۔

(۱۰)۔ ''محمد بن سعد'' جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 253، 254، عمدۃ القاری جلد 16 صفحہ 336، فتح الباری جلد 7 صفحہ 116 اور اسد الغابہ لابن الاثیر جلد 1 صفحہ نمبر 131 میں ہے۔

(۱۱)۔ ''علی بن عبداللہ التیمی'' جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ 254 میں ہے۔

(۱۲)۔ ''ابوعمر الضریر'' جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ 254، سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد 3 صفحہ نمبر 219، 210 اور تاریخ الاسلام للذہبی جلد 3 صفحہ نمبر 391، 384 میں ہے۔

(۱۳)۔ ''ابوعبید القاسم بن سلام'' جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ 254 میں ہے۔

(۱۴)۔ ''یعقوب بن سفیان'' جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ 255 میں ہے۔

(۱۵)۔ "ابوعبداللہ" جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ 255 میں ہے۔

(۱۶)۔ "ابوسلیمان بن زبر" جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ 255 میں ہے۔

(۱۷)۔ "مدائنی" جیسا کہ: الاستیعاب لابن عبدالبر صفحہ نمبر 120 میں ہے۔

(۱۸)۔ "ابن کثیر" جیسا کہ: جامع المسانید والسنن جلد 1 صفحہ 386 میں ہے،

(۱۹)۔ "ملاعلی القاری" نے "جمع الوسائل" مین 18 ہجری والے قول اور مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد 11 صفحہ 344 میں 20 ہجری والے قول کو اپنایا ہے۔

(۲۰)۔ "محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی" جیسا کہ: الاکمال فی اسماء الرجال ملحق بالمرقاۃ صفحہ 13 میں ہے۔

(۲۱)۔ "محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان المصری الزرقانی" جیسا کہ الزرقانی علی المواہب جلد 5 صفحہ 72 میں ہے۔

(۲۲)۔ "الشاہ عبدالحق دہلوی" جیسا کہ: مدارج النبوت جلد 2 صفحہ 584 میں ہے۔

سنِ وفات 21 ہجری والی روایتیں:

☆۔ یہ قول تین حضرات سے منقول ہے!

(۱)۔ "مدائنی" جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ 255 میں ہے۔

(۲)۔ "ابو موسیٰ محمد بن مثنی العنزی" جیسا کہ: جامع الآثار لابن ناصر الدمشقی جلد 5 صفحہ نمبر 2809، سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد 3 صفحہ نمبر 219، تاریخ الاسلام للذہبی جلد 3 صفحہ نمبر 391 اور الاستیعاب لابن عبد البر صفحہ نمبر 120 میں ہے۔

(۳)۔"خلیفہ بن خیاط" جیسا تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 255 میں ہے۔

سنِ وفات 28 ہجری والی روایت:

☆۔یہ قول "علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی" کا ہے جیسا کہ اشرف الوسائل الی فہم الشمائل صفحہ 227 میں ہے۔

نتیجہ:

قوتِ دلائل اور مؤیدات کی کثرت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے 20 ہجری والے قول کو ہی ترجیح ہوگی اور یہی اصوب واحوط ہے اور بقیہ روایات کو چھوڑ دیا جائے گا، مثلاً! 17 اور 18 ہجری والی روایات وہمِ راوی کی وجہ سے متروک اور 21 والی روایت میں مدائنی کا قول مضطرب ہونے کی وجہ سے نامقبول ہے نیز ابوموسیٰ اور خلیفہ بن خیاط کا قول 21 ہجری کے دفاع کے لئے کافی نہیں۔

اور علامہ ابن حجر الہیتمی کا 28 ہجری والا قول غیر مؤید، مجہول الماٴخذ اور مقابل بالاکثر ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے۔ حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ: شاید علامہ ابن حجر کا قول بھی 18 ہجری ہی ہو لیکن کاتب کی غلطی کی وجہ سے 18 ہجری کی جگہ 28 ہجری لکھ دیا گیا ہو اس صورت میں بھی یہ قابلِ اعتبار نہیں رہتا۔

چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ: حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے 20 ہجری دورِ فاروقی کے ساتویں سال وفات پائی، اور تاریخِ وفات 20 محرم الحرام بیان کی جاتی ہے،

واللہ ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وسلم

فصل:

عمر میں اختلاف

سبھی علماء کا اتفاق ہے کہ آپ کی عمر 60 سال سے زائد ہے اس قول پر تمام کا اتفاق ہے مثلاً!

(۱)۔ ''محمد بن سعد'' جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 253 تا 254 اور اسد الغابہ جلد 1، صفحہ نمبر 131 میں ہے۔

(۲)۔ ''ابو عبد الملک احمد بن ابراہیم القرشی'' جیسا کہ: جامع الآثار لابن ناصر الدین الدمشقی جلد 5 صفحہ 2810 میں ہے۔

(۳)۔ ''محمد بن ابراہیم بن حارث التیمی'' جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 253 اور جامع الآثار لابن ناصر الدین الدمشقی جلد 5 صفحہ 2810 میں ہے۔

(۴)۔ ''یحییٰ بن بکیر'' جیسا کہ: جامع الآثار لابن ناصر الدین الدمشقی جلد 5 صفحہ 2809 میں ہے۔

(۵)۔ ''محمد بن عمر واقدی'' جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 254، المستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 495، البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر جلد 5 صفحہ 139، تاریخ الاسلام للذہبی جلد 3 صفحہ نمبر 391 اور سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد 3 صفحہ نمبر 219 میں ہے۔

(۶)۔ ''علی بن عبد اللہ التیمی'' جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 254 میں ہے۔

(۷)۔ ''عمرو بن علی الفلاس'' جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 222,254 اور تہذیب التہذیب لابن حجر جلد 1 صفحہ نمبر 472 رقم 933 میں ہے۔

(۸)۔ ''ابو عبداللہ'' جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 255 میں ہے۔

(۹)۔ ''ابو سلیمان بن زبر'' جیسا کہ: تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 255 میں ہے۔

(۱۰)۔ ''ابو نعیم الاصبہانی'' جیسا کہ: معرفۃ الصحابہ لابی نعیم جلد 1 صفحہ نمبر 333 میں ہے۔

(۱۱)۔ ''شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد القسطلانی'' جیسا کہ المواہب اللدنیہ (بالزرقانی) جلد 5 صفحہ 72 میں ہے۔

(۱۲)۔ ''محمد بن عبدالباقی الزرقانی'' جیسا کہ الزرقانی علی المواہب جلد 5 صفحہ 72 میں ہے۔

ان اقوال سے ثابت ہوا کہ: تمام علماء کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت آپ کی عمر مبارک ''بضع وستین سنۃ'' یعنی 60 سے زائد ہی تھی 60 یا اس سے کم ہرگز نہیں چنانچہ اس بارے میں علماء کے مابین کوئی اختلاف نہیں لیکن ابہام واختلاف اس بات میں ہے کہ: 60 سے کتنا عرصہ زائد تھی؟

رفعِ ابہام:

چونکہ ان تمام روایات میں ''بضع وستین'' سے 60 سے اوپر کے سالوں کا ابہام دور نہیں ہوتا تو اس ابہام کو دور کرنے کے لئے 4 قسم کے علماء کا

اختلاف ہے، تو ان میں سے فریقِ اول کے نزدیک حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک وفات کے وقت 63 سال تھی اور فریقِ ثانی کے نزدیک 67 سال اور فریقِ ثالث کے نزدیک 69 سال اور فریقِ رابع کے نزدیک 70 سال تھی، ہماری معلومات کے مطابق اس سلسلے میں کوئی پانچواں قول موجود نہیں ہے چنانچہ اب ہم ان تمام اقوال کے دلائل نقل کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ: مسلّم الثبوت قول کیا ہے؟

63 سال کا قول:

فریقِ اول کی جانب سے مذکورہ بالا روایات میں موجود لفظ ''بضع'' کے ابہام کو دور کرنے اور عمر مبارک کا تعین کرنے کے لئے ''المدائنی'' کا قول پیش کیا جاتا ہے جو تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 255 اور الاستیعاب لابن عبد البر صفحہ نمبر 120 میں موجود ہے کہ: ''جب حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو آپ کی عمر اس وقت 63 سال تھی''۔

یادر ہے کہ: اسی قول کو امام ملا علی القاری نے ''مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح جلد 11 صفحہ 344'' اور ''جمع الوسائل شرح الشمائل حصہ 1 صفحہ 260'' میں اور امام محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی نے ''الاکمال فی اسماء الرجال ملحق بالمرقاۃ صفحہ 13'' میں اختیار کیا ہے۔

ازالہ وہم:

دورِ حاضر کے ایک سیرت نگار کے مطابق ''یہی قول شیخ محقق علامہ امام عبد الحق محدث دہلوی اور حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی کا بھی مختار ہے'' چنانچہ جہاں تک بات ہے شیخ محقق علامہ عبدالحق دہلوی کی تو انہوں نے مدارج النبوت

جلد 2 صفحہ 584 باب مؤذنینِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں یوں فرمایا ہے کہ ''وله بضع او ثلاث وستون سنة وقيل سبعون سنة''یعنی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ ساٹھ سے کچھ اوپر یا تریسٹھ سال کے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ: 70 سال کے تھے۔ چنانچہ اس عبارت سے شیخ محقق کا کسی قول کو اختیار کرنا ثابت نہیں ہوتا بلکہ فقط نقل کرنا ثابت ہوتا ہے، لہٰذا ان کی طرف 63 ساتھ والے قول کو اختیار کرنے کی نسبت کرنا اس سیرت نگار کی ایک غلطی ہے۔

بہر حال 63 سال والی روایت میں لفظ ''ثلاث '' کے ذریعے سابقہ بحث کے لفظ ''بضع '' کی وجہ سے پایا جانے والا ابہام بھی دور ہی ہو جاتا ہے، لیکن میری سمجھ کے مطابق لفظ ''بضع '' کا ابہام رفع کرنے کے لئے اگر یہی ایک قول دستیاب ہے تو اکثر کے مقابل محض اسی ایک قول کو دلیل بنانا کافی نہیں کیونکہ جس قول کو یہاں ''63 '' سال کے ثبوت کی طور پر سہارا بنایا جارہا ہے مجھے اس کا مؤید کوئی دوسرا قول جستِ بسیار کے باوجود مل نہیں پایا۔

عدمِ کفایت کی ایک اور وجہ بذاتِ خود ''المدائنی'' ہیں جن کا پورا نام ''ابو الحسن علی بن محمد بن عبد اللّٰه بن ابی یوسف المدائنی '' ہے نیز باوجود اس کے کہ: امام ذہبی جیسے ماہرِ فن نے انہیں ''سیر اعلام النبلاء جلد8 صفحہ نمبر 446 ''میں "العلامه، الحافظ، الصادق'' جیسے القابات سے یاد کیا ہے لیکن اس کے باوجود علامہ ذہبی نے ہی اپنی دوسری کتابوں مثلاً ''میزان الاعتدال جلد 5 صفحہ نمبر 184 رقم 5927 '' میں الکامل لابن عدی کے حوالے سے ''ليس بالقوى فى الحديث ''اور "الضعفاء والمتروكين جلد 2 صفحہ نمبر 175 رقم

2961 "میں علامہ ابن عدی ہی کے قول "لیس بقوی" سے نشانہ بھی بنایا ہے۔اور علامہ ابن عدی کا یہ قول ان کی اپنی "الکامل فی ضعفاء الرجال جلد6صفحہ نمبر363" میں مِنْ وَعَنْ موجود ہے۔

اس تنقید کی وجہ سے اور دوسرے کسی مؤید قول کی عدم دستیابی کی صورت میں میرے نزدیک محض "المدائنی" کا قول "بضع" کے ابہام کو دور کر کے "63سال" کی تعیین کے سلسلے میں کافی نہیں، بالخصوص جب اس کے برخلاف دوسرے حضرات کے پاس بھی دلائل موجود ہوں، چنانچہ!

67سال کا قول:

☆۔دوسرے فریق کے مطابق حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ان کی عمر مبارک "67سال" تھی،اس فریق کی دلیل "حسین الجعفی" کا بیان کردہ قول ہے جو المستدرک للحاکم جلد3 صفحہ496رقم5310میں موجود ہے۔

میں کہتا ہوں کہ: یہ روایت لفظِ "بضع" کے ابہام کو دور کرنے کے لئے کافی تو ہے لیکن یہ "67سال" والی روایت حاکم کی مستدرک کے علاوہ مجھے کہیں نہیں ملی اور حاکم جس سند کے ساتھ اس کو روایت کر رہے ہیں وہ یوں ہے: "اخبرنا ابوعبد اللہ الصفار، ثنا اسماعیل بن اسحاق، ثنا علی بن عبد اللہ، عن حسین الحنفی قال:"۔

چنانچہ اس سند میں بھی ایک پریشانی ہے اور وہ یہ کہ: امام حاکم اس روایت کو لے رہے ہیں" ابوعبد اللہ الصفار "سے،اور اگر واقعی یہ "ابو عبد اللہ الصفار" ہی ہیں تو "سیر اعلام النبلاء جلد12 صفحہ نمبر44 "میں ان کا پورا نام

"ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن احمد الاصبہانی الصفار" درج ہے ان کی وفات سن 339 ہجری اصبہان میں ہوئی اور ان سے امام حاکم کا سماع تو ثابت ہے لیکن انہی "الصفار" کا اس روایت کی سند کے دوسرے راوی "اسماعیل بن اسحاق" جن کا پورا نام "سیر اعلام النبلاء" جلد 10 صفحہ نمبر 407 میں "ابو اسحاق اسماعیل بن اسحاق بن اسماعیل بن حماد بن زید الازدی" درج ہے ان سے سماع مشکوک ہے کیونکہ اسماعیل بن اسحاق پوری عمر بغداد میں رہے اور سن 282 ہجری بغداد میں ہی فوت ہو گئے چنانچہ اسماعیل بن اسحاق سے جس "الصفار" کا سماع ثابت ہے وہ "ابو عبد اللہ" نہیں بلکہ "ابو علی الصفار" ہیں جن کا پورا نام "ابو علی اسماعیل بن محمد بن اسماعیل بن صالح البغدادی الصفار" ہے یہ سن 341 ہجری بغداد میں ہی فوت ہوئے اور امام حاکم کا ان سے بلا واسطہ سماع ثابت نہیں جیسا کہ امام ذہبی نے بھی سیر اعلام النبلاء جلد 12 صفحہ نمبر 47 میں بیان کیا ہے کہ: "وقد روی الحاکم عن رجل عنہ" یعنی امام حاکم کسی شخص کے واسطے سے ان سے روایت کرتے ہیں تو لامحالہ سند کے درمیان سے انقطاع ثابت ہوا۔ جو کہ اس قول کی کمزوری پر ایک واضح دلیل ہے۔

69 سال کا قول:

☆۔اس فریق کے پاس بطور دلیل دو قول ہیں!

(۱)۔ان میں سے ایک "مصعب بن عبد اللہ" کا قول ہے جسے امام بغوی نے "معجم الصحابہ جلد ۱ صفحہ 271" میں بیان کیا ہے۔

(۲)۔اور دوسرا قول "ابو حسان الحسن بن عثمان" کا ہے جسے علامہ ابن ناصر

الدین الدمشقی نے ''جامع الآثار جلد 5 صفحہ 2810 '' میں بیان کیا ہے۔

70 سال کا قول:

☆۔اس فریق کے پاس سابقہ تمام اقوال سے زیادہ اور مضبوط دلائل ہیں چنانچہ!

(۱)۔پہلا قول ''یحییٰ بن بکیر'' کا ہے جو مجمع الزوائد للہیثمی جلد 9 صفحہ نمبر 364 رقم 15640 ، المعجم الکبیر للطبرانی جلد 1 صفحہ نمبر 266 رقم 1000، معرفۃ الصحابہ لابی نعیم جلد 1 صفحہ نمبر 333 رقم 1127 ، تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 253، الاستیعاب لابن عبدالبر صفحہ نمبر 120 ، جامع الآثار لابن ناصر الدین الدمشقی جلد 5 صفحہ 2810 ، سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد 3 صفحہ نمبر 218 اور تاریخ الاسلام للذہبی جلد 3 صفحہ نمبر 319 میں منقول ہے۔

(۲)۔دوسرا قول ''احمد بن محمد حسین الکلاباذی'' کا ہے جو تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 222 میں منقول ہے۔

(۳)۔تیسرا قول ''ابو حاتم محمد بن حبان'' کا ہے جیسا کہ کتاب الثقات لابن حبان جلد 1 صفحہ 264 میں ہے۔

(۴)۔چوتھا قول حضور سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے جناب ''شعیب بن طلحہ'' کا ہے، جسے تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 255، تہذیب التہذیب للعسقلانی جلد 1 صفحہ 472 رقم 933 اور جامع الآثار لابن ناصر الدین الدمشقی جلد 5 صفحہ 2810 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

نیز یہی قول ''امام ابونعیم اصبہانی'' کا مختار ہے جیسا کہ معرفۃ الصحابہ لابی نعیم جلد 1 صفحہ نمبر 333 اور الاصابہ لابن حجر جلد 1 صفحہ نمبر 1.87 میں ہے۔

اور اسی قول کو علامہ ابن عبدالبر اور علامہ ابن کثیر نے بھی اختیار کیا ہے جیسا کہ: الاستیعاب لابن عبدالبر صفحہ 120 اور جامع المسانید والسنن لابن کثیر جلد 1 حصہ 2 صفحہ 386 میں موجود ہے۔

ان تمام اقوال میں "کان بلال ترب ابی بکر" سے ملتے جلتے الفاظ ہیں جن میں "ترب" کا لفظ یکساں استعمال ہوا ہے جو "ہم عمر" کا معنیٰ دیتا ہے نیز ان تمام اقوال کو مزید تقویت دینے کے لئے "امام محمد بن عمر واقدی" کا تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 252، طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ نمبر 127 اور المستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ نمبر 495 رقم 5308 میں ایک ایسا قول پیش کیا جاتا ہے جو واضح اور مفصل ہونے کے ساتھ ساتھ سارے ابہامات کو دور کرنے کے لئے کافی بھی ہے چنانچہ!

(۵)۔ "اخبرنا محمد بن عمر قال : سمعت شعیب بن طلحه من ولد ابی بکر الصدیق یقول : کان بلال ترب ابی بکر، قال محمد بن عمر : فان کان هذا هکذا، وقد توفی ابوبکر سنة ثلاث عشرة وهو ابن ثلاث وستین سنة فبین هذا وبین ما روی لنا فی بلال سبع سنین یعنی ان بلالا مات سنة عشرین وشعیب بن طلحه أعلم بمیلاد بلال حین یقول : هو ترب ابی بکر، فالله اعلف (اعلم) کان مولده بعد الفیل بثلاث سنین او اقل"۔

ترجمہ: ہمیں محمد بن عمر نے خبر دی: فرمایا کہ: میں نے شعیب بن طلحہ سے فرماتے ہوئے سنا جو سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نسل سے

ہیں کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہم عمر تھے، محمد بن عمر کہتے ہیں کہ: اگر واقعی ایسا ہے تو سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو 13 ھجری میں وصال فرمایا اور اس وقت ان کی عمر مبارک 63 سال تھی یہ تو واضح ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ ہماری روایات کے مطابق حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اس کے بعد بھی 7 سال تک زندہ رہے یعنی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے سن 20 ھجری میں وفات پائی نیز شعیب بن طلحہ حضرت سیّدنا بلال کی تاریخ ولادت کو سب لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں چنانچہ اس بارے میں وہ کہا کرتے تھے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہم عمر تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واقعہ فیل کے تقریباً تین سال بعد پیدا ہوئے تھے۔

فائدہ:

اس فریق کے دلائل سے ظاہر ہوگیا کہ: سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ ہم عمر تھے اور جب سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتقالِ پُر ملال ہوا تو آپ دونوں کی عمریں 63،63 سال تھیں چونکہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ آپ کے بعد بھی مزید 7 سال تک زندہ رہے اس لحاظ سے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی عمر وفات کے وقت 70 سال ہی بنتی ہے۔ لہٰذا میرے نزدیک بھی اسی قول کو ترجیح ہے۔

اعتراض:

مذکور الصدر روایات جن میں ''بضع وستین'' سے 60 سے اوپر کا عدد مبہم

رکھا گیا ہے ان میں لفظِ ''بضع'' کی موجودگی سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ:70 سال کے قول کی بجائے 63 سال، 67 سال یا 69 سال والا قول ہی معتبر ہے کیونکہ لفظ ''بضع'' کا اطلاق لغت میں کم از کم 3 اور زیادہ سے زیادہ 9 تک ہوتا ہے یعنی ''بضع وستون'' سے مراد 63 تے لے کر 69 تک چنانچہ ان تینوں اور 70 کے علاوہ کوئی پانچواں قول مروی بھی نہیں تو چونکہ 70 والا قول لفظِ ''بضع'' میں شامل نہیں ہوتا لامحالہ یا تو یہاں سے 63 سال والے قول کو ترجیح دینا بہتر ہوگا یا پھر 67 اور یا 69 سال والے قول کو؟

جواب:

لفظ ''بضع'' کا اطلاق تین سے نو تک حتمی اور متفق علیہ نہیں ہے، کیونکہ ''لسان العرب، تاج العروس من جواهر القاموس، مفرداتِ راغب، مشارق الانوار، مقاییس اللغة'' میں اسی سلسلہ میں چند اقوال منقول ہیں: مثلاً!

(۱)۔قیل" البضع" من الثلاث الی التسع، قال الفراء : البضع ما بین الثلاثة الی ما دون العشرة (بعض کہتے ہیں کہ:'' بضع'' کا اطلاق 3 سے لے کر 9 تک ہی ہوتا ہے، امام فراء اور امام ابن قتیبہ بھی یہی کہتے ہیں اور تفسیر مجاہد صفحہ نمبر 117 میں بھی حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول اسی پر ہے، اور ایک حدیث میں بھی یہی معنیٰ مراد لیا گیا ہے۔

(۲)۔ قیل : ما بین الواحد الی الاربعة، (بعض کے نزدیک ایک سے چار تک کے عدد پر اطلاق ہوتا ہے) یہ قول ''امام ابوعبیدہ'' کا ہے۔

(۳)۔وقیل من اربع الی تسع (بعض کہتے ہیں کہ: 4 سے لے

کر 9 تک ہوتا ہے) اسے ''امام ابن سیدہ'' نے بیان کیا ہے اور یہ ''امام ثعلب'' کا مختار معنیٰ ہے۔

(۴)۔ قیل: ما بین الثلاث الی الخمس، (یعنی بعض کے نزدیک تین سے پانچ تک ہوتا ہے) یہ قول بھی ''امام ابوعبیدہ'' کا ہے۔

(۵)۔ ویقال : البضع سبعة (اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ: ''البضع'' کا اطلاق صرف 7 پر ہی ہوتا ہے) یہ معنیٰ ''امام مقاتل، امام خلیل اور امام ابوعبیدہ'' کا اختیار کردہ ہے۔ اور حضرت مجاہد کے ایک قول کے مطابق ''بضع'' کا استعمال ایک سے سات تک بھی درست ہے۔

(۶)۔قال شمر: " البضع" لا یکون اقل من ثلاثة ولا اکثر من عشرة، واذا جاوزت لفظ العشر ذھب البضع (امام شمر کہتے ہیں کہ: ''بضع'' کا اطلاق 3 سے کم اور 10 سے زیادہ پر نہیں ہوتا، اور جب 10 سے بڑھ جائے تو وہ ''بضع'' نہیں رہتا) اور مفرداتِ راغب میں ہے کہ: ''ویقال ذالك ما بین الثلاث الی العشرة '' اور بضع کا اطلاق 3 سے 10 تک بھی کیا جاتا ہے۔ اور ''مبرمانؒ'' یعنی امام محمد بن علی بن اسماعیل اللغوی بھی اسی معنیٰ کے قائل ہیں نیز امام علامہ ابن منظور نے بھی اسے ہی ترجیح دی، حتیٰ کہ: ''امام ضحاک'' کے مطابق لفظِ ''بضع'' کا اطلاق صرف 10 پر ہی ہوتا ہے۔

اور بعض نے دو سے دس تک کا معنیٰ بھی مراد لیا ہے۔

(۷)۔علامہ الصاغانی کے نزدیک ''بضع'' غیر محدود اور مبہم ہے یعنی ایک سے لے کر دس تک کسی بھی عدد پر بولا جاسکتا ہے۔

اور میرے نزدیک بھی یہ زیادہ بہتر اور احوط ہے، کیونکہ اس میں بقدرِ

ضرورت ووسعت سب اقوال پر عمل ممکن ہے۔

ایک توجیہ:

چونکہ پہلے قول کے مطابق 63، 67اور 69 سال والے تینوں اقوال پر لفظ بضع کا اطلاق ہوگا۔

دوسرے اور چوتھے قول کے مطابق محض 63 سال والے قول پر اطلاق ہوگا۔

اور تیسرے قول کے مطابق صرف 67اور 69 سال والے قول پر ہی لفظ بضع کا اطلاق ہوگا۔

پانچویں قول کے مطابق صرف اور صرف 67 سال والے قول پر ہی لفظ بضع کا اطلاق ہوگا۔

لیکن چھٹے اور ساتویں قول کے مطابق 63، 67، 69اور 70 سال والے سبھی اقوال پر لفظ بضع کا اطلاق درست ہوگا۔

چنانچہ ہماری اس بحث میں لفظ بضع کا اطلاق ان ساتوں اقوال میں سے چھٹے اور ساتویں قول پر زیادہ قرینِ قیاس ہے اور اسی میں زیادہ وسعت بھی ہے لہٰذا اگر مذکور الصدر ''بضع'' والی تمام روایات کو بھی 70 سال والی روایات پر محمول کرلیں تو بھی لفظ ''بضع'' کے اطلاق پر اثر نہیں پڑتا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ: جس طرح لفظ ''بضع'' کا اطلاق 63، 67 اور 69 سال والے اقوال پر ہوسکتا ہے اسی طرح 70 سال والے قول پر بھی ہوسکتا ہے، لیکن چونکہ 63 سال والا قول اضطراب کی وجہ سے اور 67 سال والا قول سند میں انقطاع کی وجہ سے مرجوح قرار دیا جاچکا ہے اور 69 سال والا قول

غریب بلامؤید ومقابل بالاکثر ہے تو لامحالہ "بضع" والی تمام روایات کو بھی 70 سال والی روایات پر محمول کریں گے اور اسی میں زیادہ وسعت ہے اور وسعت رخصت کا تقاضہ کرتی ہے اور رخصت پر عمل کرنا افضل ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"افضل امتی الذین یعملون بالرخصِ".

(الجامع الصغیر للسیوطی صفحہ 82 رقم 1300)

میری امت میں سے افضل وہ لوگ ہیں جو رخصت پر عمل کرتے ہیں۔

نیز علامہ ابن المبرد نے "التخریج الصغیر" صفحہ 61 رقم 305 میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں کہ: "اذا بلغ المرء المسلم خسین سنة، صرف اللّٰہ عنه ثلاثة انواع من البلاء :الجنون، والجذام، والبرص، فاذا بلغ ستین سنة، رزقه اللّٰہ الانابة الیه، فاذا بلغ سبعین سنة، محیت سیأته وکتبت حسناته ......الخ" یعنی جب کوئی بندہ مسلمان 50 سال کا ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تین قسم کی مصیبتوں سے محفوظ کردیتا ہے: جنون، جذام اور برص سے، پھر جب وہ 60 سال کا ہوجاتا ہے تو اللہ اس کو اپنی انابت کا رزق عطاء فرماتا ہے، پھر جب وہ 70 سال کا ہوجاتا ہے تو اس کے تمام گناہ مٹادیئے جاتے ہیں اور اسکی تمام نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔

اسی طرح مسند الفردوس للدیلمی جلد 2 صفحہ 311 میں ہے کہ: "سألت اللّٰہ عزوجل فی ابناء الاربعین من امتی ؟فقال : یا محمد! قد غفرت لهم قلت: فأبناء الخمسین ؟ قال: انی قد غفرت لهم،

قلت: فأبناء الستين؟ قال: قد غفرت لهم، قلت: فأبناء السبعين؟ قال: يا محمد اني لاستحيي من عبدي ان اعمره سبعين سنة يعبدني لا يشرك بي شيأ ان اعذبه بالنار......الخ "یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے اللہ عزوجل سے اپنی امت کے 40 سالہ افراد کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں نے ان کو بخش دیا، میں نے عرض کیا: 50 سال والوں کو؟ فرمایا: میں نے ان کو بھی بخش دیا، میں نے عرض کیا: 60 سال والوں کو؟ فرمایا: میں نے ان کو بھی بخش دیا، میں نے عرض کیا: 70 سال والوں کو؟ فرمایا: اے پیارے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! جن افراد کو میں 70 سال تک کی عمر دوں اور میری بارگاہ میں میرا شریک ٹھہرائے بغیر لوٹیں تو مجھے حیاء آتی ہے کہ: میں اپنے ایسے بندوں کو عذاب دوں......الخ۔

ان دونوں روایتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک کے 70 سالہ ہونے میں زیادہ فضیلت ہے۔ فتأملوا۔

چنانچہ اس تمام بحث سے الحمد للہ روز روشن کی طرح عیاں ہوا کہ: حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک آپ کی وفات کے وقت 70 سال تھی اور آپ واقعہ فیل کے تقریباً 3 سال بعد پیدا ہوئے، میرے نزدیک یہی راجح ہے۔

وفات کا سبب:

اس میں کسی کو بھی کوئی اختلاف نہیں کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ عمواس کے طاعون کا شکار ہو کر شہید ہوئے اور یہ علاقہ ''عمواس'' اردن اور شام

کی سرحد پر موجود شام کا آخری شہر تھا جس سے طاعون کی وباء پھوٹی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس وباء نے شام کے اکثر علاقوں مثلا! حلب اور دمشق وغیرہ کو بھی متاثر کر دیا، یہ وباء کئی سال تک رہی جس کی وجہ سے کثیر تعداد میں عوام الناس کے ساتھ ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اور متعدد صحابہ کرام بھی شہید ہوئے، جیسا کہ عمدۃ القاری، فتح الباری، تاریخ الخمیس اور البدایۃ والنھایۃ المعروف تاریخ ابن کثیر وغیرہ میں ہے۔

......انا للہ وانا الیہ راجعون......

باب

(مدفن، مولد اور مسکن)

فصل: مدفن میں اختلاف:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "لا اقسم بمواقع النجوم" یعنی مجھے قسم ہے ستاروں کے واقعہ ہونے کی جگہوں کی۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ: اس آیت سے مراد انبیاء، اولیاء اور علماء کے مکانات ومزارات ہیں، نیز ترمذی کے حوالے سے الجامع الصغیر للسیوطی صفحہ 488 رقم 7994 میں بروایت حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ یوں ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ما من احد من اصحابی یموت بارض الا بعث قائدا ونورا لھم یوم القیامۃ" یعنی میرا کوئی بھی صحابی جس سرزمین میں وفات پاتا ہے وہ اس زمین والوں کے لئے قیامت کے دن نور اور ان کا قائد ہوگا۔

خوشا وہ سرزمین جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے صحابی سیّدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ دفن ہوئے، اور سلام ہو ان ذرہ ہائے خاک کو جنہیں اس عظیم صحابی کے جسمِ اقدس کو چھو کر چومنے کا شرفِ سعادت حاصل ہوا۔

سبحان اللّٰہ، سقی اللّٰہ ثراہ بنورہ العظیم، ونفعنا اللّٰہ بعزہ وشرفہ وفیضانہ الکریم!

آپ رضی اللہ عنہ کے مدفن کے بارے میں بھی امہات الکتب مثلاً "تاریخ ابن عساکر، عمدۃ القاری، فتح الباری، معرفۃ الصحابہ، الزرقانی علی المواھب، الاستیعاب، اسد الغابہ، الاصابہ، طبقات ابن سعد، البدایۃ والنھایۃ، سیر اعلام النبلاء، تاریخ الاسلام للذھبی، جامع المسانید والسنن لابن کثیر، صفۃ الصفوہ، تھذیب التھذیب،

المعجم الكبير، جامع الآثار لابن ناصر الدين الدمشقي، مجمع الزوائد، المرقاة شرح مشكوة، مدارج النبوت، الاكمال في اسماء الرجال اور المستدرك'' وغیرہ میں اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً! کچھ علماء دمشق اور کچھ حلب کے قائل ہیں، اور جو دمشق کے قائل ہیں ان میں پھر اختلاف ہے کہ: آپ کو دمشق کے کونسے قبرستان میں دفن کیا گیا ہے؟ باب الصغیر کے قبرستان میں یا باب کیسان کے قبرستان میں؟ یا پھر دمشق کے ایک علاقے ''داریا'' جہاں آپ کی رہائش بھی تھی اس کے ایک حصے خولان کے قبرستان میں۔

نیز ابن حبان نے کتاب الثقات میں فرمایا کہ: ''میں نے فلسطین والوں سے سنا ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی قبر ''عمواس'' (جو اردن اور شام کی سرحد پر واقع ہے) میں ہے'' لیکن علماء کی پوری جماعت نے یہ قول تسلیم نہیں کیا۔

اور جو علماء حلب کے قائل ہیں وہ حلب کے ''باب الاربعین'' کے قبرستان میں آپ کے دفن ہونے کے قائل ہیں۔

چنانچہ ان تمام اقوال پر روایات سے شواہد موجود ہیں۔

نیز ان اقوال میں تطبیق بھی ممکن ہے یعنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ: داریا کا علاقہ دمشق کے قبرستان باب الصغیر اور باب کیسان کے قریب ہونے کی وجہ سے وہاں کا قبرستان ''مقبرۃ الخولان'' بھی اسی میں شامل سمجھ لیا گیا ہو اور پھر یہ حصہ جو دمشق میں شامل تھا بعد میں اسے حلب کے ''باب الاربعین'' سے قریب ہونے کی وجہ سے بھی حلب کا حصہ ہی سمجھ لیا گیا ہو جس کی وجہ سے اس قبرستان کو باب الاربعین سے بھی موسوم کر دیا گیا ہو۔ شاید اسی لئے اس قبرستان کے متعلق اتنے

زیادہ قول مشہور ہو گئے ہوں......

......واللہ اعلم ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم ......

اس صورت میں سارے اقوال میں تطبیق تو دی جا سکتی ہے لیکن حق یہ ہے کہ ان تمام اقوال میں سے کسی کو بھی صرف سند یا شہرت کے لحاظ سے ترجیح دینا مفید نہیں جب تک کوئی قول مشاہدے سے ثابت نہ ہو جائے۔ اور وہ مقبرہ ''باب صغیر'' دمشق کا ہی قول ہے۔ اور یہی قول حافظ ابن کثیر کا بھی ہے۔

چنانچہ اسی سلسلہ میں حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: فقیر نے دمشق میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قبر انور کی زیارت کی ہے جو بی بی سکینہ رضی اللہ عنہا کی قبر سے متصل ہے۔

اور ڈاکٹر سید محمد عامر گیلانی اپنی کتاب ''حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ'' کے صفحہ نمبر 159 پر لکھتے ہیں کہ: ''میں (مؤلف) نے بھی الحمدللہ ۱۹۸۵ء میں دمشق میں واقع ''باب الصغیر'' نامی قبرستان میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک پر حاضری کی سعادت حاصل کی، قبر انور ایک کمرے کے اندر موجود ہے جس کے اندر آپ رضی اللہ عنہ کی قبرِ انور کے پہلو میں حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک ہے جو لمبائی میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی قبر انور سے کافی چھوٹی ہے، مزار مبارک کی چار دیواری کے بالکل ساتھ حضرت بی بی سکینہ رضی اللہ عنہا کا مزار مبارک ہے جب کہ اسی قبرستان میں دیگر صحابہ کرام اور صحابیات رضوان اللہ اجمعین کے مزارات بھی ہیں''۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ: محض روایات کی بناء پر کسی قول کے ارجاح وترجیح کی لفظی جنگ یہاں مفید نہیں بلکہ یہاں اسی قول کو ترجیح ہوگی جو مشاہدے سے ثابت ہو،

لیکن جہاں مشاہدہ میسر نہیں وہاں روایات کا اعتبار ہی مناسب ہوگا۔

حالانکہ ایک قول یہ بھی ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں فوت ہوئے لیکن اس کے تعاقب میں علامہ سمہودی نے ''وفاء الوفاء'' اورعلامہ زرقانی ''شرح علی المواہب'' جلد 5 صفحہ 77 میں فرماتے ہیں کہ ''وزعم ابن السمعانی ان بلالا مات بالمدینة وغلطوه'' یعنی ابن سمعانی کا گمان ہے کہ: سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں فوت ہوئے ہیں اوران کی اس بات کوعلماء نے غلط قرار دیا ہے۔

....

فصل:

جائے ولادت میں اختلاف

حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی جائے ولادت کے سلسلے میں کوئی بھی قول صراحت سے منقول نہیں، چنانچہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ: آپ حبشہ میں پیدا ہوئے ہیں یا مکہ میں یا پھر کسی اور جگہ۔

لیکن ''تاریخ لابن عساکر، عمدۃ القاری، معرفۃ الصحابہ، الاستیعاب، مجمع الزوائد، المعجم الکبیر للطبرانی، الزرقانی علی المواھب، المستدرک، الاصابہ، اسد الغابہ، مدارج النبوت، تھذیب التھذیب، سیر اعلام النبلاء اور تاریخ الاسلام للذھبی'' میں ''محمد بن سعد، ابوعبداللہ بن مندہ، احمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم، احمد بن محمد بن حسین الکلاباذی، یحییٰ بن بکیر، محمد بن عمر، محمد بن اسحاق، المدائنی اور ابونعیم وغیرہم'' کے اقوال منقول بالکثرۃ ہیں کہ: ''کان بلال بن رباح مولی ابی بکر الصدیق من مولدی السراۃ''۔

اور اسد الغابہ میں ابن اثیر، السیرۃ الحلبیہ میں امام حلبی، الاستیعاب میں ابن عبدالبر اور الاصابہ میں ابن حجر یہ بھی کہتے ہیں کہ: ''قیل: من مولدی مکۃ''۔

اسی طرح امام ذہبی ''السیر'' اور ''التاریخ'' میں یہ بھی کہتے ہیں کہ: ''یقال انہ حبشی وقیل: من مولدی الحجاز''۔

چنانچہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی جائے ولادت کے سلسلے میں چار قسم

کے اقوال ہمارے سامنے ہیں!

(۱)۔''سراۃ'' (۲)۔''مکہ''

(۳)۔''حجاز'' (عرب کا ایک معروف صوبہ جس میں مکہ ومدینہ ونواح شامل ہیں اور جس کا محلِ وقوع ''سراۃ'' اور ''نجد'' (یعنی موجودہ ''الریاض'') کے درمیانی علاقے پر محیط ہے)

(۴)۔''حبشہ''

• ان میں سب سے مضبوط ومشہور اور راجح قول ''سراۃ'' کا ہے، یعنی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ ''سراۃ'' میں پیدا ہوئے، کیونکہ مکہ، حجاز یا حبشہ میں ولادت پر مذکورہ بالا اقوال کمزور ہیں جنہیں ''قیل'' اور ''یقال'' سے بیان کیا جاتا ہے جن کا قائل معلوم نہیں چنانچہ اس پر ان کمزور اقوال کے علاوہ کوئی ٹھوس دلیل بصورتِ روایت بھی نہیں۔

لہٰذا ''سراۃ'' والے قول کو ترجیح ہوگی جسے اصحابِ سیر نے بھی اپناتے ہوئے ترجیحاً نقل کیا ہے پھر یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''سراۃ'' سے کیا مراد ہے؟ تو اس حوالے سے مزید کچھ کہنے سے پہلے میں ابن عساکر کے دو نقل کردہ قول پیش کرتا چلوں: چنانچہ ایک قول یوں ہے کہ: ''من مولدی السراۃ من اھل مصر'' (یعنی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سراۃِ اہلِ مصر کے مولدین میں سے تھے)۔

اور دوسرا قول یوں نقل کرتے ہیں کہ: ''کان من مولدی السراۃ یعنی بالشام'' (آپ رضی اللہ عنہ سراۃ یعنی شامی سراۃ کے مولدین میں سے تھے)۔

ان دونوں قولوں سے پتہ چلتا ہے کہ: شاید حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ مصر کے علاقے ''سراۃ'' میں پیدا ہوئے یا پھر ملکِ شام کے علاقے ''سراۃ'' میں۔

رفعِ ابہام:

لیکن حق یہ ہے کہ: ''سراۃ'' (سین کی زبر کے ساتھ) یوں تو پہاڑوں وغیرہ پر مشتمل ہر بلند مقام یا وسیع وعریض میدان کو کہا جاتا ہے اس لحاظ سے ''سراۃ'' نامی علاقے عرب میں صرف دو ہی نہیں تھے بلکہ، ابن منظور، مرتضیٰ زبیدی اور ابن سیدہ جیسے ماہرینِ لغت کے مطابق عرب میں ''سراۃ الطائف''، ''سراۃ ثقیف''، ''سراۃ فہم''، ''سراۃ عدوان''، ''سراۃ الازد''، ''سراۃ الحرۃ''، ''سراۃ بجیلہ''، ''سراۃ زہران''، ''سراۃ عنز''، ''سراۃ حجر''، ''سراۃ بنی قرن''، ''سراۃ بنی شبانہ''، ''سراۃ المعافر''، ''سراۃ الکراع''، ''سراۃ بنی سیف''، ''سراۃ ختلان''، ''سراۃ الھان''، ''سراۃ المصانع''، ''سراۃ قُدُم''، ''سراۃ ھتوم'' اور ''سراۃ العرفہ'' نیز ''سراۃ'' نامی علاقہ کوفہ کے نزدیک بھی موجود تھا جسے ''سراۃ الکوفہ'' کہا جاتا تھا، ان کے علاوہ آذربائیجان کے ایک علاقے کا نام بھی ''سراۃ'' ہی ہے لیکن یاد رہے کہ: ان تمام علاقوں کو ''سراۃ'' کہہ کر بہت ہی کم پکارا جاتا تھا لیکن جب بھی ان پر لفظ ''سراۃ'' کا اطلاق کیا جاتا تو ساتھ ہی مقید کرنے کی ضرورت بھی پیش آتی تھی حتی کہ: اگر مصر یا شام کے ''سراۃ'' کا بھی ذکر ہوتا تو انہیں بھی مقید بالاضافت ہی کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی جیسا کہ سابق میں مثال گزر چکی چنانچہ یہی بات قابلِ غور ہے کہ: ہمارے مذکور الصدر اقوال میں سے زیادہ تر اقوال مطلقاً ''سراۃ'' کے ہیں جن میں مصر یا شام یا عرب کے کسی بھی

دوسرے علاقے کی قید نہیں لہٰذا لفظِ ''سراۃ'' کو بغیر کسی قید کے مطلق رکھنے سے ذہن بغیر کسی تکلف کے خود بخود ہی اس طرف چلا جاتا ہے کہ: یہاں ''سراۃ'' ایک ایسا علاقہ مراد لیا گیا ہے جو عوام میں مصر، شام اور عرب کے دوسرے ''سراوات'' سے بھی زیادہ مشہور و معروف تھا جسے مقید کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی بس یہی ہمارا مؤقف ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی ولادت جس ''سراۃ'' کے علاقے میں ہوئی وہ نہ تو مصر کا علاقہ تھا اور نہ ہی شام کا اور نہ ہی کوئی اور، بلکہ وہ علاقہ اس وقت کا سب سے زیادہ مشہور و معروف ''سراۃ'' تھا جو یمن میں واقع ہے، چنانچہ اسی کی تائید کرتے ہوئے علامہ ابن منظور ''لسان العرب جلد 8 صفحہ نمبر 355'' میں لکھتے ہیں کہ: ''وسراۃ الیمن معروفۃ'' یعنی یمن کا ''سراۃ'' زیادہ مشہور و معروف ہے، تو یمن کا ''سراۃ'' اپنی شہرت کی ہی وجہ سے اول الذکر اقوال میں مطلق رکھا گیا ورنہ اسے مقید کر کے ذکر کیا جاتا۔ لہٰذا اسی کی تائید و توثیق میں ''سراۃ الیمن'' کا محلِ وقوع بیان کرتے ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں علامہ ابن ناصر الدین الدمشقی ''جامع الآثار'' جلد 5 صفحہ نمبر 2809 میں کہتے ہیں کہ: ''کان من مولدی السراۃ، فیما بین الیمن والطائف'' (یعنی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سراۃ کے مولّدین میں سے ہیں اور سراۃ وہ علاقہ ہے جو یمن اور طائف کے درمیان آباد ہے) نیز اسی قول کو شیخِ محقق علامہ عبدالحق ''مدارج النبوت'' جلد 2 صفحہ 582 میں بیان فرمایا ہے کہ ''وی دراصل از مولدین سراۃ است بفتح سین مہملہ و تخفیف را موضع ست میان مکہ و یمن'' یعنی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ دراصل ''سراۃ'' کے مولّدین میں سے تھے، سراۃ سین مہملہ کی فتح اور را کی تخفیف کے ساتھ ہے اور یہ

جگہ مکہ اور یمن کے درمیان آباد ہے۔

اور چونکہ یمن کا علاقہ سمندر کے واسطے سے حکومتِ حبشہ کے زیرِ تسلط تھا اور یہ علاقہ عرب اور حبشہ کے درمیان راہداری کے طور پر بھی استعمال ہوتا تھا اسی لئے یمن میں عربی، حبشی اور کئی طرح کی قومیں اور قبیلے آباد تھے، اور ''سراۃ الیمن'' مکہ کے جنوب مغرب کی جانب یمن اور عرب کی سرحد پر سمندر کے تقریباً کنارے پر آباد تھا، جس کی وجہ سے وہاں کے رہنے والوں کو حبشہ، یمن اور مکہ سے تعلق جوڑنے میں دقت نہیں تھی اور ان علاقوں میں آمد و رفت رکھنا بھی آسان تھا، نیز ''سراۃ'' یمن اور عرب کی درمیان حدِ فاصل کی حیثیت رکھتا تھا بعض اسے یمن اور بعض عرب کا حصہ سمجھتے تھے البتہ کچھ بھی ہو، یہاں مذکورہ ''سراۃ'' سے مراد ہر حال میں یمن اور عرب کی سرحد پر واقع علاقہ ''سراۃ'' ہی مراد لیا جاتا ہے اور یہی راجح ہے کہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اسی سراۃ میں پیدا ہوئے تھے۔

فصل:

مسکن

نصوص واشارے بتاتے ہیں کہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ ''سراۃ الیمن'' میں پیدا ہوئے جو آپ کے والد کا مسکن تھا بچپن اور لڑکپن یہاں گزارنے کے بعد کسی (نامعلوم) وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ صاحبہ کے وطن یعنی حبشہ چلے گئے جہاں کئی سال پر محیط اپنی جوانی کا ایک بڑا حصہ گزارا پھر شاید وہیں غلام بنالئے گئے یا شاید وہاں سے جب کئی سالوں کے بعد یمن واپس آئے تو کسی (نامعلوم) وجہ سے حبشہ سے آئے ہوئے پورے کنبے کو زبردستی غلام بنالیا گیا اور اس بات کی تائید ''الکامل فی التاریخ لابن الاثیر جلد 1 صفحہ 588،589'' سے بھی ہوتی ہے جس میں یوں کہا گیا ہے کہ: ''بلال بن رباح الحبشی مولٰی ابی بکر الصدیق، وکان ابوہ من سبی الحبشة وامه حمامة سبية ایضًا وهو من مولدی السراة ''یعنی حضرت سیّدنا بلال بن رباح الحبشی رضی اللہ عنہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں نیز آپ رضی اللہ عنہ کے والد اور آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت حمامہ رضی اللہ عنہا دونوں ہی حبشہ سے آنے والے زبردستی بنائے گئے غلاموں میں سے تھے، اور آپ رضی اللہ عنہ ''سراۃ'' کے مولدین میں سے تھے۔

اسی وجہ سے سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ غلامی کی حالت میں مکہ آئے، اور پورے خاندان کو عرب کے مختلف قبیلوں نے خرید لیا چنانچہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنو تیم کے ایک سردار ''عبداللہ بن جدعان'' نے خریدا جو بہت مالدار

اور یحییٰ تھا۔ ''عمدۃ القاری، فتح الباری اور السیرۃ الحلبیہ'' کے مطابق اسی کی غلامی میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

اور تاریخ ابن جریر طبری جلد 2 صفحہ 333، 334 میں ہے کہ: جب ابو جہل ملعون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کیا اور گالیاں بھی دیں تو اسی عبد اللہ بن جدعان کی ایک لونڈی جس کا گھر صفا پہاڑی پر واقع تھا وہ اپنے گھر کی چھت سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی بعد ازاں جب عمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ شکار سے واپس تشریف لائے تو اسی عبد اللہ بن جدعان کی اس لونڈی نے آپ رضی اللہ عنہ کو ابو جہل کے قبیح فعل کے بارے میں اطلاع دی جس پر حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنی کمان کے ساتھ ابو جہل کا سر پھاڑ دیا اور بدلا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا، بہرحال حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی غلامی میں بھی اور اسلام کی دولت سے فیضیابی کے بعد بھی حتیٰ کہ: آزاد ہونے کے بعد ہجرت سے پہلے تک بھی آپ کا مسکن مکہ شریف ہی رہا، بعد ازاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے اور ایک روایت کے مطابق سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دوسری روایت کے مطابق سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے ابتدائی چند دنوں تک مدینہ میں ہی رہے پھر اجازت لے کر شام چلے گئے اور شام کے دارالحکومت دمشق کے علاقے ''داریا'' کو مسکن بنالیا جہاں آپ رضی اللہ عنہ کا وصالِ پُر ملال ہوا، اور دمشق کا معروف قبرستان ''باب الصغیر'' قیامت تک کے لئے آپ کی آرام گاہ قرار پایا۔ ''نور اللہ ثراہ علی الدوام''۔

......واللہ اعلم ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم ......

دوسرا جمال

﴿قرابتِ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ﴾

باب

(قبیلہ اور والدین)

فصل: قبیلہ

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کس قبیلے میں پیدا ہوئے ہیں اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن مختلف اقوال کی روشنی میں اوہام پر مبنی کچھ فرضی اور کچھ جزوی اختلاف بھی ہے چنانچہ!

(۱)۔ شاید کچھ لوگ امام ابن حجر کی ''تہذیب التہذیب'' میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں استعمال شدہ لفظ ''التیمی'' کی وجہ سے اس وہم میں مبتلا ہو جائیں کہ: آپ رضی اللہ عنہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قبیلہ ''بنو تیم'' میں پیدا ہوئے ہوں گے۔

تو میں کہتا ہوں کہ: جہاں تک بات قبیلہ بنو تیم سے ''ولاء'' کے تعلق کی ہے تو یہ بالکل درست ہے لیکن اگر تعلق سے یہ سمجھ لیا جائے کہ: آپ اس قبیلے میں پیدا ہوئے ہیں اور یہی آپ کا خاندان بھی تھا تو یہ واقعی ایک صریح وہم اور غلطی ہے جس کا کوئی بھی قائل نہیں چنانچہ اس سلسلے میں حق وہی ہے جو ابن عساکر نے ذکر کیا کہ: ''من موالی بنی تیم'' یعنی آپ بنو تیم کے موالی میں سے تھے، اور موالی کا معنیٰ پیدا شدہ نہیں ہوتا بلکہ اس ضمن میں اس کا معنیٰ آزاد کردہ غلام ہوگا، مطلب یہ کہ: آپ بنو تیم میں پیدا نہیں ہوئے بلکہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نسبتِ ولاء کی وجہ سے ہی آپ رضی اللہ عنہ کو ''تیمی'' کہا جاتا ہے اگرچہ ''عبد اللہ بن جدعان'' کا تعلق بھی قبیلہ بنو تیم سے ہی تھا پھر بھی میں سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ''التیمی'' کہے جانے کی وجہ محض سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہی سمجھتا ہوں۔

(۲)۔ کچھ سیرت نگاروں کے مطابق حضرت بلال رضی اللہ عنہ امیہ بن

خلف کے قبیلے "بنو جمح" میں پیدا ہوئے ہیں اسی لئے ابن عساکر نے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ روایت نقل کی ہے: "کان مولدا من مولدی بنی جمح"۔

تو میں کہتا ہوں کہ: آپ رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو جمح سے بھی تھا اس میں کوئی شک نہیں لیکن وہ بھی صرف غلامی کی حد تک، کیونکہ "امیہ بن خلف" اسی قبیلہ کے سرداروں میں سے تھا لہٰذا یہ کہنا کہ: "حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ یا آپ کی والدہ اس قبیلہ میں پیدا ہوئے تھے" تو یہ محض ایک لا علاج وہم ہے اور کچھ نہیں۔

چنانچہ حق یہی ہے کہ "سراۃ" والی روایات سے ٹکرانے کی وجہ سے بھی یہ رائے مردود ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ: خود علامہ ابن عساکر نے امیہ سے پہلے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنو تیم کے ایک سردار "عبد اللہ بن جدعان" کا غلام ہونا بھی روایت کیا ہے۔ نیز یہ مراد علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی "انیس الجلیس" میں نقل کردہ اس روایت کے بھی خلاف ہے جس میں ہے کہ: "حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کئی سال حبشہ میں مقیم رہے" (سنذکر ان شاء اللہ العزیز)

چنانچہ رہا معاملہ ابن عساکر کی عبارت کا؟ تو اس میں موجود لفظ "مولّد" خود دو احتمال رکھتا ہے جن میں سے ایک ولادت اور دوسرا نسبت کے معنیٰ کا ہے لہٰذا ابن عساکر کی روایت میں لفظ "مولد" ولادت کے معنیٰ میں نہیں بلکہ "نسبتِ عرب" کے معنیٰ میں مراد لیا جائے گا ورنہ انتزاع لازم آئے گا جس سے معاملے کو سمجھنا اور تطبیق دینا نہایت دشوار ہو جائے گا چنانچہ لفظ مولد کی تفصیلی بحث ان شاء

اللہ اگلی فصل میں بیان ہوگی لہٰذا میرے نزدیک حق یہی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قبیلہ نہ ہی بنوجمح تھا اور نہ ہی بنوتیم بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کا اپنا نسبی تعلق یمن کے کسی خاندان سے تھا لیکن یہ تعلق جس خاندان اور قبیلہ سے تھا افسوس کہ ہمیں اس قبیلے کا حال تو دور، نام تک معلوم نہیں۔

......واللّٰہ اعلم ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ......

فصل:

والدین

والد:

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے والد کا نام "رباح" تھا ان کے نام کے علاوہ بقیہ حالات، واقعات، سلسلہ نسب، ولادت، وفات، مولد، مدفن کے بارے میں تاریخ خاموش ہے، لیکن اتنا تو ثابت ہو چکا ہے کہ: وہ بھی پیدائشی غلام نہیں تھے بلکہ حق یہی ہے کہ انہیں بھی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی زبردستی غلام بنایا گیا تھا جیسا سابق میں بیان کیا جا چکا ہے۔

نیز میں یہ بالکل یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ: وہ بھی نسلاً حبشی تھے یا نہیں؟ لیکن دورِ حاضر کے کئی سیرت نگاروں نے انہیں "حبشی" قرار دیا ہے حالانکہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے کتبِ تاریخ وسیر کے مطالعہ میں ابھی تک ہمارے سامنے ایسی کوئی بات نہیں آئی نہ صراحتاً اور نہ ہی کنایتاً اور نہ ہی سیرت نگاروں نے اس پر کوئی دلیل دی ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے والد "حبشی" تھے۔

ازالہ وہم:

ہوسکتا ہے کہ: کوئی "معترض ناقد" سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے والد کو حبشی ثابت کرنے کے لئے سابق میں ہماری جانب سے پیش کی جانے والی "الکامل فی التاریخ لابن الاثیر جلد 1 صفحہ 588، 589" کی اس عبارت کو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے حبشی ہونے پر دلیل بنائے کہ: "وکان ابوہ من سبی

الحبشة وامه حمامة سبية ایضًا ''یعنی آپ رضی اللہ عنہ کے والد اور آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت حمامہ رضی اللہ عنہا دونوں ہی حبشہ کے زبردستی بنائے گئے غلاموں میں سے تھے۔

تو میں کہتا ہوں کہ: میرے نزدیک راجح ترین مؤقف یہی ہے کہ: وہ حبشی النسل نہیں تھے بلکہ یمنی تھے نیز اس مذکورہ بالا عبارت سے نسلاً حبشی ہونا کلی طور پر درست نہیں بلکہ یہ عبارت معنوی لحاظ سے خود محتمل ہے چنانچہ!

(۱)۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ: انکے والد حبشہ میں زبردستی غلام بنائے گئے۔

(۲)۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ: ان کے والد حبشہ سے آنے والے ان لوگوں میں سے تھے جنہیں زبردستی غلام بنالیا گیا۔

(۳)۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ: انکے والد زبردستی غلام بنائے جانے والے حبشی لوگوں میں سے تھے۔

چنانچہ پہلے اور دوسرے معنوی احتمال کی روشنی میں نسلاً حبشی ثابت کرنا قطعاً درست نہیں اور تیسرا احتمال اس سلسلہ میں مفید تو ہے لیکن اولاً تو وہ محض ایک احتمال ہے اور احتمال سے استدلال درست نہیں ہوتا اور ثانیاً یہ احتمال دوسرے قرائن کے بھی بالکل خلاف ہے، جسکی تفصیل یوں ہے کہ: اگر مان لیا جائے کہ: ان کا تعلق کسی نہ کسی طرح حبشہ سے تھا تو پھر بھی یہ ان کے حبشی النسل ہونے کی دلیل نہیں ہے کیونکہ ''تاریخ لابن عساکر، معرفة الصحابه، طبقات ابن سعد، الاستيعاب، الزرقاني على المواهب، مجمع الزوائد، المعجم الكبير للطبراني، المستدرك، الاصابه، مدارج النبوت، اسد

الغابہ، تہذیب التہذیب، سیر اعلام النبلاء اور تاریخ الاسلام للذھبی ''میں ''محمد بن سعد، ابوعبداللہ بن مندہ، احمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم، احمد بن محمد بن حسین الکلاباذی، یحییٰ بن بکیر، محمد بن عمر، محمد بن اسحاق، المدائنی اور ابونعیم وغیرہم'' کے اقوال جنہیں ہم سابق میں پیش کر چکے ہیں کہ: ''کان بلال بن رباح مولٰی ابی بکر الصدیق من مولدی السراۃ'' یعنی سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سیّدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ سراۃ کے ''مولّد'' تھے۔

چنانچہ اس عبارت میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے لئے ''مولّدی السراۃ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور یہ لفظ جمع ہے ''مولّد'' کی جو دراصل ''مولّدین'' تھا، نونِ جمع کا اضافت کی وجہ سے گر گیا، لفظ ''مولد'' ولادت کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ سابق میں مثالوں سے وضاحت ہو چکی اور لفظ ''مولد'' کا ایک دوسرا معنیٰ بھی ہے جو نسبت کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، اور مشہور معروف کتبِ لغت مثلاً! ''المنجد، المعجم الوسیط، لسان العرب جلد2 صفحہ 844، تاج العروس جلد9 صفحہ 184 اور فیروز اللغات'' میں لفظِ ''المولّد'' کے دو اور معنیٰ بھی بیان کیے گئے ہیں!

(۱)۔ وہ شخص جس کے ماں باپ خالص عربی نہ ہوں بلکہ وہ خود عربوں میں رہ کر ان کے طور طریقے اختیار کرلے تو اسے ''المولّد'' کہا جاتا ہے۔

(۲)۔ جس کا باپ عربی ہو لیکن ماں عجمی ہو'' اسے بھی ''المولّد'' کہا جاتا ہے۔

چنانچہ نسبت اور مؤخر الذکر ان دونوں معنوں کے مابین کوئی تقابل نہیں

کیونکہ سب میں عرب سے نسبت پائی جارہی ہے نیز نسبت والے معنیٰ کے علاوہ مؤخرالذکر بقیہ دونوں معنوں میں سے پہلا معنیٰ مجمل اور دوسرا مفصل ہے وہ اس طرح کہ: ہم حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے والد صاحب کو یمنی یعنی خالص عرب نہ سہی لیکن حوالیٔ عرب ہونے کی وجہ سے عرب مانتے ہیں کیونکہ حجازِ مقدس کے قبائل کو ''اصل العرب'' کہا جاتا ہے چنانچہ وفاء الوفاء میں علامہ سمھودی اور سبل الہدیٰ والرشاد میں علامہ صالحی دمشقی کے مطابق سراۃ سے لے کر نجد تک کے علاقے کو اصل العرب اور حجاز مقدس مانا جاتا ہے پھر بعض مؤرخین سراۃ کو عرب میں شمار کرتے ہیں اور بعض نہیں، تو جن بعض کے نزدیک ''سراۃ'' کا علاقہ عرب میں داخل ہے ان کے نزدیک دوسرے معنیٰ کا اعتبار ہوگا اور جن کے نزدیک ''سراۃ'' عرب نہیں بلکہ یمن کا علاقہ قرار دیا جاتا ہے ان کے نزدیک پہلے معنیٰ کا اعتبار ہوگا۔ چنانچہ لفظ ''المولّد'' کا کوئی بھی معنیٰ مراد لے لیں کسی حال میں بھی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے والد حبشی النسل ثابت نہیں ہوسکتے۔

یہی وجہ ہے کہ: یہاں یہ احتمال پیش کرنا بھی درست نہیں ہوگا کہ: شاید حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے والد بھی حبشی ہی ہوں چنانچہ ان کے یمن میں آباد ہونے یا آنے کے بعد حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی ہو۔

چونکہ یہ محض ایک احتمال ہے اور کچھ نہیں نیز اس پر کسی طرح کا کوئی صحیح قیاس بھی پیش نہیں جاسکتا لہٰذا ہماری سابقہ بحث اس بات کی ایک بہترین دلیل ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے والد حبشی نہیں تھے۔

نیز اسی وجہ سے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو بعض سیرت نگاروں نے ''حجازی'' لکھ دیا ہے اور بعض نے حبشی، چنانچہ جہاں تک میرا گمان ہے تو ان

دونوں باتوں میں بھی مجھے کوئی تضاد نظر نہیں آتا کیونکہ حجازی لکھنے والوں نے ''سراۃ'' کو یا تو حجاز مقدس میں شمار کرلیا یا پھر اس لئے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے بعد ازاں حجازِ مقدس میں زندگی کا ایک بڑا حصہ گزارا اور یا پھر اس لئے کہ: حجازی یعنی سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہی انہیں آزاد کروایا، اور یا پھر اس کی ایک بڑی وجہ خود آپ کے والد تھے جو سراۃ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے بعض کے نزدیک حجازی کہلائے۔

پھر جب ہم نے غور کیا کہ: آخر کس وجہ سے آجکل کے سیرت نگاروں نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے والد کو حبشی النسل قرار دیا ہے تو ہمیں ملا کہ: چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ''سابق الحبشۃ'' فرمایا ہے نیز الزرقانی علی المواہب جلد 5 صفحہ 71 میں طبرانی کے حوالے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول مروی ہے کہ: ''انہ حبشی'' یعنی بلاشبہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ حبشی تھے۔

معلوم ہوا کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے والد کو ''حبشی'' کہنے کی وجہ صرف اور صرف حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ لفظ ''حبشی'' کے اضافے کو قرار دیا جارہا ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

لیکن سبحان اللہ! یہ اندازہ درست نہیں، کیونکہ محض اسی وجہ سے والد صاحب کو حبشی قرار دے دینا مفت کی زور زبردستی ہے، دراصل ہمارے نزدیک حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حبشی کہا جانا محض دو وجہوں سے ہے!

(۱)۔ والدہ صاحبہ کی وجہ سے۔ کما سنذکر

(۲)۔ زندگی کا ایک بڑا حصہ حبشہ میں گزارنے کی وجہ سے جیسا کہ امام

سیوطی کی انیس الجلیس میں ہے جوان شاء اللہ پیش کیا جائے گا۔
چنانچہ یہی دو وجہیں ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا کہ: ''بلال سابق الحبشۃ'' بلال حبشیوں سے سبقت لے جانے والے ہیں۔

لیکن اگر پھر بھی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے والد صاحب کو حبشی قرار دے دیا جائے تو خود حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رنگ کا گندمی ہونا، اور کلی طور پر حبشیوں کی صفات کا حامل نہ ہونا تو دورِ حاضر کے اصحابِ سیر نے بھی تسلیم کیا ہے تو کیا اس ثبوت کے لئے یہ وجہ کافی نہیں کہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے والدین میں سے کوئی ایک ایسا ضرور تھا جس کا تعلق حبشی النسل سے نہیں تھا چونکہ والدہ صاحبہ کا حبشی ہونا مسلمہ امر ہے جس کو ابن عساکر کی روایت کی روشنی میں آگے بیان کیا جائے گا لیکن والد صاحب کے بارے میں اصحابِ سیر کا بالکل خاموش ہونا اور حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے لئے لفظ ''المولّد'' اور ''السراۃ'' کا استعمال کیا جانا اور پھر آپ کے نین نقش میں حبشیوں کے علاوہ عربی صفات کا پایا جانا کیا تسلی کے لئے کافی نہیں کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے والد صاحب کو غیر حبشی ہی قرار دینا زیادہ مناسب اور قرینِ قیاس ہے؟

لہٰذا ہم حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو والد کی طرف سے یمنی مانتے ہیں، ہم اسی مؤقف کو قرائن کے اعتبار سے ترجیح دیتے ہیں لہٰذا انہیں بغیر کسی وجہ کے خواہ مخواہ حبشی قرار دے دینا ہرگز انصاف نہیں۔

......واللہ اعلم ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم......

والدہ محترمہ:

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام حضرت ''حمامہ'' رضی اللہ عنہ ہے جو صحابیہ بھی ہیں، حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے والد کی وجہ سے ''بلال بن رباح'' اور والدہ صاحبہ کی وجہ سے ''بلال بن حمامہ'' بھی کہا جاتا ہے اور حضرت سیّدنا بلال اور آپ کی والدہ رضی اللہ عنہما دونوں اکٹھے اسلام لائے جیسا کہ: مستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ نمبر 496 رقم 5311 میں محمد بن اسحاق کی روایت سے واضح ہوتا ہے کہ: ''کانت امہ اسمھا حمامۃ وکانا اسلما جمیعا'' یعنی آپ کی والدہ جن کا نام ''حمامہ'' تھا دونوں اکٹھے اسلام لائے۔

چنانچہ اس امرِ مسلم سے ثابت ہوگیا کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی طرح آپ کی والدہ بھی ''السابقون الاوّلون'' میں شامل ہیں اور یہ بڑا اعزاز ہے۔

چونکہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اور آپ کی والدہ محترمہ رضی اللہ عنہا دونوں ہی قبیلہ بنو جمح کی غلامی میں تھے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ ''عبداللہ بن جدعان'' کے بعد ''امیہ بن خلف'' اور حضرت حمامہ رضی اللہ عنہ بنو جمح کے کسی اور (نامعلوم) فرد کی غلامی میں تھیں۔

چنانچہ میں کہتا ہوں کہ: سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی طرح آپ کی والدہ محترمہ رضی اللہ عنہ کو بھی آزاد کروایا تھا لیکن یہاں ایک اشکال بھی ہے اور وہ یہ کہ: اکثر علماء نے ان حضرات کے نام لکھنے کو ضروری نہیں سمجھا جنہیں سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کیا بلکہ صرف یہی کہنے پر اکتفاء کیا کہ: جن خوش نصیبوں کو حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آزاد کروایا ہے ان میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ بھی شامل

ہیں نیز ان کا سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف سے آزاد کردہ غلاموں میں ساتواں نمبر ہے اور بس، نیز جنہوں نے بقیہ حضرات کے نام لکھے بھی ہیں تو انہوں نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ حضرت حمامہ رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لکھا جیسا کہ "تفسیر روح البیان، الروض الانف اور الریاض النضرۃ وغیرہا" میں منقول ہے کہ: وہ "7" خوش نصیب حضرات یہ ہیں! عامر بن فهيرة، زبيرة (زنيرة)، ام عبيس (ام عميس، ام شميس)، النهدية، بنت النهدية، جارية بن عمرو بن مؤمل، بلال بن رباح رضي الله عنهم"۔

معلوم نہیں کہ: اصحابِ سیر نے یہاں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کا نام کیوں نہیں لکھا؟ حالانکہ میرا ماننا یہ ہے کہ ان "7" خوش نصیبوں کے ساتھ آٹھواں حضرت حمامہ رضی اللہ عنہا کا نام بھی آنا چاہیے تھا کیونکہ انہیں آزاد کروانے کا سہرا بھی حضور سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہی سر پر ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ: سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے محض سات غلاموں کو ہی خرید کر آزاد کیا ہے تو یہ ایک امرِ موہوم ہے اور کچھ نہیں، اگرچہ علامہ سہیلی نے الروض الانف اور علامہ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء اور معرفۃ الصحابہ میں بڑے واضح الفاظ کے ساتھ اس عدد کو سات تک ہی محدود بیان کیا ہے اور دیکھا دیکھی کچھ دوسرے مستند اور غیر مستند سیرت نگاروں نے بھی اسی طرف اشارہ دیا ہے لیکن شاید انہوں نے دوسری روایتوں کو مدِ نظر نہیں رکھا، لہٰذا میں کہتا ہوں کہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جانب سے خرید کر آزاد کردہ ان خوش نصیب حضرات کی تعداد 9 سے بھی متجاوز ہے چنانچہ حق یہی ہے کہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کے آزاد کردہ غلاموں کی حتمی تعداد بیان نہیں کی جاسکتی، لیکن یہ بھی حق ہے کہ یہ تعداد صرف سات تک ہی محدود نہیں ہے۔ اور جنہوں نے ''بلال سابعھم'' کہا ہے تو ان کے اس قول سے بھی صرف حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی آزادی کی پوزیشن ہی واضح ہوتی ہے نہ کہ سات کے عدد کی حد بندی اور بس۔

چنانچہ ''الکامل فی التاریخ لابن الاثیر'' جلد 1 صفحہ 589 میں ہے کہ: امیہ بن خلف کے بیٹے صفوان بن امیہ بن خلف کے ایک غلام حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ کو بھی سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہی خرید کر آزاد کروایا ہے، چونکہ سابقہ سات افراد کی فہرست میں حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ کا نام بیان نہیں کیا گیا چنانچہ علامہ ابن الاثیر کے قول کے مطابق انہیں بھی شامل کر لینے سے یہ تعداد آٹھ ہوگئی۔

اور تو اور ہمارے پاس دلیل کے طور پر ابن عساکر کی وہ روایت بھی ہے جسے محمد بن اسحاق نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ: '' وھو یذکر بلال بن رباح وامه حمامة واصحابه وما کانوا فیه من البلاء، وعتاقة ابی بکر ایاھم ''یعنی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حضرت سیّدنا بلال بن رباح، آپ کی والدہ ''حمامہ'' اور دیگر حضرات اور ان پر گزرنے والی تکلیفوں اور حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انہیں آزاد کرانے کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔

نیز السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 424 میں یوں ہے کہ: ''وقد اشتری ابوبکر رضی اللّٰه تعالٰی عنه جماعة آخرین ممن کان یعذب فی اللّٰه منھم حمامة ام بلال ''یعنی سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے

دوسرے افراد کی ایک جماعت کو بھی خرید کر آزاد کیا جن کو اللہ کی راہ میں تکلیفیں دی جاتی تھیں اِن میں سے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت امِ حمامہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں۔

لیجیے جناب! اب مذکورہ آٹھ افراد کی فہرست میں حضرت سیدہ حمامہ رضی اللہ عنہ کا ایک اور نام جوڑنے سے یہ تعداد نو ہوگئی، اسی طرح اگر سیر وتواریخ کا عمیق نظری سے مطالعہ کیا جائے تو یہ تعداد شاید 10، 15 یا شاید 20 سے بھی متجاوز ہوجائے، چنانچہ ان افراد کی اصلی تعداد ''اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' ہی بہتر جانتے ہیں۔

تھوڑی بہت تلاش کے بعد سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جانب سے مزید خوش نصیب آزاد کردہ افراد کے نام بھی درجِ قرطاس ہوسکتے تھے لیکن ہمارا مقصد اس موضوع کو طول دینا نہیں بلکہ یہی ثابت کرنا تھا کہ: سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خرید کر آزاد کردہ غلاموں میں حضرت حمامہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی شامل ہے، تو الحمدللہ تسلی بخش کلام ہو چکا۔

بلاشبہ حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ حضرت حمامہ رضی اللہ عنہ حبشی النسل تھیں جس کی دلیل ابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 244 کی یہ روایت ہے کہ: ''عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال: عیر ابوذر بلالا بامہ فقال: یا ابن السوداء وان بلالا اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرہ فغضب فجاء ابوذر، ولم یشعر فاعرض عنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: ما اعرضک عنی الا شیء بلغک یا رسول اللہ، قال: انت الذی تعیر بلالا بامہ ......الخ''۔ یعنی

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا کہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ان کی والدہ کی وجہ سے عار دلائی اور کہا ''اے حبشی عورت کے بچے!'' تو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے پھر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور اس وقت انہیں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا) علم نہ تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ انور پھیر لیا تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میری طرف سے آپ کو کیا دُکھ پہنچا؟ فرمایا: تم نے بلال کو اس کی ماں کی وجہ سے عار دلائی ہے؟......الخ۔

حضرت سیّدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی والدہ کے حبشی النسل ہونے کو بیان کرنا جھوٹ تو نہ تھا لیکن ان کا طرزِ گفتگو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو غضبناک کر گیا کیونکہ غلامی کے دنوں میں جب امیہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے کی وجہ سے سزائیں دیا کرتا تھا تو یہی کلمہ کہہ کر آپ رضی اللہ عنہ کو عار دلایا کرتا تھا جیسا کہ ''عبدالحمید السحار مصری'' نے اپنی کتاب ''بلال مؤذن الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم'' مطبوعہ مکتبہ مصر کے صفحہ نمبر 31 پر لکھا ہے کہ: ''(اذا قال البلال:) احد، احد، (قال امیۃ:)'' یا ابن السوداء!'' کف عن ذالك والا قتلتك ككلب قذر'' یعنی جب حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: احد، احد، تو امیہ کہا کرتا تھا: اے حبشی عورت کے بچے! اس کلمے سے باز آ جا ورنہ میں تمہیں خارش زدہ کتے کی طرح قتل کر دوں گا۔ اعاذنا اللّٰہ من ذالك، وغفر اللّٰہ

لنا ولسائر المؤمنین بحرمۃ سید العاشقین بلال بن رباح وامہ العظیمۃ السیدۃ حمامہ رضی اللہ عنہما، وفداھما بنفسی وآبائی واولادی ومالی۔

ازالہءوہم:

ہمارے پاس یہاں ایک ایسی روایت بھی ہے جس سے ساری بحث کا مانو! رُخ ہی پلٹ سکتا ہے اور اس روایت کو امام ذہبی اپنی ''سیر اعلام النبلاء جلد 3 صفحہ نمبر 212'' اور ''تاریخ الاسلام جلد 3 صفحہ نمبر 385'' میں محمد بن سعد کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ: ''قال : بلال بن عبد اللّٰہ من مولدی السراۃ، کانت امہ حمامۃ لبنی جمح ''یعنی فرمایا کہ: حضرت بلال بن عبد اللہ ''سراۃ'' میں پیدا ہوئے اور ان کی والدہ ''حمامہ'' تھیں جو بنو جمح سے تعلق رکھتی تھیں۔

یعنی علامہ ذہبی کی اس نقل کردہ روایت کے مطابق وہ ''بلال'' جن کی ولادت ''سراۃ'' میں ہوئی اور جن کی والدہ کا نام ''حمامہ'' تھا جو ''بنو جمح'' کی غلامی میں تھیں وہ حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت بلال بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہیں نیز علامہ ابن عساکر اپنی تاریخ جلد 6 صفحہ نمبر 251 اور علامہ ذہبی اپنی ''سیر'' اور ''تاریخ'' میں نقل کرتے ہیں کہ: '' عن سالم : ان شاعرا مدح بلال بن عبد اللّٰہ بن عمر، فقال: بلال عبد اللّٰہ خیر بلال فقال: ابن عمر : کذبت، بل وبلال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خیر بلال ''یعنی حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ایک شاعر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ

عنہما کے بیٹے "بلال" کی تعریف میں یوں کہا کہ: "حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بلال سب سے بہتر بلال ہیں" تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: تم جھوٹے ہو! بلکہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلال سب سے بہتر بلال ہیں"۔

ثابت ہوا کہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک صاحبزادے کا نام بھی "بلال" تھا، اور طبقات ابن سعد میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے "بلال" کے بارے میں لکھا ہے کہ: "وامه ام ولد" "ان کی والدہ لونڈی تھیں۔

چنانچہ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ: بلال بن عبداللہ کی والدہ بھی آزاد کردہ لونڈی تھیں حالانکہ ہماری معلومات کے مطابق سوائے علامہ ذہبی کے کسی نے بھی حتی کہ ابن عساکر اور ابن سعد نے بھی ان کا نام "حمامہ" اور نسبِ ولاء "بنو جمح" سے نقل نہیں کیا۔ چنانچہ اسی وجہ سے علامہ ذہبی کی نقل کردہ پہلی روایت سے کئی طرح کے احتمالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ!

شاید حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام "حمامہ" ہی نہ ہو بلکہ اصحابِ تاریخ وسیر کو یہ ذہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی زوجہ اور ان کے بیٹے "بلال" کی والدہ کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہو یا اس کا عکس بھی ہو سکتا ہے لیکن محدثین و مؤرخین کی اتنی کثیر تعداد کا جو کہ: حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے محض نام کی وجہ سے دھوکہ کھا جانا غیر معقول ہے، چنانچہ یہ بھی پوری طرح سے ممکن ہے کہ: اتفاقاً دونوں کی والدہ کا نام بھی "حمامہ" ہی ہو اس میں غیر ممکن کچھ بھی نہیں۔

پھر یہ بھی احتمال ہے کہ: شاید بنو جمح کی غلامی میں "بلال بن عبداللہ" کی والدہ ہوں لیکن حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی والدہ صرف ہم نام ہونے کی وجہ سے اس قبیلہ سے منسوب کر دی گئی ہوں یا پھر اس کا بالکل عکس ہو۔ یا شاید

دونوں ہی کی والدہ بنوجمح کی غلامی میں ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن یہ سب محض مفروضے اور توہمات ہیں کیونکہ اگر صرف اتنا ہی مان لیا جائے کہ: دونوں ہی کی والدہ بنوجمح کی غلامی میں تھیں اور دونوں کا نام بھی ایک ہی تھا تو بھی غیر ممکن نہیں، لیکن اگر دلائل کی رو سے دیکھا جائے تو حمامہ نام کی خاتون جن کی نسبت بنوجمح کی طرف کی جاتی ہے ان کا حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی والدہ ہونے کے ثبوت بنسبت بلال بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے زیادہ ہیں اس لحاظ سے مشکوک معاملہ تو بلال بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی والدہ کا ہونا چاہیے نہ کہ: حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی والدہ کا۔

کیونکہ علامہ ذہبی کے سوا کسی نے بھی یہ روایت اپنی کتاب میں ذکر نہیں کی اور جنہوں نے کی ہے انہوں نے ''بلال بن عبداللہ'' کہنے کی بجائے ''بلال بن رباح'' ہی کہا ہے لہٰذا علامہ ذہبی ان الفاظ کو بیان کرنے میں متفرد ہیں اس صورت میں بھی یہ روایت مدمقابل مضبوط روایات کی وجہ سے قابلِ استدلال نہیں رہتی، مزید برآں علامہ ذہبی نے اس روایت کو محمد بن سعد کے حوالے سے بیان کیا ہے اور اگر یہ صاحب الطبقات ہی ہیں تو ہم نے اس قول کو طبقات ابن سعد میں تلاش کیا لیکن ہمیں نہیں ملا۔

پھر ہمیں ان دونوں کی والدہ کے نام اور نسبت کو ماننے سے بھی کوئی نقصان نہیں تو جب امکانِ تطبیق موجود ہے تو پھر غیر ممکن اور محال قرار دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن کتبِ روایات میں جب ''بلال بن حمامہ'' کا ذکر کیا جائے گا تو وہاں سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ ہی مراد ہوں گے نہ کہ ''بلال بن عبداللہ رضی اللہ عنہما''۔

چنانچہ جس طرح حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے والد کی ولادت، وفات، مولد، مدفن اور سلسلہ نسب کے بارے میں ہمارے پاس کوئی معلومات نہیں، اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ طیبہ طاہرہ کے بارے میں بھی ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ: ان کی وفات کس سن میں ہوئی اور ان کا مزارِ پُرانوار کہاں واقع ہے؟ وغیرہ۔

......واللّٰہ اعلم ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ......

باب

(بہن بھائی)

فصل:

نسبی بھائی

علامہ ابن عساکر سمیت دیگر سیرت نگاروں کے مطابق حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے نسبی صرف ایک بھائی تھے جن کا نام ''حضرت خالد بن رباح رضی اللہ عنہ'' تھا، اور غالب گمان کے مطابق یہ آپ کے ماں اور باپ دونوں طرف سے سگے بھائی تھے حالانکہ بعض حضرات نے صرف ''خالد'' لکھا ہے جس سے وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ شاید وہ باپ کی طرف سے بھائی نہ ہوں یعنی ان کے والد الگ الگ ہوں لیکن دونوں کی والدہ ایک ہی ہوں لیکن یہ صرف ایک وہم ہے جس کے بطلان کے لئے ابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 255 میں خلیفہ بن خیاط کی ایک روایت ہی کافی ہے کہ: ''اخوہ خالد بن رباح'' ان کے بھائی ''خالد بن رباح'' تھے، یعنی ''ابن رباح'' کی قید سے ثابت ہوا کہ خالد حضرت سیّدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی تھے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ: دونوں کا باپ تو ایک ہی ہو لیکن ماں الگ الگ ہو، اس بارے میں بالوثوق کچھ نہیں کہا جا سکتا بلکہ راجح یہی ہے کہ: دونوں کی والدہ بھی ایک ہی تھیں، اور کتبِ معتمدہ اسی طرف مشیر ہیں۔

چنانچہ جنابِ خالد بن رباح رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، چنانچہ اسی سلسلے میں طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ نمبر 126 کی ایک روایت یوں ہے کہ: ''عن الشعبی قال: خطب بلال واخوہ الی اھل بیت من الیمن فقال: انا بلال وھذا اخی عبدان من الحبشۃ کنا

ضالین فھدانا اللّٰہ وکنا عبدین فاعتقنا اللّٰہ، ان تنکحونا فالحمدللہ وان تمنعونا فاللّٰہ اکبر "یعنی: شعبی سے روایت ہے: کہتے ہیں کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اور آپ کے بھائی (خالد بن رباح) رضی اللہ عنہ نے یمن کے ایک گھرانے میں اپنے نکاح کا پیغام دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں سیّدنا بلال ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، ہم دونوں حبشہ سے تعلق رکھتے ہیں ہم گمراہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت عطاء فرمائی اور ہم غلام تھے تو ہمیں اللہ تعالیٰ نے آزادی عطاء فرمائی اگر تم ہم سے اپنی بیٹیوں کا نکاح کر دو تو "الحمدللہ" ورنہ "اللہ اکبر"۔

یہاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بھائی سے جناب خالد رضی اللہ عنہ مراد ہیں جس سے ثابت ہوا کہ: وہ بھی مسلمان تھے، بلکہ حق تو یہ ہے کہ: ان کا صحابی ہونا بھی مسلم الثبوت ہے چنانچہ اس بارے میں علامہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب الاستیعاب صفحہ نمبر 227 رقم 618 میں آپ کو صحابی لکھا ہے اور یہی راجح ہے۔

ازالہء وہم:

اوپر نقل کی جانے والی ابن سعد کی روایت سے ہم نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے بھائی سے مراد حقیقی نسبی بھائی یعنی حضرت خالد بن رباح رضی اللہ عنہ کو مراد لیا ہے یعنی اس پیغامِ نکاح والے واقعہ میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اپنے بھائی خالد کے ساتھ گئے تھے حالانکہ تاریخ مدینہ دمشق جلد 4 صفحہ 287 میں علامہ ابن عساکر، اسد الغابہ جلد 1 صفحہ نمبر 130 میں علامہ ابن الاثیر اور الاصابہ جلد 4 صفحہ نمبر 2229 میں علامہ ابن حجر نے ایک ایسا ہی واقعہ بیان کیا ہے جس میں واضح طور پر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت

ابورویحہ رضی اللہ عنہ یعنی آپ رضی اللہ عنہ کے مؤاخاتی بھائی کا نام لیا گیا ہے جس سے یہ وہم ہوسکتا ہے کہ: شاید پچھلا واقعہ اور یہ دونوں ایک ہی ہیں اور پچھلی روایت میں جس بھائی کا ذکر بغیر نام کے کیا گیا ہے اس روایت کے مطابق وہ حضرت ابورویحہ ہی ہیں نہ کہ: ''خالد بن رباح'' چنانچہ ملاحظہ کریں: ''وروی ابوالدرداء ان عمر بن الخطاب لما دخل من فتح بیت المقدس الی الجابیة سأله بلال ان یقره بالشام، ففعل ذالك، قال: واخی ابورویحة الذی آخی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بینی وبینه؟ قال: واخوك، فنزلا داریا فی خولان، فقال لهم قد اتینا کم خاطبین، وقد کنا کافرین فهدانا اللّٰه، وکنا مملوکین فاعتقنا اللّٰه، وکنا فقیرین فاغنانا اللّٰه فان تزوجونا فالحمد للّٰه وان تردونا فلاحول ولاقوة الا باللّٰه، فزوجوهما''۔

یعنی: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: جب سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بیت المقدس کو فتح کرکے جابیہ کی جانب داخل ہوئے تو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ان سے شام میں ہی سکونت اختیار کرنے کی اجازت مانگی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اجازت مرحمت فرمادی، پھر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: اور میرے ساتھ میرے بھائی ابورویحہ کو بھی اجازت عطاء فرمادیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا بھائی بنایا ہے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کے بھائی کو بھی اجازت ہے، پھر دونوں حضرات خولان میں داریا کے مقام پر رہنے لگے، وہاں کے رہنے والوں میں سے کسی گھرانے سے فرمایا کہ: ہم تمہارے پاس اپنے نکاح کا پیغام لائے ہیں،

(ہمارا تعارف یہ ہے کہ:) ہم پہلے کافر تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت عطاء فرمائی، اور ہم غلام تھے تو ہمیں اللہ تعالیٰ نے آزادی عطاء فرمائی، اور ہم فقیر تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں غنی کر دیا چنانچہ اگر تم ہمارے ساتھ نکاح کر دو تو ''الحمدللہ'' ورنہ ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' تو انہوں نے ان سے اپنی بیٹیوں کا نکاح کر دیا۔

چنانچہ اس وہم کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ: یہ دونوں الگ الگ واقعے ہیں جیسا کہ روایتوں کی عبارات سے ہی واضح ہو جاتا ہے اور تھوڑے بہت ملتے جلتے کلام سے ایک ہی واقعہ کا شبہ واقعہ ہو جانا کچھ تعجب نہیں، جیسا کہ امام بخاری جیسے حدیث کے امام کو رفع یدین والے معاملے میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی دو الگ الگ موقعوں پر مبنی روایات سے ایک ہی واقعہ ہونے کا شبہ پڑ گیا اور طرفہ یہ کہ: وہ اپنے اس شبہ کو دوسروں پر اس انداز سے لاگو فرماتے ہیں کہ: ''جسے ذرا سی بھی عقل ہے وہ ان دونوں واقعات کو ایک ہی سمجھے گا'' یعنی ان کے نزدیک ان دو واقعات کو الگ الگ قرار دینے والا عقل نہیں رکھتا، اللہ تعالیٰ امام بخاری اور ہم پر رحم فرمائے! امام بخاری کے اتنے بڑے اشتباہ کا سبب بھی دونوں روایتوں کی ملتی جلتی محض ایک دو عبارتیں ہی تھیں، اور پھر علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نصب الرایہ'' میں امام بخاری کا ان کے اسی موقف پر خوب تعاقب اور ردّ بھی فرمایا، چنانچہ اسی طرح یہاں بھی آجکل کے سیرت نگاروں کی طرف سے ان دونوں روایتوں کو ایک ہی سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ یہاں کئی طرح کا واضح فرق بھی موجود ہے، چنانچہ!

(۱)۔ دونوں روایتوں کی سندیں مختلف ہیں۔

(۲)۔دوسری روایت کے مطابق یہ واقعہ شام میں ہوا لیکن پہلی روایت میں علاقہ کا ذکر نہیں۔

(۳)۔پہلی روایت میں دونوں بھائیوں کے درمیان رشتہءمواخات کا ذکر نہیں لیکن دوسری میں ہے۔

(۴)۔پہلی روایت میں اہل یمن کا گھرانہ اور دوسری روایت میں اہلِ خولان کا گھرانہ بیان کیا گیا ہے۔

(۵)۔پہلی روایت میں "عبدان من الحبشة" کا اضافہ ہے اور دوسری روایت میں اس عبارت کا کہیں ذکر تک نہیں ہے۔

(٦)۔پہلی روایت میں بھائی کا نام مذکور نہیں لیکن دوسری میں مؤاخاتی بھائی حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ کا نام مذکور ہے۔

(۷)۔دوسری روایت میں اپنے فقر وغناء کا ذکر ہے لیکن پہلی میں نہیں۔

(۸)۔ پہلی روایت میں گفتگو کے اختتام پر "اللہ اکبر" اور دوسری روایت میں "ولاحول ولاقوۃ الا باللہ" کے الفاظ مروی ہیں۔

(۹)۔دوسری روایت کے آخر میں تزویج کا ذکر ہے لیکن پہلی میں نہیں۔

لیکن اس کے باوجود ان تمام فرقوں کو یہ کہہ کر بھی ختم کیا جاسکتا ہے کہ: پہلی روایت مجمل ہے اور دوسری مفصل، جی ہاں! واقعی اس صورت میں سارے فرق تو مٹ جاتے ہیں حتی کہ اہل یمن اور اہل خولان میں بھی یہ کہہ کر تطبیق دی جاسکتی ہے کہ ہوسکتا ہے اہلِ خولان کا وہ خاندان بھی یمن سے ہی تعلق رکھتا ہو۔

لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود یہ دونوں واقعات کسی ٹھوس دلیل کے بغیر فقط احتمالات کی وجہ سے ایک قرار نہیں دیئے جاسکتے کیونکہ فرق نمبر 5 پر ورا

سا غور کریں تو ذہن اس طرف جانے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ: اگر یہ ایک ہی قصہ ہوتا تو سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ: کیا جنابِ ابورویحہ رضی اللہ عنہ واقعی ایک حبشی تھے؟ حالانکہ ان کا آزاد کردہ غلام ہونا تو ایک قول کے مطابق ثابت ہے جیسا کہ ابن الاثیر نے اسد الغابہ میں بیان کیا ہے لیکن ان کا حبشی ہونا تو کسی نے بھی بیان نہیں کیا، اور خواہ مخواہ زور زبردستی سے تو ان کی نسبت حبشہ سے کی نہیں جاسکتی۔ حالانکہ ''خالد بن رباح'' کا حبشی ہونا بھی واضح ہے اور آزاد کردہ غلام ہونا بھی قرینِ قیاس ہے جس پر مزید دلیل کی ضرورت نہیں۔

لہٰذا میرے نزدیک پہلا واقعہ الگ ہے جس میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے بھائی سے مراد ''خالد بن رباح'' ہی ہیں اور دوسرا واقعہ الگ ہے کما ظھر۔

چنانچہ سابقہ بحث سے ثابت ہو گیا کہ: آپ رضی اللہ عنہ کے بھائی ''خالدؓ'' بھی مسلمان بلکہ صحابی تھے جیسا کہ ہم سابق میں تسلیم کر چکے ہیں۔

نیز ان کی بقیہ حالاتِ زندگی، ولادت، وفات، وغیرہ پر ہمارے پاس کوئی تفصیلات نہیں ہیں۔ لیکن الزرقانی علی المواہب جلد 5 صفحہ 72 میں یوں ہے کہ: ''دفن بحلب اخوہ خالد'' یعنی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت خالد رضی اللہ عنہ حلب میں دفن ہوئے۔ ثابت ہوا کہ: ان کا انتقال بھی شام میں ہی ہوا ہے۔

......واللّٰہ اعلم ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ......

انکشاف:

تعجب کی بات ہے کہ: کسی بھی محدث یا سیرت نگار نے یہ نہیں لکھا

کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے علاوہ ایک اور نسبی بھائی بھی تھا جس کا نام اور مزید حالات کے بارے میں تاریخ و سیرت بالکل خاموش ہے لیکن صرف ایک روایت ایسی ہے جس سے اس بھائی کے بارے میں تھوڑا بہت اشارہ ضرور ملتا ہے چنانچہ ''طبقات ابن سعد'' جلد 2 اور ''مستدرک'' جلد 3 صفحہ نمبر 496، 497 رقم 5315 میں روایت ہے کہ:

''عن عمرو بن میمون، عن ابیه: ان اخا لبلال كان ينتمي الى العرب ويزعم انه منهم، فخطب امرأة من العرب فقالوا: ان حضر بلال زوجناك قال: فحضر بلال فقال: انا بلال بن رباح وهذا اخي وهو امرؤ سيء الخلق والدين، فان شئتم ان تزوجوه فزوجوه وان شئتم ان تدعو فدعوا، فقالوا: من تكن اخاه نزوجه، فزوجوه''۔

یعنی عمرو بن میمون اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: بلاشبہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا ایک بھائی ایسا بھی تھا جس نے عرب میں ہی نشو ونما پائی تھی اور وہ خود کو انہی میں سے گمان کرتا تھا چنانچہ اس نے ایک عربی عورت کو پیغامِ نکاح بھیجا تو عورت کے گھر والوں نے کہا: اگر بلال (رضی اللہ عنہ) آجائیں تو ہم تمہارا نکاح کر دیں گے، (میمون) فرماتے ہیں کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور فرمایا: میں بلال بن رباح ہوں، اور یہ میرا بھائی ہے، حالانکہ یہ مزاج اور دین میں اچھا نہیں ہے، چنانچہ اگر تم چاہو تو اس سے نکاح کر دو اور اگر تم چھوڑ دینا چاہو تو چھوڑ دو، تو انہوں نے جواب دیا: جس کے آپ

بھائی ہو ہم اس سے (اپنی لڑکی کا) نکاح کرتے ہیں تو انہوں نے نکاح کر دیا۔

چنانچہ میں کہتا ہوں کہ: اس روایت میں جس بھائی کا ذکر ہے یہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا ایک اور بھائی ہے جس کا نام تک مجھے معلوم نہیں البتہ یہ نہ تو حضرت خالد بن رباح رضی اللہ عنہ ہیں اور نہ ہی کوئی مؤاخاتی بھائی، اسکی چند وجہیں ہیں!

(۱)۔ چونکہ حضرت خالد بن رباح اور مؤاخاتی بھائیوں کا صحابی ہونا ثابت ہے لہٰذا ''الصحابة کلهم عدول'' یعنی تمام صحابہ عادل ہیں، اور حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اپنے اس بھائی کے دین اور اخلاق کا حال جن الفاظ سے بیان کر رہے ہیں بلاشبہ کوئی صحابی ایسی صفات کا حامل نہیں۔

(۲)۔ ہم سابق میں ایک روایت بیان کر چکے ہیں کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ایک خاندان سے اپنے اور اپنے ایک بھائی کیلئے رشتہ مانگا لیکن اِس روایت میں ہے کہ: آپ نے صرف اپنے اس بھائی کے لئے رشتہ کی بات کی ہے۔

(۳)۔ سابقہ روایت میں آپ اپنے اور اپنے بھائی کے بارے میں یوں فرماتے ہیں کہ: ''کنا ضالین فهدانا الله'' یعنی ہم گمراہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت فرمائی۔ لیکن اس روایت میں اپنے بھائی کے بارے میں یوں فرما رہے ہیں کہ: ''وهو امرؤ سیء الخلق والدین'' یعنی یہ اخلاق اور دین میں اچھا نہیں۔ چنانچہ کیا ان متفرق وجہوں سے واضح نہ ہو گیا کہ: یہ دونوں واقعات ایک ہی بھائی کے لئے نہیں ہو سکتے؟ بس یہی وجہ ہے کہ: ہم نے یہاں

سے جنابِ خالد بن رباح رضی اللہ عنہ کو ہی مراد لے لینے سے ایک اور گمنام بھائی کو تسلیم کرنا زیادہ بہتر سمجھا ہے، جس طرف اہلِ سیر و تواریخ نے کوئی توجہ نہیں دی۔

......واللّٰہ اعلم ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ......

فصل:

مؤاخاتی بھائی

یوں تو ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے لیکن یہ بات اس بھائی چارہ کی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پاک ہجرت فرما کر مہاجرین وانصار کے درمیان قائم فرمایا، چنانچہ اس بارے میں بھی اقوال مختلف ہے!

(۱)۔

مسند الفردوس لابی شجاع الدیلمی جلد 5 صفحہ 305 رقم 8264 میں ہے کہ:

"عن ابی بکر الصدیق رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: یا ابا بکر! بلال اخی وانا اخوه وبلال اخوك ومولاك ومولی القوم من انفسهم"

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوبکر! بلال میرا بھائی ہے اور میں اس کا بھائی ہوں اور بلال تمہارا بھی بھائی ہے اور تمہارا مولیٰ بھی ہے اور کسی قوم کا مولیٰ انہی میں سے ہوتا ہے۔

(۲)۔ ایک قول یہ ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا۔

جیسا کہ: ابن سعد اپنے "الطبقات" جلد 2 صفحہ نمبر 124 میں کہتے ہیں کہ:

"وقال: محمد بن عمر: ویقال: انه صلی اللّٰه علیه وسلم

آخی بین بلال وبین ابی رویحۃ الخثعمی"

یعنی محمد بن عمر واقدی کہتے ہیں کہ: یوں بھی کہا جاتا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال اور حضرت ابورویحہ خثعمی رضی اللہ عنہما کے درمیان رشتہء مواخات قائم فرمایا۔

لیکن ابن سعد نے ساتھ ہی "محمد بن عمر" کا یہ قول بھی نقل کر دیا کہ:

"قال: محمد بن عمر : ولیس ذالک بثبت ولم یشھد ابو رویحۃ بدرا"

یعنی محمد بن عمر واقدی کہتے ہیں کہ: یہ بات ثابت نہیں کیونکہ حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ بدر میں شامل ہی نہیں ہوئے۔

بعد ازاں ابن سعد "محمد بن عمر واقدی" کے قول کے جواب میں "محمد بن اسحاق" کا قول لکھتے ہیں کہ

"کان محمد بن اسحاق یثبت مؤاخاۃ بلال وابی رویحۃ عبد اللّٰہ بن عبد الرحمن الخثعمی"

یعنی محمد بن اسحاق نے حضرت بلال اور حضرت ابورویحہ عبداللہ بن عبد الرحمٰن خثعمی رضی اللہ عنہما کے درمیان رشتہ مؤاخات کو درست قرار دیا ہے۔

اور اس کی دلیل کے طور پر وہ ایک واقعہ بھی پیش کرتے ہیں کہ:

"لما دون عمر بن الخطاب الدواوین بالشام خرج بلال الی الشام فاقام بھا مجاھدا فقال لہ عمر : الی من تجعل دیوانک یا بلال ؟ قال: مع ابی رویحۃ لا افارقہ ابدا للاخوۃ

التی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقد بینی وبینہ ......الخ "

یعنی جب سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے شامی مقیم فوجیوں کے نام رجسٹرڈ کیئے تو چونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی شام جا چکے تھے اور وہیں جہاد کی غرض سے مقیم بھی تھے تو سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ: اے بلال! آپ اپنا نام کس کے ساتھ (رہائش کے لئے) درج کروانا چاہتے ہیں؟ عرض کیا: ابورویحہ کے ساتھ، کیونکہ میں ان سے جدا نہیں ہونا چاہتا اور اس رشتہ مواخات کو توڑنا نہیں چاہتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور ان کے درمیان قائم فرمایا تھا......الخ۔

رفعِ ابہام:

صحابہ کرام میں "ابورویحہ" کنیت کی حامل دو شخصیتیں ہیں!

(i)۔حضرت ابورویحہ ربیعہ بن سکن الفزعی رضی اللہ عنہ

(ii)۔حضرت ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الخثعمی رضی اللہ عنہ

اگرچہ علامہ ابن الاثیر نے اسد الغابہ جلد 3 میں ان دونوں کو ایک ہی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ جلد 4 صفحہ نمبر 2229، 2230 میں ان دونوں کو الگ الگ شخصیتیں قرار دیا ہے اور میرے نزدیک بھی یہی ارجح واولیٰ ہے۔

(۳)۔دوسرا قول: جیسا کہ: علامہ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب "الاصابہ جلد 1 صفحہ نمبر 187" میں فرماتے ہیں کہ: "وآخی النبی صلی اللہ علیہ

وسلم بینه وبین ابی عبیدة بن الجراح ''یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیّدنا بلال اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما کے درمیان رشتہ مواخات قائم فرمایا ہے۔

لیکن الاصابہ کے حوالے سے ہی علامہ شیخ محقق عبدالحق دہلوی ''مدارج النبوت'' جلد 2 صفحہ 583 میں فرماتے ہیں کہ: ''ودر اصابہ میان وی ومیان عبیدہ بن الجراح گفتند'' یعنی الاصابہ میں کہتے ہیں کہ: حضرت سیّدنا بلال اور حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما کے درمیان رشتہ ءمواخات قائم ہوا۔

(۴)۔ ابن سعد اپنے طبقات میں اسی جگہ کہتے ہیں کہ: ''اخبرنا محمد بن عمر قال: حدثنی محمد بن ابراهیم عن ابیه قال: آخی رسول الله صلی الله علیه وسلم بین بلال وبین عبیدة بن الحارث بن المطلب ''یعنی ہمیں خبر دی محمد بن عمر نے وہ کہتے ہیں کہ: مجھے بیان کیا محمد بن ابراہیم نے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیّدنا بلال اور حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب رضی اللہ عنہما کے درمیان رشتہ ءمواخات قائم فرمایا ہے۔

اور مدارج النبوت جلد 2 صفحہ 583 میں شیخ محقق نے فرمایا کہ: ''ومواخات داد آں حضرت میان او ومیان عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا فی الاستیعاب'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اور اپنے چچا حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کے درمیان رشتہ ء مواخات قائم فرمایا جیسا کہ الاستیعاب میں ہے۔

ازالہ وہم:

دورِ حاضر کے سیرت نگاروں میں سے بعض نے بلا دلیل ایک دعویٰ کیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ: ''ہجرتِ مدینہ سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا بھائی بنادیا تھا''۔

لیکن یہ بات کسی معتبر کتاب کے حوالے سے میری نظروں سے نہیں گزری اور اگر واقعی ایسا ہوا تھا تو سوال پیدا ہوجاتا ہے کہ قبل از ہجرت صحابہ کرام کے درمیان مؤاخات جیسے عظیم معاملے کا کہیں کوئی اجمالی و تفصیلی ذکر کیوں نہیں ملتا؟ نیز اسی رشتہ مؤاخات کو مدینہ میں بھی کیوں برقرار نہ رکھا گیا؟ اور اگر کہو کہ: یہ رشتہ صرف حضرات بلال و عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان ہی بنایا گیا تھا تو ایسا کرنے کی وجہِ تخصیص کیا تھی؟ اور اگر یہ وجہ بیان کی جائے کہ: سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جیسی جری شخصیت کے دل میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ جیسے آزاد کردہ غلام کی قدر و منزلت بٹھانا مقصود تھا تو بھی سوال پیدا ہوگا کہ: غلاموں میں اور بھی غلام تھے جو اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے اور وہ اپنی کمزوری اور غربت میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ اس بات کے اہل تھے کہ: سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ یا آپ جیسے دیگر مالدار اور سردار صاحبانِ اسلام سے ان کا رشتہ مؤاخات جوڑ دیا جاتا تاکہ مؤاخات کے ساتھ ساتھ مساوات پر بھی عمل درآمد ہوجاتا، اور اگر وجہِ تخصیص میں یہ کہا جائے کہ: حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ قبل از اسلام حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے کی وجہ سے سزائیں دینے میں کفار کے ساتھ شریکِ کار تھے تو یہ صریح غلطی ہے، کیونکہ کافی چھان بین کے باوجود ہمیں تو اس کا کہیں بھی کوئی ثبوت نہیں ملا بلکہ یہ صرف غیر مستند کتب کی

زینت اور خطباء کی بے مثال لاپرواہی کا مظاہرہ ہے۔

ان شاء اللہ اس بحث کو ہم آگے تفصیل سے بیان کریں گے۔

نیز مکہ کے موہومہ مؤاخاتی عمل پر ایک اور سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ:
حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے اس رشتہ کو مدینہ میں منسوخ کر کے نئے سرے سے دوسرے صحابی کو مؤاخاتی بھائی کیوں بنا دیا گیا؟ کسی ٹھوس دلیل کی عدم دستیابی اور ان تمام احتمالات وسوالات کی وجہ سے، قبل از ہجرت رشتہء مؤاخات کے وقوع پر سوالیہ نشان لگ جاتا ہے، جس کا اثباتی جواب غیر یقینی ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم

فصل:

بہن

ابن عساکر کہتے ہیں کہ: ''حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی ایک ہی ہمشیرہ تھیں جن کا نام ''غفرۃ'' تھا''۔ بعض نے یہ نام ''عفرۃ'' یا ''عقرۃ'' بھی لکھا ہے لیکن افسوس کہ! ہمیں ان کے بھی بقیہ حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

....

باب

(ازواج اور اولاد)

فصل:

ازواج

اس سلسلے میں ہمارے پاس 5 مختلف روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے پانچ مختلف شادیاں فرمائیں تھیں، چنانچہ!

پہلی زوجہ:

پہلی روایت طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ نمبر 126 اور ابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 244 کی ہے کہ:

"عن زید بن اسلم : ان بنی ابی البکیر جاء وا الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقالوا: زوج اختنا فلانا، فقال لھم : این انتم عن بلال؟ ثم جاء وا مرۃ اخریٰ، فقالوا: یارسول اللہ ! انکح اختنا فلانا، فقال: این انتم عن بلال؟ ثم جاء وا مرۃ اخریٰ فقالوا: یا رسول اللہ ! انکح اختنا فلانا، فقال: این انتم عن رجل من اھل الجنۃ؟ قال: فانکحوہ"۔

یعنی: حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ابوالبکیر کے بیٹے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو انہوں نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہماری فلاں بہن کا نکاح فرمادیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بلال کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ پھر جب وہ دوسری بار آئے تو انہوں

نے پھر وہی عرض کیا کہ: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہماری فلاں بہن کا نکاح فرمادیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تمہاری بلال کے بارے میں کیا رائے ہے؟ پھر جب وہ اگلی دفعہ آئے تو انہوں نے تیسری بار بھی وہی کہا کہ: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہماری فلاں بہن کا نکاح فرمادیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تمہاری جنتی آدمی کے بارے میں کیا رائے ہے؟ (راوی) کہتے ہیں کہ: پھر انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اپنی بہن کا نکاح کر دیا۔

☆۔اسی سلسلے کی دوسری روایت یوں ہے کہ

"عن زيد بن اسلم : ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم زوج ابنة ابی البکیر بلالا"۔

یعنی حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالبکیر کی لڑکی کا نکاح حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

• **ازالہءوہم نمبر 1:**

پروفیسر محمد طفیل چوہدری صاحب نے اپنی کتاب "سیرتِ حضرت سیّدنا بلال" میں لکھا ہے کہ:

"ہجرت مدینہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا گھر بسانا چاہا لیکن ان کی حالت یہ تھی کہ شادی کی مطلق استطاعت نہ تھی۔علاوہ ازیں وہ حسنِ ظاہری سے بھی محروم تھے۔سب سے بڑھ کر یہ کہ سیّدنا بلال رضی

اللہ عنہ غریب الدیار تھے مگر ان میں کوئی خوبی تھی تو وہ صرف یہ تھی کہ شمع رسالت کے پروانوں میں شامل تھے ان کو توقع نہ تھی کہ ان جیسے مفلس اور غریب الوطن حبشی کو شرفائے عرب میں سے کوئی اپنی لڑکی کا رشتہ دینے پر آمادہ ہوگا لیکن ان کی حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ جونہی انہوں نے شادی کی خواہش ظاہر کی تمام مہاجرین وانصار نے جو شرفائے عرب کا خلاصہ تھے۔ ان کے سامنے دیدہ ودل فرشِ راہ کر دیئے۔ ہر ایک نے بصد خلوص آگے بڑھ کر کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو اپنا خویش بنانے سے بڑھ کر ہمارے لئے کون سی عزت ہوسکتی ہے۔ یہاں تک کہ ان صاحبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رشتہ کا انتخاب مشکل ہوگیا"۔

اسی طرح کا ملتا جلتا مضمون جناب الیاس عادل صاحب نے بھی دیکھا دیکھی اپنی کتاب "سیّدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ" کی زینت بنایا ہے۔

بہر حال مذکورہ بالا پیہرے میں موجود چند عبارات بڑی حد تک خطرناک ہیں ایسی عبارات لکھنے سے گریز کرنا چاہیے، نیز یہاں مطلق استطاعت کا انکار کر دیا گیا ہے جس کا مطلب کچھ بھی لیا جاسکتا ہے چنانچہ یہاں بے حد احتیاط سے کام لیتے ہوئے مطلق کو مقید کرنے کی ضرورت تھی، نیز بقیہ عبارات کسی معتبر کتاب کے حوالے سے میری نظروں سے نہیں گزریں لیکن "ابو الکبیر" والی روایتوں کی روشنی میں ان عبارات پر سوالیہ نشان ضرور لگ جاتا ہے۔

نیز دورِ حاضر کے بعض سیرت نگاروں کا حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے نکاح کا ارادہ فرمانے اور یمن جا کر رشتہ تلاش کرنے کو بھی موضوعِ بحث بنایا ہے اور اس واقعہ کی تائید بھی کی ہے چنانچہ اگر یمن جا کر رشتہ تلاش کرنے والی بات کو

ذرا سی بھی اہمیت دی جائے تو مذکورہ بالا مفروضہ خود بخود باطل ہو جاتا ہے کیونکہ یہاں بیان کیا گیا ہے کہ: ''جب حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے نکاح کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے اپنی اپنی بیٹیاں نکاح کے لئے پیش کر دیں'' لیکن وہاں یہ ہے کہ: ''جب نکاح کا ارادہ فرمایا تو اس کے لئے یمن جانا پڑا''، لہٰذا اگر دونوں کو مان لیا جائے تو نتیجہ کچھ یوں نکلتا ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال نے جب نکاح کا ارادہ کیا تو مدینہ شریف والوں نے نکاح کے لئے اپنی بیٹیوں کے رشتے کی پیش کش کی جسے آپ نے رد کر دیا اور نکاح کے لئے خود یمن کا رخ کیا جہاں مطلب برآری نہ ہو سکی اور پھر آ کر دوبارہ رشتہ کی تلاش کی اب کی بار کسی نے بھی رشتہ نہ دیا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ابوالبکیر کے بیٹے اپنی بہن کے نکاح کے لئے حاضر خدمت ہوئے اور حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا نام سن کر کچھ جواب نہ دیا اور پھر آئے کچھ جواب نہ دیا اور تیسری بار آ کر نکاح کی حامی بھر لی۔۔۔وغیرہ وغیرہ۔

اب جانے بھی دیجئے! اتنا تکلف صرف ایک افسانے کو حقیقت کا روپ دینے کے لئے تھا؟ یمن جا کر رشتہ تلاش کرنا یا نکاح کی خواہش ظاہر کرنے پر مدینہ کے لوگوں کا نکاح کے لئے اپنی بیٹیوں کی پیش کش کر دینا کافی جستجو کے باوجود ہماری نظروں سے نہیں گزرا، اور دورِ حاضر کے سیرت نگاروں نے اس پر کوئی مستند حوالہ بھی پیش نہیں فرمایا تو بھلا آنکھیں بند کر کے کس بناء پر اسے تسلیم کر لیا جائے؟ نیز یمن والی مستند روایت آگے پیش کی جائے گی جس کا مضمون قطعاً بھی اس مفروضے پر شاہد نہیں، چنانچہ مستند روایات سے ٹکرانے کی وجہ سے بھی ہمارے نزدیک ان دونوں افسانوں کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

......واللّٰہ اعلم ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ......

ازالہ وہم نمبر 2:

قابلِ غور بات یہ ہے کہ: سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے نکاح کے سلسلہ میں مذکورہ عبارات وروایاتِ مشہورہ میں جس ''ابوالبکیر'' نامی شخص کا ذکر ملتا ہے وہ کون تھا؟ وہ صحابی تھا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں بالاتفاق ''حق'' یہی ہے کہ: وہ صحابی نہیں تھا، جس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ: ہم نے طبقاتِ صحابہ وکتبِ تراجم میں ''ابوالبکیر'' نامی کسی صحابی کا تذکرہ نہیں پایا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ: اس کا پورا نام ابوالبکیر بن عبد یالیل بن ناشب بن غیرہ بن سعد بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ تھا، اور غالباً قبیلہ بنولیث سے اسکا تعلق تھا، بعض نے اس کا نام ''ابوالبکیر'' کی بجائے فقط ''بکیر'' بھی ذکر کیا ہے، اور وہ سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دادا نفیل بن عبد العزیٰ کا حلیف تھا، اس کی اولاد بالاتفاق شرفِ صحابیت سے فیضیاب ہوئی، اس کے چاروں بیٹے ''عاقل بن ابی البکیر، خالد بن ابی البکیر، ایاس بن ابی البکیر اور عامر بن ابی البکیر رضی اللہ عنہم'' قدیم الاسلام اور السابقون الاولون میں شامل تھے، ان سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں دارِ ارقم میں حاضر ہوکر اسلام قبول کیا تھا، ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ آئے اور یہ چاروں بھائی بدر میں بھی شامل ہوئے، جن میں سے حضرت عاقل رضی اللہ عنہ 34 سال کی عمر میں غزوہ بدر میں ہی شہید ہوگئے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی 34 سال کی عمر میں 4 ہجری غزوہ رجیع میں شہید ہوئے، حضرت ایاس اور حضرت عامر رضی اللہ عنہما دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تمام غزوات میں حصہ لیا جن میں سے حضرت ایاس رضی اللہ عنہ نے بعد ازاں فتح

مصر میں بھی شرکت کی اور 34 ہجری میں فوت ہوئے، اور حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے جنگِ یمامہ میں بھی شرکت کی تھی لیکن سنِ وفات معلوم نہیں ہوسکا۔ جیسا کہ طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ نمبر 208، سیر اعلام النبلاء جلد 3 صفحہ نمبر 119، 120، الاصابہ اور الاستیعاب میں ہے۔

لیکن افسوس صد افسوس: کہ دورِ حاضر کے کچھ سیرت نگاروں نے اسی نکاح کے معاملہ پر روشنی ڈالتے ہوئے ''ابو البکیر'' کو بغیر کسی تحقیق کے شروع میں ''حضرت'' اور آخر میں ''رضی اللہ عنہ'' کے اضافے کے ساتھ ساتھ لفظ ''صحابی'' بھی لکھ دیا، مثلاً!

(1)۔ ''ایک صحابی حضرت ابو بکیر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی جوان ہوگئیں تو ان کے دو بیٹے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنی بہن کی شادی کے بارے میں مشورہ چاہا۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلال کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟...... الخ''۔

(ڈاکٹر سید محمد عامر گیلانی۔ عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال)

(2)۔ ''انہی دنوں صحابیِ رسول حضرت ابو بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی چونکہ جوان ہوگئی تھیں اس لئے ان کی شادی کے لئے ان کے گھر والوں کو کسی مناسب رشتے کی تلاش ہوئی چنانچہ اس مقصد کے لئے حضرت ابو بکیر رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی ہمشیرہ کی شادی کے بارے میں مشورہ کے خواہاں ہوئے...... اس طرح حضرت ابو بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادی ہوگئی...... چونکہ حضرت ابو بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی

سے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود نکاح کرایا تھا۔ اس لئے حضرت ابوبکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر والے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رشتہ داری پر فخر کرتے تھے۔'' (محمد الیاس عادل۔ سیّدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ)

(3)۔ ''زید بن اسلم کی روایت میں ہے ابوبکیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہماری بہن کا نکاح فرمائیے۔'' (محمد محسن۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ)

اور اسی طرح دورِ حاضر کے بعض دوسرے سیرت نگاروں نے تو لاپرواہی کی انتہاء ہی کردی کہ ''ابوالبکیر'' لفظ کو ''ابوبکر'' سے بدل کر پیش کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ ''حضرت'' اور ''رضی اللہ عنہ'' کے الفاظ سے مزین و مرصع کر کے اس طرح کی عبارت لکھ ڈالی کہ: حقیقت سے انجان قاری بغیر کسی پس و پیش کے با آسانی یہ مان لیتا ہے کہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی ایک شادی خلیفۃ الرسول بلافصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کسی صاحبزادی سے بھی ہوئی تھی چنانچہ اس غلط فہمی کا اصل سبب لوکل کتابوں کی فقط یہ چند عبارتیں ہیں، مثلاً!

پہلی مشتبہ عبارت:

''ایک صحابی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی جوان ہو گئیں تو ان کے دو لڑکے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنی بہن کی شادی کے بارے میں مشورہ چاہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

(پروفیسر محمد طفیل چوہدری۔ سیّدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ)

دوسری مشتبہ عبارت:

''حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں ان کی بعض بیویاں عرب کے نہایت شریف ومعزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرادیا۔''

(پروفیسر محمد طفیل چوہدری۔ سیّدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ)

تیسری مشتبہ عبارت:

''ایک روایت کے مطابق ان کی ایک بیوی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھی۔'' (پروفیسر محمد طفیل چوہدری۔ سیّدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ)

چوتھی مشتبہ عبارت:

''ایک مرتبہ ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم جن کا نام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھا حاضرِ خدمت ہوئے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ: میری دونوں بیٹیاں جوان ہوگئی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شادی کے بارے میں کچھ کیجئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا بلال (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں کیا خیال ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش ہوگئے کچھ عرصہ بعد دوبارہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اپنا مدعا بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر خاموش ہوگئے جب تیسری مرتبہ انہوں نے اپنا مدعا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو کیوں بھول جاتے ہو وہ تو اہل جنت میں سے ہے اور جنت میں

داخل ہوتے وقت میرے اونٹ کی مہار اس کے ہاتھوں میں ہوگی"۔

(شیخ محمد حسن نقشبندی۔سیرت حضرت بلال رضی اللہ عنہ)

بلکہ ایک خطیب صاحب اپنے خطاب میں یہی فرما کر عوام وخواص کو حیرانی کے سمندر میں غرق کرتے رہے کہ: "حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے داماد بھی تھے" جب بعد میں ان سے حوالہ مانگا گیا تو انہوں نے ان لوکل کتابوں میں سے ایک کتاب بطور ثبوت پیش کردی جن کی عبارتیں ہم اوپر پیش کر چکے ہیں۔

...... العیاذ باللہ من ذالك......

دوسری زوجہ:

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی دوسری بیوی والی روایت طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ نمبر 127 میں یوں ہے کہ: "اخبرنا قتادة : ان بلالا تزوج امرأة عربية من بني زهرة" یعنی ہمیں قتادہ نے خبر دی کہ: بلاشبہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے بنوزہرہ کی ایک عربی عورت سے نکاح فرمایا۔

یادرہے کہ: اس روایت میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا بنوزہرہ کی جس خاتون سے نکاح کرنے کا بیان ہے یہ کوئی اور نہیں بلکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ حضرت ہالہ بنت عوف رضی اللہ عنہا ہی ہیں جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے "تلخیص الحبیر" جلد 3 صفحہ نمبر 355 میں دارقطنی اور مراسیل ابی داؤد کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال حبشی یمنی رضی اللہ عنہ نے ایک اور خاتون سے بھی نکاح کیا تھا جن کا نام "ہالہ بنت عوف" تھا اور وہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں" اور حضرت عبد

الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی قبیلہ بنوز ہرہ سے ہی تھا جیسا کہ ظاہر ہے نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ: یہ نکاح بذاتِ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا تھا۔

تیسری زوجہ:

تیسری بیوی والی روایت علامہ ابن عساکر نے اپنی تاریخ جلد 6 صفحہ نمبر 221 پر لکھی ہے کہ: ”ابوزرعة قال: بلال بن رباح مولی ابی بکر الصدیق قبرہ بدمشق ویقال: بداریا ونکح هندا الخولانیة“۔ یعنی ابوزرعہ نے فرمایا کہ: سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک دمشق میں اور یوں بھی کہا جاتا ہے کہ: داریا میں واقع ہے اور آپ رضی اللہ عنہ نے ”ھند خولانیہ“ سے نکاح فرمایا تھا۔ نیز ہند خولانیہ سے نکاح کا بیان کتاب الثقات لابن حبان سمیت دیگر کئی کتب میں بھی موجود ہے۔

رفعِ ابہام:

چنانچہ ”حضرت ہند خولانیہ“ آپ کی وہی زوجہ ہیں جن کے اہل خانہ سے آپ رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ نے اکٹھے جا کر ان کی بیٹیوں کا رشتہ مانگا (جیسا کہ گزر چکا ہے) تو خولان والوں نے جو ”داریا“ (شام) میں مقیم تھے اپنی دونوں لڑکیوں کی شادی دونوں بھائیوں سے کردی جن میں سے جناب ہند خولانیہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ جس پر تفصیلی بحث ہم سابق میں کر چکے ہیں۔

بعض سیرت نگاروں نے کہا ہے کہ: ”ہند خولانیہ“ سے حضرت سیّدنا بلال

رضی اللہ عنہ کا نکاح ملکِ شام ہجرت کرنے سے پہلے ہی ہو چکا تھا لیکن ایک تو اس پر کوئی حوالہ پیش نہیں کیا گیا، اور دوسرا یہ کہ خوب تلاش کے باوجود ہمیں بھی کوئی تائید نہیں ملی پھر مزید برآں تیسرا یہ کہ یہ بات مذکورہ روایت کے بھی خلاف ہے۔

لہٰذا یہی تسلیم کرنا بہتر ہوگا کہ یہ نکاح ہجرتِ شام کے بعد عمل میں آیا۔

نیز علماء کا اتفاق ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں ھند خولانیہ ہی تھیں۔

چوتھی زوجہ:

چنانچہ طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ نمبر 126 کے حوالے سے ہم سابق میں ذکر کی گئی ایک اور روایت پیش کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ: شاید آپ رضی اللہ عنہ نے ایک اور نکاح بھی فرمایا تھا جو یمن کے کسی خاندان کی بیٹی سے تھا جیسا کہ

"عن الشعبی قال: خطب بلال واخوہ الی اھل بیت من الیمن فقال: انا بلال وھذا اخی، عبدان من الحبشۃ کنا ضالین فھدانا اللّٰہ وکنا عبدین فاعتقنا اللّٰہ، ان تنکحونا فالحمد للّٰہ وان تمنعونا فاللّٰہ اکبر"۔

یعنی: شعبی سے روایت ہے: کہتے ہیں کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اور آپ کے بھائی (خالد بن رباح) رضی اللہ عنہ نے یمن کے ایک گھرانے میں اپنے نکاح کا پیغام دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں بلال ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، ہم دونوں حبشہ سے تعلق رکھتے ہیں

ہم گمراہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت عطاء فرمائی اور ہم غلام تھے تو ہمیں اللہ تعالیٰ نے آزادی عطاء فرمائی اگر تم ہم سے اپنی بیٹیوں کا نکاح کردو تو ''الحمد للہ'' ورنہ ''اللہ اکبر''۔

ازالہ وہم:

اس واقعہ کو ایک صاحب نے توڑ مروڑ کے اپنی کتاب میں اپنے الفاظ میں کچھ یوں لکھا ہے کہ:

''حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جب شادی کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس غرض سے اپنے آبائی وطن یمن کا سفر اختیار کیا تا کہ وہاں جا کر کوئی اچھا سا رشتہ دیکھ کر شادی کرلیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کی پیروی ہو جائے چنانچہ یمن پہنچ کر اپنے آبائی قصبہ ''سراۃ'' میں تشریف لے گئے کچھ مدت وہاں قیام فرمایا اپنے لئے مناسب رشتہ کی تلاش کی مگر کوئی بھی مناسب رشتہ نہ مل سکا اس لئے فوری طور پر واپسی اختیار فرمائی کیونکہ عاشق رسول اللہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی زیادہ دیر تک برداشت کرنا بہت ہی مشکل تھا اس لئے جس قدر جلد ممکن ہو سکا بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گئے''۔

یمن جانے اور وہاں رشتہ کی تلاش کرنے سے متعلق اسی طرح کا ''لایعنی اور بے مقصد'' افسانہ کئی موجودہ سیرت نگاروں نے دیکھا دیکھی الفاظ کی کمی اور زیادتی کے ساتھ اپنی اپنی کتب میں جڑ دیا ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ: یہ مفروضہ مضحکہ خیز حد تک کئی وجوہات سے حقائق کے خلاف ہے، مثلاً!

(i)۔یمن سے متعلق روایت میں یہ بالکل بھی موجود نہیں کہ: ''حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو رشتہ تلاش کرنے کیلئے یمن جانا پڑا'' تلاشِ بسیار کے باوجود یہ فرضی تفصیل ہمیں نہیں ملی، نیز ہمارے نزدیک یہی اصوب ہے کہ: یمن سے تعلق رکھنے والا یہ گھرانہ عرب میں ہی آباد تھا۔

(ii)۔میرے مطالعے میں یہ بات بھی نہیں آئی کہ: ''حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد کسی بھی مقصد کے لئے یمن کا سفر کیا ہو''۔

(iii)۔مذکورہ عبارت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ: ''یمن پہنچ کر کچھ مدت قیام کیا'' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: ''کیونکہ عاشق رسول اللہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی زیادہ دیر تک برداشت کرنا بہت ہی مشکل تھا'' یہ فرق بھی اس مفروضے کی کمزوری پر واضح دال ہے۔

(iv)۔مستند روایت میں یمنی خاندان کو پیغامِ نکاح دینے کا ذکر ہے لیکن مفروضے میں صرف یمن جانے کا ذکر ہے کسی بھی خاندان سے نکاح کی بات چیت کرنے کا کوئی ذکر تک نہیں۔

(v)۔مستند روایت میں نکاح کا پیغام دینے سے ثابت ہوتا ہے کہ: مناسب رشتہ مل گیا تھا، لیکن مفروضے میں واضح کہہ دیا گیا ہے کہ: ''مناسب رشتہ نہ ملنے کی صورت میں واپسی ہوگئی''۔

(vi)۔مستند روایت میں ''بھائی'' کا بھی ذکر ہے لیکن مفروضے میں بھائی کا کوئی ذکر نہیں۔

ان تمام وجوہ کے پیشِ نظر بھلا مفروضے کی کیا اوقات رہ جاتی ہے، چلئے! مان لیتے ہیں کہ: مفروضے میں کسی اور واقعے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن کم

ازکم اس کا کوئی ماٗخذ تو بیان کر دیا جاتا، حالانکہ کوئی ثبوت نہیں دیا گیا، چنانچہ معلوم نہیں کہ اس بے مقصد اور بے دلیل تکلف کی تکلیف آخر کیونکر اٹھائی گئی؟

رفعِ ابہام:

دورِ حاضر کے بعض سیرت نگاروں نے بنوز ہرہ، اہل خولان اور اہل یمن کی خواتین سے مراد بھی ایک ہی بیوی ''ہندالخولانیہ'' کو ہی لیا ہے، اور بعض نے ''ہند الخولانیہ'' کو محض اہلِ یمن سے قرار دیا ہے اور بعض نے محض بنوز ہرہ سے لیکن یہ محض مفروضے ہیں اور کچھ نہیں چنانچہ ہم سابق میں ثابت کر چکے ہیں کہ: دراصل اہل خولان، اہل یمن اور بنوز ہرہ کی خواتین الگ الگ خواتین ہیں، ایک نہیں۔

نیز اہلِ یمن سے رشتہ مانگنے پر نکاح ہوا یا نہیں، یہ واضح نہیں لیکن رشتہ سے انکار والی بات بھی ثابت نہیں۔لہٰذا نکاح کا واقع ہو جانا ہی درست معلوم ہوتا ہے۔

پانچویں زوجہ:

دورِ حاضر کے بعض سیرت نگاروں کے نزدیک حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی دونوں صاحبزادیوں کے لئے اپنا اور اپنے بھائی حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہما کا پیغامِ نکاح بھجوایا جو قبول کرلیا گیا اور شادی ہوگئی۔ چنانچہ اس کا ماٗخذ مجھے معلوم نہیں ہوسکا۔لیکن اگر یہ بات واقعی سچ ہو تو یہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی لامحالہ پانچویں زوجہ قرار دی جائیں گی کیونکہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ خزرج کے خاندان بنوحارث سے تھا اور سابق میں جن خواتین کا ذکر گزر چکا ہے ان میں سے ایک کا تعلق ابوالبکیر سے تھا جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دادا کا حلیف تھا، ایک کا

اہلِ یمن، ایک کا اہلِ خولان اور ایک کا تعلق بنوزہرہ سے تھا اور جس کا ذکر یہاں ہو رہا ہے یہ ان سابقہ میں سے کوئی نہیں بلکہ اس کا تعلق بنوحارث سے تھا، لہٰذا بغیر کسی پریشانی کے یہ بالکل مانا جاسکتا ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا نکاح 5 مختلف خواتین سے ہوا تھا۔

ترتیبِ ازواج:

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی ازواج کی مذکورہ ترتیب ''لف نشر مرتب'' کے طریق پر نہیں بلکہ ترتیبِ ازواج کے سلسلے میں ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ: حضرت ہند الخولانیہ ہی آخری زوجہ ہیں۔

ازالہء وہم نمبر ٦:

ہوسکتا ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی کئی شادیوں کے بارے میں جان کر کسی کے ذہن میں یہ وہم پیدا ہو جائے کہ: شاید حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا رویہ ان کی ازواج سے درست نہیں رہتا تھا جس کی وجہ سے انہیں کئی مقامات پر الگ الگ شادیاں کرنا پڑیں، تو اس وہم کے ازالہ کے لئے ہم تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 243 کی ایک ایسی روایت پیش کر دیتے ہیں کہ: جس سے یہ معلوم کرنا ذرا بھی مشکل نہیں ہوگا کہ: جنابِ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے یکے بعد دیگرے کئی شادیاں کرنے کا سبب یہ ہرگز نہیں تھا، چنانچہ!

"عن امرأة بلال : ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اتاھا فسلم، فقال: اثم بلال، فقالت : لا، قال: فلعلك غضبت علی بلال، قالت : انه یحبنی کثیرا، فیقول: فقال لها رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم : ما حدثك عنی بلال

فقد صدق، بلال لایکذب، لا تغضبی بلالاً، فلا یقبل منك عمل ما اغضبت بلالاً"۔

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی زوجہ سے روایت ہے کہ: بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے پھر سلام کیا اور فرمایا: کیا بلال سے کوئی قصور واقع ہوا ہے؟ عرض کیا: نہیں، فرمایا: پھر شاید تم بلال سے ناراض ہو؟، عرض کیا: وہ تو مجھ سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں، (راوی کہتے ہیں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہیں بلال میری جو بھی حدیث سنائے تو بلاشبہ وہ سچا ہے کیونکہ بلال جھوٹ نہیں بولتا، لہٰذا تم بلال کو ناراض نہ کرنا ورنہ تمہارا کوئی عمل بھی قبول نہ ہوگا۔

یہ بھی ثابت ہوگیا کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اپنی ازواج سے بہت اچھا سلوک فرمایا کرتے تھے۔

ازالہ وہم نمبر 2:

بعض موجودہ سیرت نگاروں نے مذکورہ روایت میں موجود مجہول الاسم زوجہ کو بلادلیل "ہند خولانیہ" بتایا ہے، لیکن یہ محلِ نظر ہے، کیونکہ اس پر سبھی کا اتفاق ہے کہ: سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے وصال کے وقت آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں صرف "حضرت ہند خولانیہ" ہی تھیں، اور میں بھی ثابت کر چکا ہوں کہ: سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد جب ملکِ شام جا کر اہلِ خولان سے جا کر رشتہ مانگا تو انہوں نے جس عورت کا نکاح آپ رضی اللہ عنہ سے کیا وہ "جناب ہند الخولانیہ رضی اللہ عنہا" ہی تھیں۔

معلوم ہوا کہ: مذکورہ بالا روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی جس زوجہ سے کلام ہوا ہے وہ کوئی اور زوجہ تھیں نہ کہ "ہند الخولانیہ"۔

نیز یہاں ایک اور سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ: "ہند الخولانیہ" کے علاوہ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی بقیہ ازواج کیساتھ کیا معاملہ ہوا؟ کیا انہیں یکے بعد دیگرے طلاق دیدی گئی یا وہ دارِ فانی سے رخصت ہوتی گئیں تو اس سلسلے میں مجھے کوئی خاطر خواہ ثبوت فراہم نہیں ہو پائے، چنانچہ یہ بھی احتمال ہے کہ: آپ کسی زوجہ کی طلاق یا وفات کی صورت میں دوسرا نکاح کرتے رہے ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ: دوسری بیویاں بھی آپ کے پاس ہی ہوں لیکن وقتِ وصال آپ اپنی آخری زوجہ "ہند خولانیہ" کے ہی گھر میں تشریف فرما ہوں لیکن یہ قرینِ قیاس کے مطابق نہیں بلکہ پہلی بات کو ترجیح ہے۔

......واللّٰہ اعلم ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ......

فصل:

اولاد

اس بارے میں بلا اختلاف علماء کا یہی موقف ہے کہ: آپ رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد نہیں تھی جیسا کہ تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 220 میں محمد بن اسحاق کا قول منقول ہے کہ: ''لا عقب له'' یعنی آپ کے پیچھے کوئی اولاد نہیں تھی۔ نیز صفحہ نمبر 221 پر ابن عساکر میں ہے کہ: ''قال عبد الرحمٰن: لاعقب له'' یعنی عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ آپ کے پیچھے کوئی اولاد نہیں تھی نیز اُسد الغابہ جلد 1 صفحہ نمبر 131 میں ہے کہ: ''ولم یعقب بلال'' یعنی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ یہی مؤقف کئی مستند کتب مثلاً ''اشرف الوسائل، جمع الوسائل'' اور ''حاشیہ مناوی'' وغیرہا میں بھی یہی ہے۔

....

تتمہ جمالین

﴿سیرت وقرابت﴾

باب

(اسلام، ولاء، تشدد اور آزادی)

فصل:

اسلام لانا

داستان گو اور واعظین کی زبان پر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے مختلف واقعات کئی طرح کے مختلف الفاظ میں گردش کرتے رہتے ہیں، طلبِ داد اور فکرِ مال کے لئے کبھی کبھی تو ایسا بھی ''لون، مرچ'' لگا دیا جاتا ہے کہ ایک ہی واقعہ کئی مختلف خطباء حضرات سے سن کر کئی مختلف روایتوں کا گمان بلکہ یقین ہونے لگتا ہے چنانچہ ان ڈھیروں بلا دلیل واقعات سے ہٹ کر ایک واقعہ جو کبھی روایاتِ معتمدہ کے ''مِنْ وَعَنْ'' مطابق ہوا کرتا تھا دورِ حاضر کے چند مشہور خطباء کی مہربانی سے اب وہ بھی ایسا بدل چکا ہے کہ خدا کی پناہ! چنانچہ ہم خطیب حضرات کی زبانی بیان کردہ اسی واقعہ کو مختصراً پیش کر رہے ہیں: ملاحظہ فرمائیں!

''حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے آقا امیہ بن خلف کی بکریاں چراتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیاس نے ستایا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: اے غلام! کیا تمہاری بکریوں کے تھنوں میں دودھ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ: کسی بھی بکری کے تھن میں دودھ نہیں، فرمایا: مجھے اجازت دو میں خود ہی نکال لوں، عرض کیا: نکلتا ہے تو نکال لیں چنانچہ اجازت پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے ہی تھنوں کو دست مبارک لگایا بکریوں کے تھن دودھ سے لبالب بھر گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا دودھ دوہ کر خود بھی نوش فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو

بھی پلایا، وہاں سے حضرت بلال واپس آ گئے اور چند دن کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر امیہ کے گھر کے سامنے سے ہوا دیکھا تو بکریوں والا وہی کالا حبشی غلام پسینے سے شرابور بخار سے نڈھال چکی پیس رہا ہے قریب تھا کہ بیہوش ہو کر ہمت کھو بیٹھتا اور گر جاتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئے اسے چکی سے دور کیا اسکا پسینہ صاف کیا پانی پلایا اور اسے ایک طرف لٹا دیا، اس غلام نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا یہ تو وہی ہستی ہے جس کے دست مبارک لگنے کی برکت سے میری بکریوں کے تھنوں میں دودھ آ گیا تھا چنانچہ یہ غمخواری دیکھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے عرض کیا: میرا آقا امیہ مجھ پر بہت ظلم کرتا ہے اور بہت کام کرواتا ہے آج ایک من دانے دیئے ہیں تاکہ سخت بخار میں بھی انہیں پیس کر شام تک اسے دے دوں، کل دو من اور دے گا، اگلے دن تین من دے گا اور روزانہ بڑھاتا ہی رہے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلال! تم آرام کرو تمہارے حصہ کا کام میں کر دیتا ہوں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آج تو آپ کر دیں گے لیکن کل کون کرے گا؟ فرمایا پریشان نہ ہو دانے تم ڈالتے رہنا چکی خود بخود چلتی رہے گی، چنانچہ حضرت بلال نے یہ سنا اور کلمہ پڑھ کے اسلام میں داخل ہو گئے"۔

اس واقعہ کا حوالہ مانگنے کے سلسلے میں کئی خطباء سے رابطہ کیا گیا، حوالہ پوچھا تو جواب میں ایک اور خطیب صاحب کا نام لیا گیا، یوں ہی کئی خطباء کرام سے راویوں کا ایک لمبا سلسلہ چل پڑا جو دَور و تسلسل پر ہی ختم ہوا لیکن کوئی بھی مستند حوالہ سامنے نہیں آیا۔

اسی طرح حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے متعلق ایک

اور واقعہ بھی دورِ حاضر کے سیرت نگار اپنی کتب میں بیان کرتے ہیں، جس میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو لائے جانے کا بیان ہے کہ: امیہ بن خلف حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کوڑے مار رہا تھا پھر اس نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو کوڑا تھما کر کہا کہ: عمار کو کوڑے مارو! آپ نے کچھ دیر سوچ کر کوڑا پھینک دیا حضرت عمار رضی اللہ عنہ اس مرتبہ خود کوڑا پکڑ کر آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں یہ کہہ کر تھما دیتے ہیں کہ: بلال! مجھے مارو ورنہ یہ تمہیں ماریں گے، اس بار بھی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کوڑا پھینک دیتے ہیں اور اپنے اسلام کا اظہار کرتے ہیں "امیہ اینڈ کمپنی" آپ رضی اللہ عنہ کی اس حرکت پر ناراض ہو کر آپ رضی اللہ عنہ پر بھی سزاؤں کا سلسلہ شروع کر دیتی ہے......وغیرہ وغیرہ۔

اب یہ معلوم نہیں کہ: اس روایت کا ماٴخذ کیا ہے؟ لیکن یہ روایت کئی مستند روایات کے خلاف ہے، اور کئی طرح کی علتوں سے بھری ہے، لہٰذا حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے والا مستند، تسلی بخش، تفصیلی اور معتمد علیہ واقعہ "تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 223، 224، السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 422 اور جامع الآثار لابن ناصر الدین الدمشقی جلد 3 صفحہ نمبر 1472، 1473" میں یوں روایت ہے کہ:

"قال الوضين بن عطاء: ان رسول الله وابا بكر اعتزلا في غار فبينما هما كذالك ان مر بهما بلالا، وهو في غنم عبد الله بن جدعان، وبلال مولد من مولدي مكة، قال: وكان لعبد الله بن جدعان بمكة مائة مملوك

مولد، فلما بعث اللّٰہ نبیہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم امر بہم فاخرجوا من مکۃ، الا بلالاً یرعی علیہ غنمہ تلک، فاطلع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رأسہ من ذالک الغار، فقال: یا راعی ھل من لبن؟ فقال بلال: مالی الا شاۃ منھا قوتی، فان شئتما آثرتکما بلبنھا الیوم، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : ائت بھا، فجاء بھا فدعا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بقعبہ، فاعتقلھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فحلب فی القعب، حتی ملأہ فشرب حتی روی، ثم احتلب فسقی ابا بکر، ثم احتلب حتی ملأہ فسقی بلالا حتی روی، ثم ارسلھا وھی احفل ما کانت، ثم قال: یا غلام ھل لک فی الاسلام؟ فاتی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاسلم، وقال: اکتم اسلامک، ففعل، وانصرف بغنمہ، وبات بھا، وقد اضعف لبنھا، فقال لہ اھلہ: لقد رعیت مرعی طیبا، فعلیک بہ عاد الیہ ثلاثۃ ایام یسقیھما، ویتعلم الاسلام، حتی اذا کان یوم الرابع فمر ابوجھل باھل عبد اللّٰہ بن جدعان، فقال: انی اری غنمکم قد نمت، وکثر لبنھا، فقالوا: قد کثر لبنھا منذ ثلاثۃ ایام، وما نعرف ذالک منھا، فقال: عبد کم، ورب الکعبۃ یعرف مکان ابن ابی کبشۃ، فامنعوہ ان یرعی ذالک المرعی، فمنعوہ من

ذالك، ودخل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مكة فاختفى في دار عند المروة،واقام بلال على اسلامه فدخل يوماً الكعبة، وقريش في ظهرها لاتعلم، فالتفت فلم ير احداً اتى الاصنام فجعل يبصق عليها، ويقول: خاب وخسر من عبد كن فطلبته قريش، وهرب حتى دخل دار سيده عبد اللّٰه بن جدعان فاختفى فيها، ونادوا عبد اللّٰه بن جدعان فخرج، فقالوا: اصبوت؟ قال: ومثلي يقال له هذا، فعلي نحر مائة ناقة للات والعزىٰ، فقالوا: ان اسودك صنع كذا وكذا، فدعا به فالتمسوه فوجدوه فأتوه به، فلم يعرفه فدعا خوليه، فقال: من هذا الم آمرك ان لا يبقى بها احد من مولديها الا اخرجته، فقال: كان يرعىٰ غنمك، ولم يكن احد يعرفها غيره، فقال لابي جهل وامية بن خلف: شأنكما فهو لكما اصنعا به ما احببتما، فخرجا به الى البطحاء يبسطانه على رمضائها فيجعلان رحى على كتفيه، ويقولان: اكفر بمحمد، فيقول: لا، ويوحد لله، فبينما هما كذالك اذ مربهما ابوبكر، فقال: ماتريدان بهذا الاسود؟ واللّٰه ماتبلغان به ثأراً، فقال امية بن خلف لاصحابه: الا العبنكم بابي بكر لعبة ما لعبها احد، ثم تضاحك، وقال: هو على دينك يا ابا بكر فاشتره منا، فقال: نعم، فقال:

اعطني عبدك فسطاسا، وفسطاس عبدلابی بكر حداد يؤدي خراجه نصف دينار، فقال ابوبكر: ان فعلت تفعل؟ قال: نعم، قال: فذالك لك، قال: فتضاحك، وقال: لا، والله حتى تعطيني ابنته مع امرأته، قال: ان فعلت تفعل؟ قال: نعم، قد فعلت، فتضاحك وقال: لا، والله حتى تزيدني معه مائتي دينار، قال ابوبكر: انت رجل لا تستحي من الكذب، قال: لا، واللات والعزیٰ لئن اعطيتني لافعلن، فقال: هي لك فاخذه "۔

ترجمہ: وضین بن عطاء کہتے ہیں کہ: بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک غار میں تنہاء مصروف عبادت تھے، کہ اس دوران وہاں سے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، وہ عبداللہ بن جدعان کی بکریاں چرا رہے تھے، حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ مکہ میں رہنے والے مولّد غلاموں میں سے ایک تھے، (وضین) کہتے ہیں کہ: عبداللہ بن جدعان کے مکہ میں 100 مولّد غلام تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو عبداللہ بن جدعان نے اسی ڈر سے اپنے مولّد غلاموں کو حکم دیا تو وہ سب مکہ سے باہر بھیج دیئے گئے سوائے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ اس کی بکریاں چرایا کرتے تھے، چنانچہ ایک دن اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سرِ انور غار سے باہر نکالا، فرمایا: اے چرواہے! کیا تھوڑا دودھ ملے گا؟ تو حضرت سیّدنا

بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مجھے صرف ایک بکری کا اختیار ہے، اگر آپ چاہیں تو میں وہ آج آپ کو پیش کر دیتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لے آؤ! چنانچہ وہ لے آئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لکڑی کا بڑا پیالہ منگوایا پھر بکری کو باندھ کر اس کا دودھ دوہا تو پیالہ بھر گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا یہاں تک کہ: سیر ہو گئے، پھر دوہا اور سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پلایا، پھر دوہا اور پیالہ بھر کے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو پلایا یہاں تک کہ وہ بھی سیر ہو گئے، پھر جب اس بکری کو چھوڑا تو اس کا دودھ پہلے کی طرح پھر سے بھرا ہوا ہو گیا، پھر فرمایا: اے غلام! کیا تم اسلام لاؤ گے؟ چنانچہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئے اور اسلام قبول کیا، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنا اسلام چھپانا، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، اور اپنی بکریاں لے کر چلے گئے، رات گزاری چونکہ ان کے دودھ کئی گنا بڑھ چکے تھے، تو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے ان کے مالکان نے پوچھا: معلوم ہوتا ہے کہ تم نے بکریاں بڑی اچھی جگہ پر چرائی ہیں، چنانچہ اب یہ تمہاری ہی ذمہ داری میں ہیں، پھر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ مزید تین دن تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دودھ پلاتے رہے، اور اسلام کے بارے میں سیکھتے رہے، جب چوتھا دن ہوا تو ابوجہل کا گزر عبداللہ بن جدعان کے گھر کے قریب سے ہوا تو وہ بولا: میں دیکھتا ہوں کہ: تمہاری بکریاں یونہی پڑی رہتی ہیں لیکن ان کا دودھ کثیر ہوتا

ہے، تو گھر والے بولے کہ: تین دن سے ایسا ہی ہو رہا ہے، اور ہم نہیں جانتے کہ: اس کی کیا وجہ ہے؟ تو وہ بولا: تمہارا غلام، کعبہ کے رب کی قسم وہ ابن ابی کبشہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے رہنے کی جگہ کو جانتا ہے، لہٰذا اسے وہاں بکریاں چرانے سے منع کرو، تو انہوں نے منع کر دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے اور چپکے سے مروہ کے قریبی مکان میں جلوہ افروز ہو گئے، اور حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اپنے اسلام پر قائم رہے، چنانچہ ایک دن حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اس وقت قریش خانہ کعبہ کی دوسری جانب آپ کی آمد سے بے خبر موجود تھے، پھر آپ نے جھانک کر دیکھا تو کوئی بھی آپ کو نہیں دیکھ رہا تھا، آپ بتوں کے پاس آئے اور ان پر تھوکنے لگے نیز فرمانے لگے: تمہیں پوجنے والا ناکام و نامراد ہو گیا، قریش کو پتہ چل گیا انہوں نے آپ کو پکارا لیکن آپ بھاگ کر اپنے آقا عبداللہ بن جدعان کے گھر میں داخل ہو کر چھپ گئے مشرکین وہاں پہنچے اور عبداللہ بن جدعان کو پکارنے لگے، وہ نکل آیا تو انہوں نے اس سے کہا: کیا تم نے دین بدل لیا؟ وہ بولا: مجھ جیسے شخص کے بارے میں ایسی بات کہہ رہے ہو؟ حالانکہ میں نے لات و عزیٰ کے نام پر 100 اونٹنیاں قربان کی ہیں، تو وہ بولے: تیرے حبشی غلام نے ایسے ایسے کیا ہے، یہ سن کر اس نے آپ رضی اللہ عنہ کو پکارا، لوگ بھی تلاش کرنے لگے جب مل گئے تو آپ رضی اللہ عنہ کو اس کے پاس لے آئے، وہ آپ رضی اللہ عنہ کو نہیں پہچانتا تھا، تو اس نے اپنے نگران کو

بلایا، پھر بولا: یہ کون ہے؟ کیا میں نے تمہیں حکم نہ دیا تھا کہ مولّدین میں سے کوئی بھی اس کام پر باقی نہ رہے ورنہ میں تمہیں نکال دوں گا؟ تو وہ (نگران) بولا: یہی غلام آپ کی بکریاں چراتا ہے اور بکریوں کی دیکھ بھال اس سے بہتر کوئی نہیں کرسکتا، تو (عبد اللہ بن جدعان) ابوجہل اور امیہ سے بولا: اب یہ تمہارا ہوا اس کے ساتھ جو چاہو کرو، تو وہ دونوں آپ رضی اللہ عنہ کو لے کر پتھریلی زمین کی جانب نکلے، آپ رضی اللہ عنہ کو انہوں نے وہاں کی تپتی ہوئی زمین پر لٹادیا، پھر انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر چکی رکھ دی، اور کہنے لگے: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کرو، تو آپ رضی اللہ عنہ فرماتے: نہیں، اور آپ رضی اللہ عنہ اللہ کی وحدانیت کا نعرہ لگانے لگے، اسی دوران ابوجہل اور امیہ پر وہاں سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، فرمایا: تم اس حبشی غلام سے کیا چاہتے ہو؟ اللہ کی قسم! تم اس سے کسی کے قصاص کا مطالبہ تو نہیں کررہے (پھر اسے بلاوجہ کیوں مار رہے ہو؟)، تو امیہ بن خلف اپنے ساتھیوں سے بولا: کیا میں تمہیں ابوبکر سے ایسا کھیل کر نہ دکھاؤں جیسا کسی نے بھی نہ کھیلا ہو، پھر ہنسنے لگا اور بولا: اے ابوبکر! وہ تیرے دین پر ہے اسے ہم سے خرید لو، فرمایا: ٹھیک ہے، بولا: مجھے اپنا غلام فسطاس دے دو! فسطاس سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا غلام تھا پیشے سے لوہار تھا اور وہ آپ کو آدھا دینار بطور خراج دیا کرتا تھا، تو سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ: اگر میں (سودا) کردوں تو کیا تم بھی کروگے؟ بولا: ہاں، فرمایا: تو میں نے اسے

تمہاری ملکیت میں دیا، وہ ہنسنے لگا اور بولا: نہیں، اللہ کی قسم جب تک تم اسکی بیٹی اور بیوی بھی ساتھ میں نہ دو گے، فرمایا: اگر میں (سودا) کردوں تو کیا تم بھی کرو گے؟ بولا: ہاں، فرمایا: تو یہ سب کچھ بھی تمہارا ہوا، وہ پھر ہنسنے لگا اور بولا: نہیں، اللہ کی قسم جب تک تم اس سودے پر 200 دینار مزید نہیں بڑھا لیتے، سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو ایسا شخص ہے جسے جھوٹ بولتے بھی شرم نہیں آتی، وہ بولا: لات وعزیٰ کی قسم اگر تم مجھے یہ دے دو تو میں اس بار (سودا) ضرور کردوں گا، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ پیسہ بھی تیرا ہوا پھر آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو لے لیا"۔

فائدہ:

مذکورہ بالا روایت کی روشنی میں چند باتیں معلوم ہوئیں کہ!

☆۔حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہ عبداللہ بن جدعان کی غلامی میں تھے نہ کہ امیہ بن خلف کی۔

☆۔روایت میں کسی بھی بکری کے دودھ کے خشک ہونے کا ذکر نہیں آیا۔

☆۔حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے حصے کی بکری پیشِ خدمت کی۔

☆۔پہلی ملاقات میں ہی کلمہ پڑھ کے اسلام قبول کرلیا تھا۔

☆۔حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ مزید دو دن تک سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یونہی ملتے رہے اور اسلام کی تعلیمات سے آراستہ ہوتے رہے۔

☆۔چکی پیسنے والے واقعہ کا اس میں کوئی ذکر نہیں، حتیٰ کہ: میں نے کافی

تگ ودو کے باوجود چکی والے واقعہ کا کوئی مستند حوالہ نہیں پایا۔

نوٹ:

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے والے واقعے سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ جس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قبیلہ بنوابی معیط کی بکریوں کو چرانے اور اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اجازت سے ان بکریوں کے دودھ پینے اور ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی دودھ پلانے اور پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا بیان ہے، اسے امام طبرانی نے معجم صغیر حصہ 1 صفحہ 186 میں روایت کیا ہے، چنانچہ بلاشبہ یہ دونوں واقعے اپنے اپنے اعتبار سے درست ہیں۔

......

انکشاف:

سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا اسلامی نمبر!

کوئی شک نہیں کہ: حدیث کی بیشتر کتب میں منقول روایت "بلال سابق الحبشة" کی روشنی میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا حبشہ کے مسلمین میں سے پہلے نمبر پر اسلام لانا ثابت ہے، اور دیگر روایتوں کی رو سے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتویں آزاد کردہ غلام، نیز السابقون الاولون اور اسلام کا اظہار کرنے والے پہلے سات افراد میں

شامل ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ: آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرتے وقت کتنے حضرات دولتِ اسلام سے شرفیاب ہو چکے تھے یعنی آپ رضی اللہ عنہ نے کتنے نمبر پر اسلام قبول کیا؟ تو اس سلسلہ میں میرے پاس کوئی غیر محتمل اور غیر منتقد فی المتن روایت موجود نہیں ہے البتہ اس بارے میں عموماً جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ دو طرح کا ہے، چنانچہ!

(ا)۔ ایک قول یہ ہے کہ: جب آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول فرمایا تو اس وقت 6 افراد مشرف بالاسلام ہو چکے تھے یعنی آپ رضی اللہ عنہ کا ساتواں نمبر تھا چنانچہ اس سلسلے میں جو دلیل پیش کی جاتی ہے وہ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 22 وغیرہ کی نقل کردہ یہ روایت ہے، مثلاً!

"عن عبد اللہ، قال: اول من اظھر اسلامہ سبعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، ابوبکر، عمار، وامہ سمیۃ وصھیب والمقداد وبلال"۔

(یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: سب سے پہلے سات افراد نے اسلام کا اظہار کیا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمار، ان کی والدہ سمیہ، صہیب مقداد اور بلال رضی اللہ عنہم اجمعین)۔

شروع میں راقم بھی عدمِ توجہ کی وجہ سے اسی کا قائل تھا لیکن بعد ازاں غور ہوا کہ: "قائلینِ سابع فی الاسلام" کا اس روایت سے یہ استدلال کرنا کمزور ہی نہیں بلکہ کئی وجہوں سے مردود بھی ہے چنانچہ!

پہلی وجہ:

اس قسم کی جتنی بھی روایات میری نظروں سے گزری ہیں ان میں اسلام کے اظہار کا مضمون ملتا ہے اسلام لانے کا نہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ: کئی اور حضرات بھی اسلام لا چکے تھے لیکن مخافاً اظہار نہ کر سکے اور یہ معنیٰ زیادہ ظاہر ہے کلام محض اسی لئے چلایا گیا ہے۔

دوسری وجہ:

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا ساتواں نمبر ثابت کرنے والوں کی محتمل روایت کے بالمقابل حلیۃ الاولیاء جلد 1 صفحہ 240، سیر اعلام النبلاء جلد 3 صفحہ 188 اور مصنف ابن ابی شیبہ جلد 8 صفحہ 452 کی یہ روایت بھی پیش کی جاسکتی ہے کہ: "عن عتبة بن غزوان رضي الله عنه قال: لقد رأيتني مع رسول الله صلى الله عليه وسلم سابع سبعة"۔

(حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: تحقیق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے والے سات افراد میں سے ساتواں تھا)

نیز سیر اعلام النبلاء جلد 3 صفحہ 69 میں حضرت سعد بن ابی وقاص کے "سابع الاسلام" ہونے کا بھی بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ یہ روایتیں حضرت عتبہ بن غزوان اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کے حق میں بمقابلہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ زیادہ واضح ہیں لیکن حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے حق میں مدعیانِ سابع کی پیش کردہ روایت "سابع الاسلام" کے ثبوت میں غیر ظاہر الدلالۃ ہونے کے ساتھ ساتھ مخالف معنیٰ پر مؤید بھی ہے۔

تیسری وجہ:

نیز حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے حق میں پیش کی جانے والی اگر اس سابقہ روایت کو اسی انداز سے تسلیم کر ہی لیا جائے تو پھر یہاں تقابل یہ پیدا ہوگا کہ: صحیح روایتوں کی روشنی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے قطع نظر! حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہم کا اول المسلمین ہونا بھی ثابت ہے حالانکہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ''سابع الاسلام'' قرار دینے والی سابقہ روایت میں ان مؤخر الذکر تینوں بزرگ ہستیوں کا ذکر تو بہت دور استثناء تک نہیں۔ لہٰذا یہ بھی وجہ ہے کہ: ''ثبوتِ سابع'' میں یہ روایت مفید نہیں۔

چوتھی وجہ:

جس روایت کو ''ثبوتِ سابع'' میں دلیل بنا کر پیش کیا جارہا ہے اس روایت کا متن حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی درجہ بندی کی تعیین کے سلسلے میں خود اضطراب کا شکار ہے جس سے اسلام لانے کی تو بہت دُور، بلکہ خود ''اظہارِ اسلام'' کی بھی ساتویں پوزیشن واضح نہیں ہوسکتی، چنانچہ!

☆۔صفۃ الصفوۃ صفحہ 117، فضائل الصحابہ لامام احمد صفحہ 70 رقم 282، تاریخ الخمیس جلد 1 صفحہ 528 اور طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ 124 میں ہے کہ: ''عن مجاهد، قال: اول من اظهر الاسلام سبعة: رسول الله صلى الله عليه وسلم، وابوبكر، وبلال، وخباب، وصهيبٌ، وعمار، وسمية ام عمار''۔

یہاں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو تیسرے نمبر پر روایت کیا گیا ہے۔

☆۔معرفۃ الصحابہ لابی نعیم جلد 1 صفحہ 200، 334 میں ہے کہ:
"عن مجاهد، قال: اول من اظهر الاسلام سبعة: رسول الله صلى الله عليه وسلم، وابوبكر، وخباب، وصهيب، وبلال، وعمار، وامه سمية"۔
چنانچہ یہاں پانچواں نمبر ذکر کیا گیا ہے۔
☆۔صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی صفحہ 117، تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 226، الاستیعاب صفحہ نمبر 120، مدارج النبوت جلد 2 صفحہ 582، حلیۃ الاولیاء جلد 1 صفحہ 211، 241 اور اسد الغابہ لابن الاثیر جلد 1 صفحہ 131 میں ہے کہ: "عن عبد الله قال: كان اول من اظهر الاسلام سبعة: رسول الله صلى الله عليه وسلم، وابوبكر، وعمار، وامه سمية، وصهيب، وبلال، والمقداد"۔ یہاں چھٹا نمبر بیان کیا گیا ہے۔
اور تو اور مدارج النبوت جلد 2 صفحہ 582 میں علامہ شیخ محقق عبد الحق دہلوی کے مطابق حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ مکہ کے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنا اسلام ظاہر فرمایا، چنانچہ شیخ محقق کے مطابق حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اسلام ظاہر کرنے میں پہلا نمبر ہے، حالانکہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اظہارِ اسلام میں پہلا نمبر ہونا ہی اصوب ہے لہٰذا مذکورہ بالا روایات اور شیخ محقق کی عبارت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا اسلامی نمبر کیا ہے؟ لہٰذا اسی روایت کے سابقہ متن کو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے "سابع الاسلام" ہونے کی دلیل بنانا بھی درست نہیں بلکہ "من اظهر الاسلام" کے الفاظ کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ وہاں بھی

صرف اتنا ہی ثابت ہوگا کہ: اسلام کا اظہار کرنے والے پہلے سات افراد میں آپ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں، اور بس۔

(۲)۔ نیز دوسرے قول کے مطابق حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے دوسرے نمبر پر اسلام قبول فرمایا ہے جیسا کہ تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 224، 225 میں حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "اتیت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت : من بايعك على امرك هذا؟ قال: حر وعبد ! يعني ابا بكر وبلالا"۔

یعنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو میں نے پوچھا کہ آپ کے دستِ حق پرست پر اس معاملے میں کس کس نے بیعت کی ہے؟ فرمایا: آزاد اور غلام نے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما تھے۔

اسی طرح تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 225 میں انہی سے روایت ہے کہ: "اتيتَ النبي صلى الله عليه وسلم بعكاظ وليس معه الا ابوبكر، وبلال"۔

یعنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عکاظ کے مقام پر حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما ہی تھے۔

میں کہتا ہوں کہ: حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی پہلی روایت اپنے معنیٰ میں اگرچہ ابن عساکر کی سابقہ روایت سے زیادہ واضح ہے لیکن پھر بھی اس روایت کے الفاظ "حر وعبد" سے یہ مراد لینا ذرا بھی مشکل نہیں کہ: میری

بیعت میں آزاد اور غلام ہر طرح کے افراد ہیں۔ ورنہ یہ روایت ان روایات مشہورہ کے بھی خلاف قرار دی جائیگی جن میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت زید بن حارثہ، اور حضرت مولیٰ علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہم کا بیان ہے۔

اور دوسری روایت سے بھی ثانی الاسلام ہونا قطعی الثبوت نہیں کیونکہ عکاظ کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انہی دو حضرات کا ہونا دوسرے حضرات کے اسلام کی فی الوقت نفی پر دال نہیں، عین ممکن ہے بلکہ امکان سے قطع نظر غالب گمان یہی ہے کہ: راوی کے الفاظ ''عکاظ'' کے مقام پر دوسرے مسلمان حضرات کے وجود کے نافی ہیں نہ کہ اسلام کے۔

لیکن چونکہ ابن عسا کر نے ان دونوں روایتوں کو الگ الگ روایت کیا ہے حالانکہ حق تو یہی ہے کہ: یہ دونوں روایتیں ایک ہی واقعے کے دو حصے ہیں جیسا کہ مستدرک للحاکم جلد 3 صفحہ 498، 499 میں ہے کہ:

''عن عمرو بن عبسة قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم وهو نازل بعكاظ فقلت :من معك على هذا الامر ؟ فقال: رجلان ابوبكر وبلال، فاسلمت ولقد رأيتيني وانا ربع الاسلام''۔

یعنی حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عکاظ کے مقام پر تشریف لائے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: اس معاملے میں آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: دو آدمی: ابو بکر اور بلال،

چنانچہ میں اسلام لے آیا اور بلاشبہ میں یہی سمجھتا ہوں کہ: میں اسلام لانے والا چوتھا شخص ہوں۔

نیز مختصر الفاظ کے ساتھ یہی روایت امام احمد بن حنبل کی ''فضائل الصحابہ'' صفحہ 74 رقم 299 میں بھی مروی ہے چنانچہ فرمایا:

''عن عمرو بن عبسة قال: اتیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ھو وابوبکر وبلال، فلقد رأیتنی لربع الاسلام''

یعنی جناب عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو اس وقت بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ابوبکر وبلال رضی اللہ عنہما تھے اور بلاشبہ میں خود کو چوتھا مسلمان سمجھتا ہوں۔

بہرحال ''حاکم'' کی روایت حیرت انگیز حد تک باعتبارِ متن ابن عساکر کی نقل کردہ سابقہ دونوں روایتوں سے زیادہ قوی اور بالکل واضح تو ہے، جس میں شبہات کا دخل بھی سابقہ دونوں روایتوں سے کم ہے لیکن پھر بھی یہ روایت ورودِ اشکال سے مانع نہیں مثلاً!

☆۔ ''وھو نازل بعکاظ'' کے الفاظ شاہد ہیں کہ: ''علیٰ ھٰذا الامر'' سے مراد اسلام نہیں بلکہ تبلیغِ اسلام کو ہی لیا جائے گا اور اس سے بھی دوسرے اصحاب کا غیر مسلم ہونا لازم نہیں آتا بلکہ تبلیغِ اسلام میں غیر شریک ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔

☆۔ حضرت زید بن حارثہ، مولیٰ علی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہم کا اول المسلمین ہونا بھی ثابت ہے لیکن حاکم کی یہ روایت اس کی بھی نفی کرتی ہے۔

☆۔امام احمد بن حنبل نے"فضائل الصحابہ صفحہ 32 رقم 89"، علامہ سہیلی نے"الروض الانف شرح السیرۃ لابن ھشام" جلد 3 صفحہ 200 اور امام ابو نعیم نے"حلیۃ الاولیاء" جلد 1 صفحہ 211 میں لکھا ہے کہ:"ثم اعتق معہ علی الاسلام قبل ان یھاجر من مکۃ ست رقاب بلال سابعھم"یعنی مکہ سے ہجرت کرنے سے پہلے تک سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ چھ اور غلاموں کو آزاد کروایا ہے جن میں سے ساتواں نمبر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا ہے۔

لہٰذا میں یہ بات کہنے پر مجبور ہوں کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے ثانی الاسلام ہونے پر بھی تسلی بخش دلائل موجود نہیں بلکہ میرے علم کے مطابق حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی کلی یا مجموعی درجہ بندی کا غیر منتقد، واضح اور غیر محتمل ثبوت کسی روایت میں نہیں۔

لیکن ہاں! علامہ ابن حجر الہیتمی نے"اشرف المسائل الی فہم الشمائل" صفحہ 227 میں، نیز امام ملا علی القاری نے"جمع الوسائل فی شرح الشمائل" حصہ 1 صفحہ 260 میں اور اسی کے حاشیہ میں اسی جگہ امام عبد الرؤف المناوی نے حضرت سیّدنا بلال یمنی حبشی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں ایک حیرت انگیز انکشاف فرمایا ہے کہ:"وھو اول من اسلم من الموالی"یعنی آپ رضی اللہ عنہ غلاموں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔

لہٰذا محدثین کے ان مذکورہ بالا اقوال کے پیشِ نظر"اول المسلمین" حضرات کی فہرست اب اس طرح ہوگی کہ!

☆۔مردوں میں حضرت سیّدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ۔

☆۔خواتین میں حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا۔
☆۔بچوں میں سیّدنا مولیٰ علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ۔
☆۔غلاموں میں حضرت سیّدنا بلال یمنی حبشی رضی اللہ عنہ۔
☆۔آزاد کردہ غلاموں میں حضرت سیّدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ۔

یہ ایک نہایت ہی عمدہ اور حیرت انگیز حد تک مسکت اور تسلی بخش تطبیق ہے، نیز اسی طرح کی تطبیق ''تاریخ الخمیس'' جلد 1 صفحہ 525 میں بھی دی گئی ہے۔

چنانچہ اس تطبیق کے سامنے سابقہ دونوں مؤقف مرجوح قرار پائے نیز سابق میں ''فضائل الصحابہ''، ''حلیۃ الاولیاء'' اور ''الروض الانف'' کے حوالے سے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں ''بلال سابعھم'' والا قول پیش کر دیا گیا ہے چنانچہ یہ قول حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی درجہ بندی پر قطعاً بھی دال نہیں بلکہ یہاں سے عتق یعنی آزادی کا ساتواں نمبر ہی مراد لیا جائے گا اور یہی حق ہے، کیونکہ بلاشبہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اپنے آزاد ہونے سے کچھ عرصہ پہلے ہی اسلام لا چکے تھے، اور اس دوران کئی اور حضرات اسلام بھی لائے اور کئی مسلمان غلاموں نے آزادی پائی۔

چنانچہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا ''سابع الاسلام'' یا ''ثانی الاسلام'' ہونا امرِ موہم بلا مؤید ہے جس کی کوئی قوی، ظاہر اور تسلی بخش دلیل موجود نہیں۔

بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کا ''اول المسلمین من الموالی''، ''اول المسلمین من الیمن والحبشہ''، ''اول المؤذن''، ''اول الداخلین فی الجنۃ'' اور حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ''ساتویں نیکی'' ہونا محدّثین کے نزدیک مقبول اور مسلم الثبوت ہے۔

فصل:

ولاء

اس حوالے سے دو باتیں زیرِ غور ہیں!

(i)۔ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی ولاء سے کون کون منسوب ہوا؟

(ii)۔ یہ ولاء کتنی مدت پر محیط رہا؟

(i)۔ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے موالی:

کتبِ سیر وتواریخ میں ہمیں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے چار موالی (آقاؤں) کا ذکر ملتا ہے، وہ یہ ہیں!

(۱)۔ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

(۲)۔ امیہ بن خلف

(۳)۔ ابوجہل

(۴)۔ عبداللہ بن جدعان

چونکہ ان چاروں میں پہلا حق موالاۃ عبداللہ بن جدعان کا، دوسرا اور تیسرا نمبر امیہ اور ابوجہل کا، اور چوتھا اور آخری نمبر سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہے اسی لئے یہاں چند ''لاینحل'' سوال پیدا ہوتے کہ:

☆۔ عبداللہ بن جدعان سے پہلے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کس کی غلامی میں تھے؟

☆۔ عبداللہ بن جدعان کی غلامی میں کیسے آئے؟

لیکن افسوس کہ: اس بارے میں کتبِ سیر وتواریخ بالکل خاموش ہیں۔

نوٹ:

مستند سیرت نگاروں کے مطابق حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے موالی میں ایک نامعلوم عورت کا ذکر بھی ملتا ہے لیکن حق یہ ہے کہ: وہ موالی میں شامل نہیں بلکہ وہ محض وکیلِ بیع تھی، جیسا کہ ہم ان شاءاللہ العزیز آگے بیان کریں گے۔

بہر حال مذکورہ بالا چاروں کی ولاء کے ثبوت پر ہم سابق میں نقل کی گئی تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 223، 224 کی ایک روایت کو ہی کافی سمجھتے ہیں، جس میں بیان کیا جا چکا ہے کہ: عبداللہ بن جدعان نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ اور ابوجہل دونوں کی مشترکہ ملکیت میں ھبہ کیا تھا، نہ کہ صرف امیہ بن خلف کی ملکیت میں یعنی دونوں ہی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے آدھے آدھے مالک ہوئے چنانچہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا بھی ''عبداللہ بن جدعان'' سے خریدنا ثابت نہیں۔

نیز السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 422 میں مزید یوں ہے کہ: عبداللہ بن جدعان نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے بتوں کیساتھ کیے جانے والے سلوک کے کفارے میں بتوں کے نام پر 100 اونٹ بھی قربان کیے اور سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ابوجہل اور امیہ کے بلا معاوضہ بلکہ بطور کفارہ سپرد بھی کر دیا پھر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ابوجہل اور امیہ کی غلامی میں آئے اور ظلم برداشت کرتے بھی لمبا عرصہ نہیں ہوا تھا کہ: سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خرید لیا۔

ازالہء وہم:

اگرچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ابوجہل اور امیہ دونوں کی

بجائے صرف امیہ ہی کا سودا کرنا یہ احتمال پیدا کر سکتا ہے کہ: شاید حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ صرف امیہ ہی کی غلامی میں تھے ابو جہل کی نہیں لیکن حق وہی ہے جو ابن عساکر کی مذکورہ روایت سے مستفاد ہے کہ: ابو جہل بھی اس ملکیت میں برابر کا شریک تھا اور اسی بات کی تائید علامہ ابن حجر عسقلانی نے ''فتح الباری شرح صحیح بخاری'' جلد 4 صفحہ 372 میں کی ہے، فرمایا: ''ان کلا من امیة وابی جهل کان یعذب بلالا ولهما شوب فیه'' یعنی امیہ اور ابو جہل میں سے ہر ایک حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ایذائیں دیا کرتا تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ میں وہ دونوں برابر کے حصے دار تھے۔

ثابت ہوا کہ: واقعی ابو جہل بھی ملکیت میں برابر کا حصے دار تھا تو پھر سوال وہی قائم ہے کہ: مذکورہ روایت میں سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے امیہ سے سودا کرتے وقت ابو جہل کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟

تو اس کا مستند اور متفق علیہ جواب یہی ہے کہ: وہ اس سودے میں شریک نہیں تھا، سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس سے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا سودا الگ موقع پر کیا تھا جس کا بیان دوسری روایتوں میں ہے چنانچہ!

(1)۔ ابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 230 اور الاستیعاب لابن عبد البر صفحہ 121 میں یوں ہے کہ:

''عن نعیم بن ابی هند قال: کان بلال لأیتام ابی جهل، وان ابا جهل قال لبلال: وانت ایضا تقول فیمن یقول، قال: فاخذه فبطحه علی وجهه، وسلقه فی الشمس وعمد الی رحی قد ثقبها فوضعها علیه فجعل یقول احد، فبعث

ابو بکر رجلا کان صدیقا له قال: اذهب فاشتر لی هذا، فاشتری بلالا...... وکان ابوجهل یرید ان یغرمه فاشتراه فاعتقه......الخ"۔

نعیم بن ابی ہند کہتے ہیں کہ: (ایک دن) حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ ابوجہل کی نگرانی میں تھے، اور بلاشبہ ابوجہل حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: تم بھی وہی کہنے لگے جو وہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہتا ہے، (راوی) فرماتے ہیں کہ: پھر اس نے آپ رضی اللہ عنہ کو پکڑا اور آپ رضی اللہ عنہ کے منہ پر تھپڑ دے مارا اور سخت دھوپ میں لٹا دیا اور چکی اٹھا کر آپ رضی اللہ عنہ (کے سینے) پر رکھ دی، تو آپ رضی اللہ عنہ (اس وقت بھی) احد، (یعنی خدا ایک ہی ہے) پکارتے رہے، پھر سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو جو آپ رضی اللہ عنہ کا دوست تھا یہ فرما کر بھیجا کہ: جاؤ اور میرے لئے بلال کو خرید لاؤ تو اس نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید لیا......ابوجہل نے یہ چاہا کہ: خریدنے والے کو گھاٹے میں ڈالے لیکن خریدنے والا خرید چکا تھا چنانچہ (سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے) آپ رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا......الخ۔

میں کہتا ہوں کہ: اس روایت سے ابوجہل سے شراء (خرید) ثابت کرنا ہمارا وہم نہیں بلکہ اسی روایت کو علامہ ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباری شرح صحیح بخاری" جلد 4 صفحہ 472 میں بھی بالاختصار نقل فرمایا اور ساتھ ہی امیہ سے خرید والی مذکور الصدر روایت کو بھی مختصراً نقل فرمایا بعد ازاں یوں فرما دیا کہ:

"ویجمع بین القصتین بأن کلا من امیة وابی جھل کان یعذب بلالا ولھما شوب فیه"

یعنی ان دونوں قصوں کو یوں جمع کیا جائے گا کہ بلاشبہ امیہ اور ابوجہل دونوں ہی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ایذائیں دیا کرتے تھے اور وہ دونوں اس ملکیت میں برابر کے حصے دار تھے۔

یعنی جب ملکیت دونوں کی ثابت ہے تو لامحالہ خرید بھی دونوں سے ہی ہوئی، پہلی بار امیہ سے اور دوسری بار ابوجہل سے، چنانچہ شارح بخاری علامہ ابن حجر کا بھی یہی قول ہے۔

(2)۔امام احمد بن حنبل "فضائل الصحابہ" صفحہ 42 رقم 138 میں فرماتے ہیں کہ:

"جابر بن عبد الله يقول: مر ابوبكر على ابی جھل وھو یعذب بلالا، وھو یقول له: ارتد وبلال یقول: لا احد الا اياه، فقال: ابوجھل لابی بکر: الا تشتری منی اخاك ؟ قال: بكم ؟ قال: بكذا وكذا، قال ابوبکر : فاذا قلت : نعم، فقد جاز لی ؟ قال: نعم، قال: ابوبکر : قد اخذته ثم قال لبلال : اذھب، فانك لمن اسلمت له ...... الخ."

یعنی حضرت ابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ابوجہل کے پاس سے گزرے جو بلال (رضی اللہ عنہ) پر تشدد کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ: اپنے دین سے پھر جاؤ لیکن بلال

(رضی اللہ عنہ) کہتے رہے کہ: اس (اللہ) کے سوا کوئی نہیں، پھر ابوجہل سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بولا: کیا تم مجھ سے اپنے بھائی کو نہ خریدو گے؟ فرمایا: کتنے میں؟ بولا: اتنے اتنے میں، فرمایا: اگر میں کہوں: ہاں! تو کیا یہ میرا ہو جائے گا؟ بولا: ہاں، فرمایا: تو میں نے اسے لے لیا، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے بلال (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا: جاؤ تم اسی کے ہو جس کی خاطر اسلام لائے ہو......الخ۔

غور کریں اس روایت سے بغیر کسی شک وشبہ کے ثابت ہو گیا کہ: سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ابوجہل سے بھی سودا کیا تھا اور یہ سودا اس سودے کے سوا تھا جو آپ رضی اللہ عنہ امیہ سے کر چکے تھے، اور اسی روایت سے ابن عساکر کی ذکر کردہ پہلی روایت کو بھی قوت حاصل ہو گئی۔

روایتوں میں اَشکال:

لیکن ان دونوں روایتوں میں کئی مقامات کا فرق اشکال پیدا کر دیتا ہے مثلاً!

(i)۔ پہلا اشکال یہ ہے کہ: پہلی روایت میں حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سودا کرنے کے لئے واسطہ ءوکالت کا بیان ہے لیکن دوسری روایت میں وکالت نہیں بلکہ حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بنفسِ نفیس خود سودا کرنا ثابت ہے لہٰذا یوں معلوم ہوتا ہے کہ: یہ دو الگ الگ واقعے ہیں ایک نہیں۔

(ii)۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ: پہلی روایت کے ان الفاظ ''وکان ابوجھل یرید ان یغرمہ فاشتراہ'' سے اشارہ یہ ملتا ہے کہ: ابوجہل کی جانب سے بھی بیچنے والا کوئی اور تھا خود ابوجہل نہیں کیونکہ اگر خریداری وہ خود کرتا تو چالاکی دکھاتا اور قیمت بڑھا لیتا یا کسی اور طریقے سے دھوکہ دینے کی کوشش

کرتا، لیکن دوسری روایت میں بذاتِ خود ابو جہل کا بیچنا ثابت ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ: یہ دونوں الگ الگ واقعے ہیں ایک نہیں۔

(iii)۔ تیسرا اشکال یہ ہے کہ: پہلی روایت کا مستفاد یہ ہے کہ خریداری کے سلسلے میں سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ابو جہل سے ملاقات ہی نہیں ہوئی اور دوسری روایت میں ملاقات بالکل واضح ہے، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ: یہ دونوں الگ الگ واقعے ہیں۔

رفعِ اَشکال:

کوئی شک نہیں کہ ابو جہل سے خریداری والی ان دونوں روایتوں میں اشکال موجود ہیں مگر اس کے باوجود ان دونوں روایتوں میں ایک بات تو طے ہے کہ: سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا امیہ بن خلف کے علاوہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ''ابو جہل'' سے خریدنا بھی بلاشبہ ثابت ہے۔

اور رہا اَشکال کا معاملہ! تو انہیں رفع کرنا بھی بالکل ناممکن نہیں تو جب امکانِ تطبیق موجود ہے تو پھر ان میں سے کسی ایک روایت کو بھی محض ان اَشکال کی وجہ سے رد کر دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

چنانچہ الحمد للہ تطبیقِ روایات سے مجھ پر ان اَشکال کا رفع آسان ہوا، اور وہ یوں کہ: سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ''ابو جہل'' کے پاس تشریف لائے جو سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو تکلیف دے رہا تھا، اس نے آپ رضی اللہ عنہ کو خریدنے کی پیش کش کی جسے آپ نے قبول فرماتے ہوئے قیمت کا پوچھا، اس نے قیمت بتائی چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے حامی بھر لی پھر وہاں سے جا کر اپنے ایک دیرینہ دوست کو بھیج دیا جو اس وقت ابو جہل کے گھر پہنچا جب ابو جہل اپنے گھر میں موجود

نہیں تھا اس نے ابو جہل کے گھر والوں میں سے کسی ذمہ دار کو قیمت ادا کر کے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو لے جانا چاہا، گھر والوں کی جانب سے پس وپیش کے باوجود اس نے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا اسی مقام پر خریدنے والے سے ابو جہل کے گھر والوں کی جانب سے قیمت گھٹانے یا بڑھانے پر اصرار نہ کرنے سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ: قیمت پہلے سے ہی طے تھی جیسا کہ دوسری روایت میں بیان ہے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں فوراً آزاد کر کے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں پیش کر دیا، بعد ازاں ابو جہل معاملہ کی خبر پاتے ہی خوب پچھتایا کہ کاش وہ (ابو جہل) قیمت بڑھا ہی لیتا؟ لیکن اس وقت تک سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ خرید کر آزاد بھی کئے جا چکے تھے۔

لیجیے! اب اس تطبیق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مذکورہ بالا دونوں روایتوں کو پھر سے پڑھ لیں کیا کوئی اشکال باقی رہا؟ بالکل نہیں۔ تو ثابت ہوا کہ: دونوں روایتوں میں ایک ہی واقعے کی جانب اشارہ ہے ورنہ خواہ مخواہ ایک روایت کو رد کر دینا بھی نقصان سے خالی نہیں۔

رفعِ ابہام نمبر 1:

مذکورہ بالا دونوں روایتوں میں تطبیق کے باوجود ایک ابہام ہے کہ آخر ابو جہل کے مملوکہ حصے کی قیمت دینے والا اور وصول کرنے والا کون تھا؟ تو اس ابہام واخفاء کے انکشاف میں میرے پاس ''الاستیعاب'' اور ''اسد الغابہ'' میں جناب سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کی جانے والی روایت بھی موجود ہے جس میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ: سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی

طرف سے قیمت ادا کرنے والا وہ دوست عمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیّدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ تھے، اور ابوجہل کی جانب سے بیچنے کا کام جس نے کیا وہ کوئی مرد نہیں بلکہ حیرت انگیز طور پر ابوجہل کی جگہ ایک مجہول الاسم والحال عورت کا ذکر کیا گیا ہے چنانچہ الاستیعاب صفحہ 121 اور اسد الغابہ جلد 1 صفحہ 129 میں ہے کہ:

"عن عطاء الخراساني، قال: كنت عند سعيد بن المسيب فذكر بلالا، فقال: كان شحيحا على دينه فاذا اراد المشركون ان يقاربهم، قال: الله، الله، فلقي النبي صلى الله عليه وسلم ابابكر، فقال: لو كان عندنا مال اشترينا بلالا، قال: فلقي ابوبكر العباس بن عبد المطلب، فقال له: اشتر لي بلالا، فانطلق العباس، فقال لسيدته: هل لك تبيعيني عبدك هذا قبل ان يفوتك خيره وتحرمي ثمنه قال: وما تصنع به؟ انه خبيث،قال: ثمّ لقيها، فقال مثل مقالته فاشتراه العباس فبعث به الى ابي بكر فاعتقه".

''عطاء خراسانی فرماتے ہیں کہ: میں حضرت سعید بن مسیّب کی بارگاہ میں حاضر تھا کہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا ذکرِ خیر شروع ہو گیا، تو فرمانے لگے: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اپنے دین پر بڑی مضبوطی سے جمے ہوئے تھے، جب مشرکین آپ رضی اللہ عنہ کو اذیتیں پہنچاتے تو آپ رضی اللہ عنہ ''اللہ، اللہ'' کہا کرتے تھے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ملے اور فرمایا: اگر ہمارے

پاس مال ہوتا تو ہم بلال کو (ابو جہل سے بھی) خرید لیتے، چنانچہ سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے فرمایا: میری طرف سے بلال کو خرید لو، چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ چلے اور حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی مالکہ سے فرمایا: کیا تو اپنے غلام کو اس کا فائدہ ختم ہونے سے پہلے بیچنا چاہتی ہے تاکہ تو اس کی قیمت سے فائدہ اٹھائے؟ وہ بولی: تم اس کا کیا کرو گے یہ تو کسی کام کا نہیں، چنانچہ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ اس عورت سے پھر ملے اور وہی بات کی اس بار حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو خرید لیا اور انہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں آزاد کر دیا''۔

فائدہ:

ان تینوں مذکورہ روایتوں کو ملانے سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ: ابو جہل سے قیمت کے سلسلے میں بات چیت ہونے کے بعد سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیمت کا بیان کیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا: ''اگر ہمارے پاس مطلوبہ مال ہوتا تو ہم بلال کو خرید لیتے'' یہ سن کر جناب صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گہرے اور دیرینہ دوست جناب عباس رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے کیونکہ آئے دن مسلمان غلاموں کو کفار کی جانب سے منہ مانگے مہنگے داموں خرید کر آزاد کروانے کی وجہ سے جناب سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس مطلوبہ ضروری رقم نہ ہونے کی صورت میں حضرت سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کو اپنی جانب سے بطور قرض خریداری کے لئے وکیل بننے کا مطالبہ فرمایا،

اور خود جانے کی بجائے جناب عباس رضی اللہ عنہ کو ہی بھیج دینے پر اکتفاء کیا، وہاں پہنچنے پر جناب عباس رضی اللہ عنہ کا سامنا ابوجہل کے گھر کی کسی عورت سے ہوا جو شاید اس خرید والے معاملے سے بے خبر تھی اسی لئے اس نے جناب عباس رضی اللہ عنہ کے اصرار کے باوجود پس وپیش سے کام لیتے ہوئے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو بیچنے سے چند ایک دفعہ انکار کر دیا جناب عباس رضی اللہ عنہ واپس سیّدنا صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر معاملہ گو ہوئے، اس بار واپس آ کر اس عورت کو سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ابوجہل والے طے شدہ معاملے سے آگاہ کرتے ہوئے منا لیا، چنانچہ اس عورت نے قیمت وصول کر کے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا اور جناب عباس رضی اللہ عنہ نے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو جناب سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا اور انہوں نے آزاد کر کے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دیا، بعد ازاں ابوجہل گھر پہنچا اور گھر والوں سے معاملے کی اطلاع ملنے کے بعد قیمت نہ بڑھا لینے پر خوب پچھتایا۔

رفعِ ابہام نمبر 2:

ان روایتوں کے پیشِ نظر ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ: آخر کیا وجہ ہے کہ: سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پہلی بار امیہ بن خلف سے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی خریداری خود فرمائی، لیکن دوسری بار جب ابوجہل سے خریدنے کی باری آئی تو ابوجہل سے قیمت طے کر کے خود جانے کی بجائے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا؟

چنانچہ اس کی حتمی وجہ کے بارے میں یقینی طور پر بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا، البتہ

محض چند دلچسپ احتمالات کا ذکر مناسب سمجھتا ہوں تا کہ مذکورہ ابہام کو رفع کرنے میں کچھ مدد مل سکے، مثلاً! شایداس کی کوئی بھی پراسرار وجہ نہ ہواور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا جانا اپنی مرضی سے ہو، یا شاید رقم و وکالت کے حق کی وجہ سے سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کو ہی بھیج دینا مناسب سمجھا گیا ہو۔

یا شاید اس کے پیچھے ایک دلچسپ وجہ مستور ہو جسکی تفصیل یوں ہے کہ:
چونکہ مسلمان غلاموں کو خریدنا کفار اپنے لئے مال کا ضیاع سمجھتے تھے، لیکن اگر بالفرض کوئی خرید ہی لیتا تو قیمت بھی کم وبیش معمولی سی ہی ہوا کرتی تھی کیونکہ اس خریداری کا مقصد بھی استخدام کی بجائے عموماً ظلم وتشدد ہی ہوا کرتا تھا لیکن اگر خریدار سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صورت میں ہو جن کے مسلمان غلاموں کو آزاد کروانے کے شوق میں بے دریغ مال خرچ کرنے کے بارے میں تقریباً سارا عرب ہی واقف ہو چکا ہو، بالخصوص جب امیہ سے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے مملوکہ حصے کو بڑے داموں خریدنے والی بات بھی ابوجہل کو معلوم ہو چکی ہو تو ابوجہل جیسے ہوسِ سیم وزر کے پجاری کے منہ سے رالیں تو ٹپکیں گی ہی۔ گویا وہ بھی اسی تاک میں بیٹھا ہو کہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے متوقعہ بیع کی صورت میں یہ عبدالدنانیر والدراہم بھی اپنے حصہ کی قیمت کئی گنا بڑھا کر مزید مال کمائے، شاید یہی وجہ ہے کہ: ابوجہل سے ایک بار قیمت طے کر لینے کے بعد سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی لالچی طبیعت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے خود جانے کی بجائے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ہی چنا ہو تا کہ ابوجہل اپنی بات سے مکر نہ پائے، اگر واقعی ایسا ہی تھا تو بلا شبہ یہ ایک حکیمانہ فیصلہ تھا اور سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسی زمانہ شناس ہستی اور ذہین شخصیت سے ایسی ہی توقع

ہونی چاہیے تھی اور اسی احتمال کو تقویت ابن عساکر اور الاستیعاب کی روایت سے ملتی ہے جس میں سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے آزاد ہونے کے بعد ابو جہل کے پچھتانے کا بیان ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ: واقعی ابو جہل رقم بڑھانا چاہتا تھا اور سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی وجہ سے جناب عباس رضی اللہ عنہ کو وکیل بنا کر بھیجا تھا۔ لہٰذا احتمال کی یہ صورت متعین ہوئی اور میرے نزدیک بھی اسی کو ترجیح ہے۔

نیز حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وکیل بنانے میں اور بھی کئی حکمتیں آپ رضی اللہ عنہ کے مدِ نظر تھیں کہ:

اولاً! تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس وقت مسلمان نہ ہوئے تھے، یہی وجہ ہے کہ: اس وقت ان کے کفار کے ساتھ اچھے تعلقات تھے۔

ثانیاً! حضرت عباس رضی اللہ عنہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایک مخلص اور امانت دار دوست تھے جن پر اس معاملہ میں بلاشبہ بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔

ثالثاً! حضرت سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ابو جہل سے تعلقات بھی کچھ حد تک بہتر تھے، یہی وجہ ہے کہ: حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لئے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی قیمت کے بہت تھوڑی نہ سہی لیکن معقول ہونے کی سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امیدِ واثق تھی اور ایسا ہی ہوا، لیکن دوسری طرف اگر یہ خریداری بذاتِ خود سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہی طے پاتی تو بلاشبہ یہ قیمت کئی گنا بڑھا دی جاتی یا پھر یہ بیع ہی شرمندہءِ تعبیر نہ ہو پاتی۔

نیز یہی وجہ ہے کہ: حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ابو جہل کا انتظار کرنے کی بجائے اس عورت سے ہی سودا کر لینے میں بہتری سمجھتے ہوئے جلدی دکھائی۔

بہر حال ان تمام وضاحات سے یہ بات طے ہوگئی کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی خریداری کے لئے دو مرتبہ سودا ہوا ہے، ایک مرتبہ امیہ کے ساتھ جو بذاتِ خود سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا اور دوسری مرتبہ ابوجہل کے ساتھ جس میں دونوں طرف سے فریقین بالوکالت شریکِ کار تھے۔

ازالہ وہم:

مذکورہ بالا روایت کے مطابق ابوجہل کی جگہ بیچنے کا کام جس عورت نے کیا، اس میں اس عورت کا کوئی بھی حال یا تعارف موجود نہیں، مجھے اس بارے میں کوئی حتمی اور جامع مانع کلام نہیں ملا۔ البتہ قرائن وشواہد اشارہ دیتے ہیں کہ: وہ ابوجہل کے لئے اتنی اہمیت کی حامل تو ضرور ہوگی جسے غلاموں کی بیع وشراء میں تصرف کا اختیار بھی حاصل رہا ہوگا جس سے ذہن اسی طرف جاتا ہے کہ: شاید یہ کام اس کی بیوی، محبوبہ باندی یا بہن کا ہو۔

لیکن بے حد تعجب کی بات ہے کہ: الاستیعاب کی اسی روایت کو مدارج النبوت جلد 2 صفحہ 582 میں شیخ محقق نے بھی بلا حوالہ بیان فرمایا لیکن اس میں مذکورہ بالا ''مجہول الحال'' عورت کے بارے میں بڑے ہی واضح الفاظ کے ساتھ ''زنِ امیہ بن خلف'' یعنی امیہ بن خلف کی بیوی لکھ دیا، پھر اس پر کسی قسم کا تنقیدی کلام بھی نہیں فرمایا، اور نہ ہی ان الفاظ کو اپنی جانب منسوب فرمایا اور نہ ہی اس میں کلام کو محتمل یا متقدر رکھا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ: شیخ محقق کے نزدیک اس روایت میں بھی امیہ کی بیوی کے واسطے سے امیہ سے ہی خریدنا ثابت ہوتا ہے ابوجہل سے نہیں، حالانکہ شیخ محقق خود اس روایت کو ذکر کرنے سے پہلے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا امیہ سے آمنے سامنے کالے غلام کے بدلے حضرت

سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا سودا کرنا بھی بیان کر چکے ہیں، اور اس پریشانی کی سب سے بڑی وجہ شیخ محقق کا اس مجہول الحال عورت کو ابوجہل کی بجائے امیہ بن خلف کی بیوی بیان کر دینا ہے، چنانچہ اس عجیب صورتِ حال کی وجہ سے میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ: شیخ محقق کی یہ عبارت میرے نزدیک اس وجہ سے بھی محلِ نظر ہے کہ: شیخِ محقق نے اس مجہول الحال عورت کو امیہ کی بیوی قرار دینے کا کوئی ماٴخذ بیان نہیں فرمایا، ساتھ ہی ساتھ یہ مراد ہماری پیش کردہ روایات میں موجود شواہد اور اشارہ جات کے بھی خلاف ہے اور کئی مستند کتب کے بنظرِ عمیق مطالعہ کے باوجود ہمیں ایسا کچھ بھی نہیں ملا۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ: شاید یہ شیخِ محقق کی اپنی تاویل ہے، اور اگر واقعی ایسا ہے تو یہ تاویل تطبیق وقرائن سے ہٹ کر ہے جس سے ہمیں دونوں طرح کی سابقہ روایتوں میں سے ایک کو بلاوجہ چھوڑ دینا لازم آئیگا، کیونکہ جب ایک مرتبہ امیہ سے خرید لیا تو دوسری بار بھی امیہ سے ہی خریدنے کا کیا مطلب؟ اور پھر اس مرتبہ خود جانے کی بجائے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بھیجنے میں کیا حکمت؟ اور جیسا کہ میں سابق میں ذکر کر چکا ہوں کہ: اس پریشانی کی اصل وجہ صرف اور صرف شیخ محقق کا اس نامعلوم عورت کو ''امیہ'' کی بیوی قرار دینا ہے اور بس۔

چنانچہ جب دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ: ایک روایت کے مطابق سیّدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود جا کر امیہ سے سودا کیا جیسا کہ مستند کتب کے حوالے سے بیان ہو چکا اور یہ روایت تو مدارج النبوت میں بھی موجود ہے تو پھر خود بخود شیخِ محقق کی دوسری مؤول روایت جس میں ابوجہل کی بجائے ''امیہ بن خلف'' کی بیوی سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سودا کرنے کا بیان ہے وہ

قابلِ ترک قرار پائے گی، ورنہ کئی طرح کے لاینحل سوالات پیدا ہو جائیں گے۔اور اسی طرح اگر مؤخر الذکر ''امیہ'' کی بیوی والی شیخ محقق کی بیان کردہ اس روایت کو تسلیم کرلیا جائے تو اول الذکر روایت کا ترک لازم آئے گا، جسے اہلِ علم نے شہرت کے ساتھ روایت کیا، چنانچہ اس کشمکش، خواہ مخواہ کی تکلیف اور ترکِ روایت سے بچنے کے لئے ہمیں امیہ بن خلف کی بیوی والی بات کو ترک کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، اس کے علاوہ ہر طرح کی منقولہ متداورہ روایات پر اعتماد کرتے ہوئے تطبیق کو اپنایا گیا ہے جو قرینِ قیاس کے مطابق بھی ہے، لہٰذا میرے نزدیک ترجیح اسی کو ہے کہ: یہ سودا دو بار ہوا اور دوسری مرتبہ امیہ بن خلف کی نہیں بلکہ ابوجہل کے گھر کی کسی عورت کے ذریعے ہوا، جس کا بقیہ حال معلوم نہیں، چنانچہ اس سلسلہ کی تمام روایات میں عمیق نظری سے یہی سب کچھ ظاہر ہوتا ہے۔

......واللّٰہ اعلم ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ......

(ii)۔ولاء کی مدت:

مدتِ ولاء کی تعیین ایک مخفی اور مشکل امر ہے لیکن روایتِ مذکورۃ الصدر سے معلوم ہوتا ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ عبداللہ بن جدعان کی ولاء میں امیہ اور ابوجہل کی نسبت بہت زیادہ دیر رہے لیکن معلوم نہیں کتنا عرصہ؟ نیز امیہ بن خلف اور ابوجہل کی ولاء میں گنتی کے چند ہفتے ہی رہے حالانکہ دورِ حاضر کے سیرت نگاروں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ:

''حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے آقا امیہ بن خلف جمحی کی غلامی میں اپنی زندگی کے 28 برس گزار دیئے''

جدید سیرت نگاروں کے دوسرے دعووں کی طرح یہ دعویٰ بھی بلا دلیل اور

باطل ہے، میں نے اس پر حتی الوسع کوشش کی لیکن کسی ٹھوس حوالے یا مستند دلیل پر مطلع نہیں ہوسکا، بلکہ تمام شواہد اس کے خلاف ہی اشارہ دیتے ہیں چنانچہ مدتِ ولاء میں سب سے کم عرصہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا شاید چند ساعتیں یعنی ادھر خریدا اور ادھر آزاد بھی کر دیا۔ لہٰذا ان چاروں میں عرصہ ولاء کی سب سے زیادہ مدت عبداللہ بن جدعان کے حصہ میں ہی آئی نہ کہ: امیہ بن خلف کے، اور سب سے کم مدت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے، لیکن سبحان کہیے! کہ: سب سے کم مدت کی ولاء کے باوجود سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو "مولیٰ ابی بکر الصدیق" ہی کہا جاتا ہے۔

ازالہ وہم:

بڑے تعجب کی بات ہے کہ: مدارج النبوت جلد 2 صفحہ 582 میں شیخِ محقق نے حضرت سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعے ہونے والے سودے کی روایت میں یہ الفاظ ذکر فرمائے ہین کہ:

> "سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیّدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما سے ملے اور ان سے کہا کہ: میرے لئے بلال کو خرید لیجیے اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ امیہ کی بیوی کے پاس گئے کیونکہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ "امیہ بن خلف" اور اس کی بیوی کے متبنیٰ (یعنی منہ بولے بیٹے) یا لے پالک تھے"۔ (انتھیٰ)

چنانچہ شیخ محقق کی قدر و منزلت سر آنکھوں پر لیکن اس روایت میں ذکر کئے جانے والے لفظ "متبنیٰ" سے ہمیں اختلاف ہے، حالانکہ ہم سابق میں اس کے خلاف اچھی خاصی بحث کر چکے ہیں، اس کے باوجود کئی وجھوں سے متبنیٰ والی

بات محلِ نظر ہے، مثلاً!

(i)۔ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا امیہ سمیت کسی کا بھی لے پالک بیٹا ہونا کسی بھی مستند کتاب میں اشارتاً بھی ہماری نظروں سے نہیں گزرا۔

(ii)۔ متبنیٰ والی بات روایاتِ متوارثہ، مشہورہ منقولہ کے بھی صریح خلاف ہے، ورنہ شیخ محقق کے قول کو تسلیم کر لینے کی صورت میں کئی مستند کتب کی مقبول روایات کا ترک لازم آئے گا، جیسا کہ سابق میں ذکر کی جانے والی عبداللہ بن جدعان کی طویل روایت اور اس جیسی دوسری روایات۔

(iii)۔ متبنیٰ والی بات ظاہر حال کے بھی خلاف ہے، یعنی عبد اللہ بن جدعان نے جس صورتِ حال کے پیشِ نظر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ وغیرہ کے حوالے کیا تھا کیا اس سے کسی کو بھی ایسا لگتا ہے کہ: امیہ نے جاتے ہی آپ رضی اللہ عنہ کو گود لے لیا ہوگا یا منہ بولا بیٹا بنالیا ہوگا؟ پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے امیہ سے ایسی توقع حیرت انگیز حد تک مردود ہے۔

(iv)۔ شیخ محقق نے متبنیٰ والی بات کا خود بھی کوئی مصدر یا مأخذ ذکر نہیں فرمایا۔

(v)۔ متبنیٰ والی بات کو جس روایت کے متن میں ملا کر بیان کیا گیا ہے، کافی چھان بین کے باوجود مجھے دیگر کتب میں بیان کردہ اسی روایت کے اندر یہ الفاظ کہیں بھی نہیں ملے۔

چنانچہ معاف کیجیے گا! شیخ محقق کی ''متبنیٰ'' والی بات کو قابلِ ترک قرار دینے کے لئے مجھے مذکورہ بالا وجوہات کافی وشافی معلوم ہوتی ہیں۔

......واللہ اعلم ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم ......

فصل:

تشدد

اس بارے میں بھی چند باتیں قابلِ غور ہیں!

(i)۔کفار نے کیا کیا ظلم ڈھائے؟

(ii)۔اس ظلم میں کون کون شامل رہا؟

(iii)۔یہ سلسلہ کب تک چلتا رہا؟

(i)۔کفار کے مظالم:

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو دی جانے والی سخت سزائیں مختلف طرح کی تھیں، جن کو مختلف کتب مثلاً!

"مستدرك للحاكم، صفة الصفوة، طبقات ابن سعد، سير اعلام النبلاء، السيرة الحلبيه، تاريخ الاسلام، تاريخ ابن عساكر، استيعاب، الاصابه، اسد الغابه، تهذيب التهذيب، معرفة الصحابه، سبل الهدىٰ والرشاد، جامع الآثار لابن ناصر الدين الدمشقي"

میں بیان کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیں!

☆۔دھوپ کی سخت گرمی میں لوہے کی ذرہ پہنادی جاتی۔

☆۔گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کو تھمادی جاتی، وہ آپ رضی اللہ عنہ کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتے۔

☆۔ننگے بدن پر کوڑے برسائے جاتے۔

☆۔ چہرے پر تھپڑ مارے جاتے۔

☆۔ نسل اور غلامی کے طعنے سنائے جاتے۔

☆۔ ماں باپ کو گالیاں دی جاتیں۔

☆۔ سخت دھوپ میں ننگے بدن لٹا کر اوپر بھاری چکی یا پتھر رکھ دیا جاتا۔

☆۔ آپ رضی اللہ عنہ کو لٹا کر اوپر پتھروں کا ڈھیر لگا دیا جاتا۔

☆۔ بھوکا پیاسا رکھا جاتا۔

☆۔ منہ میں کتے کا پاخانہ داخل کیا جاتا۔

☆۔ آگ جلا کر انہیں اوپر لٹا دیا جاتا۔

☆۔ سخت گرمی میں گائے، بیل یا اونٹ کی کھال میں لپیٹ دیا جاتا۔

☆۔ رسیوں سے باندھ دیا جاتا۔

☆۔ ہاتھوں اور پاؤں پر میخیں گاڑھ دی جاتیں۔

☆۔ مار مار کر دینِ حق کو ترک کرنے کا کہا جاتا۔

☆۔ قتل کی دھمکیاں دی جاتیں۔

....

انکشاف:

''سخت مظالم کے باوجود سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی اور کفار کی جانب سے آپ رضی اللہ عنہ کو بیچ دینے کی دلچسپ وجہ!''

سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے فوراً بعد ہی سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ انہیں آزاد کروانے کی کوشش میں لگ گئے لیکن کفار مسلمانوں کو سزائیں دینے میں اتنے شائق تھے کہ: انہیں بیچنے پر شرارتاً راضی نہ ہوئے اور وہ چاہتے تھے کہ: اپنے دوسرے غلاموں کے سامنے انہیں سزائیں دی جائیں تا کہ کوئی غلام بھی آئندہ دینِ حق قبول کرنے کی جرأت نہ کر سکے لہٰذا سیّدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ظلم وتشدد کے پہاڑ توڑے جانے لگے لیکن آپ رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے بس ''احد، احد'' کی صدائیں ہی اٹھتیں کبھی کفار سے پانی، کھانے، آرام وسکون یا رحم کی فریاد نہیں فرمائی، اس پر متعدد روایات شاہد ہیں چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ ہی کا عزم واستقلال دیکھ کر امیہ بن خلف کے بیٹے صفوان کے ایک غلام ''جناب ابوفکیہہ افلح'' پر (جن کا مختصر حال سابق میں بیان کیا جا چکا ہے) جنہیں بعض مؤرخین نے ''ابوفکیہہ یسار'' بھی لکھا ہے اسلام کی صداقت کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ اسلام قبول کر لیا چنانچہ علامہ ابن الاثیر نے الکامل فی التاریخ جلد 1 صفحہ 589 میں لکھا ہے کہ: امیہ بن خلف حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سمیت حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ کو بھی اسلام لانے کی وجہ سے بہت مارا کرتا تھا حتیٰ کہ امیہ بن خلف کا بھائی ابی بن خلف پاس کھڑا ہو کر امیہ کو تشدد پر مزید ابھارتے ہوئے کہا کرتا کہ انہیں اتنا مارو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پتہ چلے اور وہ آ کر اپنے (معاذ اللہ) جادو سے انہیں چھڑا کر دکھائے، چنانچہ یہ سخت مظالم

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ جیسی مضبوط اور سخت جان شخصیت کو تو کلمہ حق کہنے سے روک نہ پائے، لیکن حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ تشدد کی تاب نہ لا سکے اور کئی دن تک نیم مرگ حالت میں پڑے رہے جس کی خبر پاکر سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خریدنے میں کوشش فرمائی اور کفار نے بھی مار کر انکی قیمت ضائع کرنے سے بیچ کر مال کمانے کو ہی بہتر سمجھا چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں امیہ بن خلف سے خرید کر بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کر دیا لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسی طرح برابر ظلم وتشدد برداشت کرتے رہے جس کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ کے پایہء استقلال میں کوئی لغزش واقع نہیں ہوئی آپ رضی اللہ عنہ کی قوتِ برداشت کے چرچے ہونے لگے اور دوسرے غلاموں میں بھی اس جام کو پینے کی تمنا دم مارنے لگی چونکہ حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے مشرک گھبرا چکے تھے وہ سمجھ چکے تھے کہ: بلال جب تک ہم میں موجود رہے گا اس کا استقلال دیکھ کر دوسرے غلاموں پر بھی اسلام کا اثر پڑ سکتا ہے لہٰذا انہوں نے بالآخر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو بھی بیچ کر مال کمانے میں ہی عافیت سمجھی اور حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خریدنے کی پیش کش کر دی جیسا کہ ابن عساکر میں ہے چنانچہ اس موقع کو غنیمت پاکر سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی کفار سے خرید کر آزاد کر دیا۔

ازالہ وہم:

بعض حضرات تشددات کی اس فہرست پر ایک اور تشدد خود بھی کر جاتے ہیں یعنی انہیں گمان بلکہ یقین ہے کہ: "امیہ جلتے ہوئے کوئلے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی زبان پر رکھ دیا کرتا تھا چنانچہ اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کی زبان سے

کلمات کی ادائیگی صحیح نہیں ہو پاتی تھی''، لیکن یہ درست نہیں ہے، بلکہ روایت ودرایت کے خلاف بھی ہے اور کتبِ معتمدہ سے بھی ہمیں ایسی کوئی بات نہیں ملی۔

بلکہ اگر ہم محض اس فضول اور بے دلیل بات کو مان ہی لیتے ہیں تو اس کتاب کے لکھنے کا ہمارا مقصد ہی فوت ہو جائے گا حالانکہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ فصیح اللسان تھے جس پر ان شاء اللہ العزیز ہم ایک مقام پر تفصیلی کلام بھی کریں گے۔

....

(ii)۔متشدّدین (تشدد کرنے والے):

صحیح بخاری صفحہ نمبر 303، 304 رقم 1889 میں روایت کیا گیا ہے کہ:
حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کچھ کافروں پر یوں لعنت فرمائی: "اللھم العن شیبۃ بن ربیعۃ، وعتبۃ بن ربیعۃ، وامیۃ بن خلف" یعنی اے اللہ: شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت فرما۔

سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو زیادہ تر ستانے کا کام انہی کافروں کا تھا لیکن حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو سزائیں دینے والے بقیہ افراد کے تفصیلی ناموں کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ پر ظلم کرنے والے صرف امیہ بن خلف یا عتبہ یا شیبہ ہی نہیں تھے بلکہ امیہ کا بھائی ابی بن خلف اور عرب کے اسلام مخالف دیگر نامی گرامی سردارانِ کفر بھی شامل رہے، جن میں ایک بڑا نام "ابو جہل ملعون" کا بھی ہے جیسا کہ تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 230 اور "الاستیعاب" صفحہ 121 میں ہے۔

ازالہ وہم:

بعض بلکہ قریب قریب سبھی واعظین حضرات جناب سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ پر تشدد کرنے والوں کی فہرست میں ایک اضافہ سیّدنا فاروق اعظم کے نام کا بھی کرتے ہیں لیکن مجھے کافی تلاش کے باوجود ایسی کوئی بات نہیں ملی بلکہ انصاف اور حق یہی ہے کہ: یہ کئی وجھوں سے فاسقہ مخالفِ روایت ودرایت اور قابلِ تردید بھی ہے چنانچہ!

(ا)۔ زمانہء کفر میں سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی تھی محض اسے ہی اسلام لانے کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ مارا کرتے تھے، اور اسے بھی

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہی خرید کر آزاد کیا تھا، جیسا کہ الکامل فی التاریخ لابن الاثیر جلد 1 صفحہ 589 اور موسوعۃ السیر للصلابی جلد 4 صفحہ 19 میں ہے۔

(۲)۔ نیز ابونعیم کی حلیۃ الاولیاء جلد 1 صفحہ نمبر 206 اور ابن ناصر الدین الدمشقی کی جامع الآثار جلد 3 صفحہ نمبر 1478 میں "شعبی" کی نقل کردہ روایت سے ہم اقتباس پیش کرتے ہیں کہ: "حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے سؤال کیا کہ: مشرکین آپ کو کیسی سزائیں دیا کرتے تھے؟ پاس ہی حضرت خباب رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، عرض کیا: اے امیر المؤمنین! میری کمر دیکھ لیں، وہ میرے لئے آگ جلا کر مجھے اس کے اوپر لٹا دیتے تھے اور وہ آگ میرے نیچے ہی بجھتی تھی"۔

ان شواہد سے معلوم ہوا کہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ پر تشدد میں حصہ نہیں لیا ورنہ یہ سوال ہی نہ کرتے کہ: مشرکین کیسا کیسا تشدد کیا کرتے تھے؟

......واللّٰہ اعلم ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ......

(iii)۔ تشدّد کی مدت:

چنانچہ اب سوال یہ باقی ہے کہ: امیہ بن خلف وغیرہ کی غلامی اور شدید تشدد میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کتنے عرصہ تک مبتلا رہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے کہ: جس کے جواب میں بھی کئی طرح کی کہانیاں گھڑ لی گئی ہیں، بعض کہتے ہیں "کئی سال"، بعض نے "بغیر کسی وقت" کی قید کے مطلق رکھا لیکن ان کے کلام کرنے کے انداز سے بھی ان کی مراد کا پتہ چلتا ہے کہ: وہ بھی اس عرصے کو

''کئی سالوں'' پر محیط مانتے ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ: کسی بھی روایت میں مہینوں یا سالوں کا بیان نہیں کیا گیا بلکہ سرے سے وقت کا بیان ہی نہیں کیا گیا لیکن منقولہ ومعتمدہ روایتوں کو جوڑنے سے ایک بات ضرور واضح ہو جاتی ہے کہ: یہ سلسلہ کچھ عرصہ پر مشتمل تھا جو کم از کم اور زیادہ سے زیادہ ایک دو ماہ پر ہی محیط ہو سکتا ہے نہ کہ سالوں پر، جیسا کہ ابن عساکر کی ''عبداللہ بن جدعان'' والی مذکورہ بالا روایت میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ اس سلسلے میں ہمارے نزدیک دو باتوں کو ہی ترجیح ہے!

(۱)۔ یہ سب تشددات ایک یا دو دن میں نہیں ہوئے۔

(۲)۔ یہ سب تشددات سال پر بھی مشتمل نہیں تھے۔

(۱)۔ ہمیں تسلیم ہے کہ: یہ ساری سزائیں ایک یا دو دن میں نہیں دی گئیں کیونکہ: مختلف روایات میں کفار کی جانب سے دی جانے والی سزاؤں کا اگر شمار کیا جائے تو اس سے یہ ماننا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ: وہ ساری سزائیں اور تشددات ایک یا دو دن میں دے دیئے گئے ہوں گے چنانچہ ان تمام تشددات اور مظالم کو مذکورہ بالا فہرست کی صداقتِ روایت کے لئے بقدرِ ضرورت عرصہ درکار ہے اور یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ: تشددات کا یہ دورانیہ کتنے عرصہ کو محیط تھا؟ البتہ اتنا کم بھی نہیں تھا کہ: مظالم کا اطلاق ہی ناممکن سا لگے اسی لئے ہم نے اس کا دورانیہ ایک یا دو ماہ یعنی کئی ہفتوں پر ہی محیط مانا ہے۔ لیکن یہ ہفتے کتنے تھے؟ انتہائی معذرت کیساتھ عرض ہے کہ ہم بلا دلیل وقرینہ اس ابہام کو یقینی طور پر رفع نہیں کر سکتے۔

(۲)۔ نیز ہم یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ: یہ سلسلہ ایک سال تک بھی نہیں

چلا اسکی پہلی وجہ تو روایت کے الفاظ اور سیاق وسباق ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ: تسلیم شدہ قول کے مطابق حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا گھر بھی قبیلہ بنوجمح میں ہی واقع تھا اور حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا بھی آپ رضی اللہ عنہ کے علم میں تھا لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ: سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ پر ظلم کی کانوں کان خبر تک نہ ہوئی؟ اور اگر خبر تھی تو پھر کیسے ممکن ہے کہ: آپ رضی اللہ عنہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو کئی مہینے یا کئی سال تک تشدد برداشت کرتا دیکھتے رہے ہوں اور کوئی پیش رفت ہی نہ کی ہو، حالانکہ اہلِ اسلام میں سے بالخصوص سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس معاملے میں زیادہ حساس واقع ہوئے ہیں جہاں کہیں ایسی خبر ملتی فوراً اس میں خلاصی کی کوشش فرماتے، ساتھ ہی ساتھ اگر روایت کے الفاظ پر بھی غور کیا جائے تو بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ: عبداللہ بن جدعان کے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ وغیرہ کے حوالے کردینے سے لے کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خرید کر آزاد کردینے تک زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ: اس بارے میں کچھ بھی یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ: یہ عرصہ کتنے دنوں پر محیط تھا لیکن نہ تو اتنا کم تھا کہ: شدتِ مظالم کی مذکورہ کاروائی ہی تسلیم کرنا مشکل ہوجائے اور نہ ہی اتنا زیادہ تھا کہ: روایات کے سیاق وسباق کو سمجھنا ہی ناممکن ہوجائے۔

واضح ہو کہ: ہمارے اس موقف میں بالدلیل اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔

ازالہء وہم:

ہماری سابقہ تحقیق سے ایسا وہم ہوسکتا ہے کہ: ''شاید حضرت سیّدنا بلال رضی

اللہ عنہ کو کفار کی جانب سے دیے جانے والی سزاؤں کا سلسلہ آپ رضی اللہ عنہ کی آزادی پر ہی ختم ہو گیا تھا'' لیکن حق کچھ اور ہی ہے چنانچہ ہمارے پاس تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 229 کی ایک ایسی روایت بھی موجود ہے جس سے یہ بالکل ظاہر ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ پر سزاؤں کا سلسلہ آزادی کے بعد بھی چلتا رہا بلکہ جب تک مکہ میں رہے، مشرک جب چاہتے تکلیفیں دینا شروع کر دیتے اور فقط آپ رضی اللہ عنہ تنہا ہی نہیں بلکہ دوسرے مسلمان صحابہ پر بھی ظلم وتشدد کیا جاتا رہا یہاں تک کہ: ہجرت کا حکم آیا، چنانچہ ابن عساکر حضرت مسلم بن صبیح رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ہماری تعداد بڑھ گئی ہے، اگر آپ ہم میں سے ہر دس افراد کو حکم دیں تو وہ رات کے اندھیرے میں قریش کے ایک ایک سرغنے کو پکڑ کر قتل کر دیں، تو سارے علاقے ہمارے لئے صاف ہو جائیں گے، یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند آئی یہاں تک کہ: (پسندیدگی کے) یہ آثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ کے چہرہ مبارک پر بھی نظر آنے لگے، تو حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہمارے بیٹوں، ہمارے آباؤ اجداد اور ہمارے بھائیوں کا کیا ہوگا؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مشورے کو رد فرما دیا، اور اس بار کی ناپسندیدگی کا اثر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے مبارک پر نظر آنے لگا اور پہلی بات کو چھوڑ

دیا، تو رات ہوتے ہی ہمیں مشرکوں نے پکڑ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ پر ہی کلمہ حق کہنا مشکل کر دیا گیا سوائے بلال کے، جو سخت حالات میں بھی ''احد''، ''احد'' کہا کرتے تھے''۔

فائدہ:

اس روایت میں کئی ایسے شواہد ہیں جن سے یہ جاننے میں بغیر تکلف مدد مل جاتی ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو آزادی کے بعد بھی کافر ستایا کرتے تھے، چنانچہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے اور آزاد ہونے کے تھوڑی دیر بعد تک صحابہ کی تعداد میں کچھ حد تک اضافہ ہوا تھا لیکن یہ اضافہ کھلم کھلا لڑائی کرنے کے لئے کافی نہیں تھا، اسی لئے رات کے لمحات میں حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔

اس تمام تفصیلات سے قطع نظر! اس روایت سے ثابت ہو گیا کہ: جب یہ پروگرام بنا گیا اس وقت حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ بھی ان میں موجود تھے جس سے لامحالہ بداہتاً یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ: آپ رضی اللہ عنہ اس وقت آزادی کے لمحات گزار رہے تھے، چنانچہ اسی وجہ سے مذکورہ روایت سے اس سلسلے میں کئی طرح کا مفہوم مراد لیا جا سکتا ہے، یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ: یہ منصوبہ اس وقت بنایا گیا ہو جب حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف سے خرید کر آزاد کر دیا گیا ہو لیکن چونکہ ابو جہل کی ملک ختم نہ ہوئی تھی اس لئے کفار نے دوسرے اصحاب کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھی پکڑ لیا ہو پھر ابو جہل کے حوالے کر دیا ہو اور مذکورہ روایت میں مذکورہ بیانِ تشدد اسی سے متعلق ہو، یہ صورت محلِ امکان سے خالی نہیں۔

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ: یہ منصوبہ اور تشددات کا قصہ مکمل آزادی کے بعد عمل میں آیا ہو یعنی جب آپ رضی اللہ عنہ کو امیہ اور ابوجہل سے خرید کر آزاد کر دیا گیا تو یہ تکلیفیں مکمل آزادی کی حالت میں اچانک پکڑ کر دی جاتی ہوں اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ تشددات کا یہ سلسلہ ایک بار کی بجائے وقتاً فوقتاً جاری رہا ہوگا، اس صورت میں یہ بھی لازم آیا کہ یہ سلسلہ ہجرت تک ختم ہی نہیں ہوا ہوگا، یعنی جب بھی کفار قابو پاتے ظلم وستم اور تکلیفوں کے پہاڑ توڑ ڈالتے۔

چنانچہ ان مذکورہ بالا بیان کردہ صورتوں میں سے کچھ بھی غیر ممکن نہیں، بلکہ اس سے تو ہمارے سابقہ مدتِ ولاء والے مؤقف کو بھی مزید تقویت مل جاتی ہے، اور پھر اس پر تو کسی کو انکار بھی نہیں کیونکہ یہ سب کچھ ظاہر حال سے ہی ثابت ہے یہی وجہ ہے کہ میں یہاں مزید تفصیلات کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

......واللہ اعلم ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم ......

باب

(روایاتِ خرید میں اختلافات)

اختلاف نمبر ۱:

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو کس نے خریدا؟ اس میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں البتہ وکالت میں اختلاف ہے یعنی آیا خریداری خود سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بغیر وکالت کی ہے یا وکالت کے ساتھ؟ بیشتر روایتوں میں بغیر وکالت خریداری کا ذکر ہے یعنی اکثر روایات میں آتا ہے کہ: یہ کام سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود ہی انجام دیا لیکن ابن عساکر اور استیعاب وغیرہ میں یوں بھی ہے کہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جان حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف سے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی خریداری کے لئے بھیجا۔ اور ابن عساکر کی ہی ایک دوسری روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ نے یہ کام اپنے کسی نامعلوم دوست سے لیا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ: ان سب روایتوں میں کوئی بھی تضاد یا تقابل نہیں ہے بلکہ سابق میں ہم نے الحمدللہ تطبیق دے دی ہے اور مذکورہ دوست بھی کوئی اور نہیں بلکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہی تھے لہٰذا موٴخر الذکر دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں۔

کیونکہ جن روایتوں میں یوں ہے کہ: سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بذاتِ خود جا کر سودا کیا اور قیمت ادا کی ہے تو حق یہی ہے کہ: یہ صورت ''امیہ'' سے پیش آئی، اور جن روایتوں میں ہے کہ: آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی دوست یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعے یہ سودا کیا تھا تو یہ صورتِ حال ابوجہل سے پیش آئی جیسا کہ ابن عساکر وغیرہ میں ہے، کیونکہ میں سابق میں ثابت کر چکا ہوں کہ اکیلا امیہ ہی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا آقا نہیں تھا بلکہ اس میں ابوجہل بھی برابر کا حصے دار تھا، نیز روایات سے یہ بھی ثابت ہو چکا

ہے کہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے علیحدہ علیحدہ دونوں سے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا سودا کیا تھا، یعنی پہلے امیہ سے خریدا تو آدھے مالک بنتے ہی انہیں آزاد کر دیا اور ابوجہل سے خریدتے ہی دوسری آدھی ملکیت کے بعد بقیہ بھی آزاد کر دیا۔ جیسا کہ سابق میں وضاحت کے ساتھ ذکر کیا جا چکا ہے۔

اختلاف نمبر 2:

اسی طرح بعض روایات ایسی بھی ہیں جن میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو سیّدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خریدنے سے متعلق کسی سے بھی کسی قسم کی مشاورت کا کوئی ذکر نہیں ملتا"۔

اور ابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 228 وغیرہ کی ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ: سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امیہ نے کہا تھا کہ: بلال کو ہم سے خریدلو۔

اور ابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 229 اور الاستیعاب وغیرہ کی بعض دوسری روایتوں میں آتا ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو خریدنے کی خواہش کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکماً اظہار فرمایا تھا، میں کہتا ہوں ان روایتوں میں بھی کوئی اختلاف نہیں، تطبیق سابق میں گزر چکی۔

چنانچہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کر دیا اور بارگاہِ رسالت میں لے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الشركة يا ابا بكر؟" اے ابوبکر مجھے بھی اس میں شریک کرلو! عرض کیا: حضور! میں تو اسے آزاد کر چکا ہوں، فرمایا: "بارك الله لك، وآجرك الله عزوجل" اللہ تمہیں برکت دے اور اللہ تمہیں اجرِ عظیم عطاء فرمائے!۔

اختلاف نمبر 3:

بعض روایات میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے عوض جس غلام کو دیا

گیا اس کا نام ''فسطاس'' اور بعض روایتوں میں ''قسطاس'' حتی کہ بعض دوسری روایتوں میں ''نسطاس'' بھی بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ ابن عساکر، السیرۃ الحلبیہ، جامع الآثار للدمشقی، فتح الباری، سیرت ابن ہشام وغیرہا میں ہے۔

نام کے آغاز میں ''ف''، ''ق'' اور ''ن'' کا فرق یہ احتمال پیدا کرتا ہے کہ: شاید یہ کسی دور میں کاتبوں کی غلطی سے ایسا ہوا ہو اور یہ عین ممکن ہے۔

اختلاف نمبر 4:

نیز حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی قیمتِ خرید سے متعلق روایات میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے جن میں سے کچھ تو بالکل واضح اور غیر مبہم ہیں اور کچھ میں جنسِ ثمن کا ابہام پایا جاتا ہے چنانچہ!

غیر مبہم روایتیں:

☆۔ جامع الآثار لابن ناصر الدین الدمشقی جلد 3 صفحہ 1474، 1475، عمدۃ القاری جلد 12 صفحہ 41، السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 423، فتح الباری جلد 4 صفحہ 472 اور سیرت ابن ہشام جلد 1 صفحہ نمبر 297 وغیرہ میں ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے بدلے نسطاس، فسطاس یا قسطاس نامی ''کالا موٹا مشرک غلام'' دیا گیا۔

☆۔ ''جامع الآثار لابن ناصر الدین الدمشقی جلد 3 صفحہ نمبر 1472، 1473، السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 423 اور تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 223 تا 224'' میں ہے کہ: امیہ کے مطالبے پر فسطاس غلام کے ساتھ اسکی بیوی اور بیٹی سمیت 200 دینار بھی بطور قیمت ادا کیئے گئے۔

☆۔ تاریخ الخمیس جلد 3 صفحہ نمبر 252 میں ہے کہ: نسطاس کے ساتھ

ساتھ 10 ہزار درہم، اسکے غلام، لونڈیاں اور اسکے مویشی بھی دیئے گئے۔

☆۔تفسیر الصاوی جلد 3 حصہ نمبر 2 صفحہ نمبر 287 اور تفسیر روح البیان جلد 10 صفحہ نمبر 540 میں ہے کہ: صرف ایک رطل سونا دیا گیا۔

مبہم روایتیں:

☆۔ابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 228 میں ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے بدلے صرف 40 اوقیہ دیئے گئے۔

☆۔جامع الآثار لابن ناصر الدین الدمشقی جلد 3 صفحہ نمبر 1476، طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ نمبر 124 اور ابن عساکر جلد 65 صفحہ نمبر 228 میں ہے کہ: صرف 7 اوقیہ دیئے گئے۔

☆۔الاستیعاب صفحہ نمبر 120، السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 423 اور اسد الغابہ جلد 1 صفحہ نمبر 129 میں ہے کہ: 5 اوقیہ، بعض کے نزدیک: 7 اوقیہ اور بعض کے نزدیک 9 اوقیہ دیئے گئے۔

☆۔تاریخ الخمیس جلد 3 صفحہ نمبر 252 اور السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 423 میں ہے کہ: 7 اوقیہ، بعض کے نزدیک 5 اوقیہ اور بعض کے نزدیک کالے رنگ کا غلام دیا گیا ہے۔

☆۔جامع الآثار لابن ناصر الدین الدمشقی جلد 3 صفحہ نمبر 1475، طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ نمبر 124، عمدۃ القاری جلد 16 صفحہ 335، فتح الباری جلد 7 صفحہ 115 اور ابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 229 میں ہے کہ: صرف 5 اوقیہ دیئے گئے۔

☆۔ابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 229 اور السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 423

میں ہے کہ: 10 اوقیہ اور ایک چادر دی گئی۔

☆۔ابن ناصر الدین الدمشقی نے جامع الآثار جلد 5 صفحہ نمبر 2804 میں ایک روایت جس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوچھنے پر کفار نے جو قیمت بتائی ہے وہ ان الفاظ سے نقل کی گئی ہے کہ: "قالوا بکذا وکذا دینار "یعنی انہوں نے کہا: اتنے اتنے دینار۔

رفعِ ابہام:

ان روایات میں سے اوقیہ والی روایات میں اوقیہ کی جنس کے بارے میں ابہام پایا جارہا ہے یعنی یہاں یہ وضاحت نہیں کہ قیمت میں جتنے بھی اوقیہ دیئے گئے تھے وہ چاندی تھی یا سونا، اس سلسلہ میں ہمیں "سیر اعلام النبلاء جلد 3 صفحہ نمبر 214، السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 423 اور الریاض النضرۃ حصہ 1 صفحہ نمبر 115 " کی بیان کردہ روایت ملی ہے جس میں صرف اتنا ہی ہے کہ: 5 اوقیہ سونا دیا گیا۔ نیز علامہ ناصر الدین الدمشقی نے جامع الآثار جلد 3 صفحہ نمبر 1475 میں 5 اوقیہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "وهي مائتا درهم "یعنی 5 اوقیہ 200 درہم کے برابر ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ سابق میں ایک روایت ایک رطل سونے کی بھی گزر چکی، مزید برآں چاندی کا بیان امام حلبی کی السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 423 کے مطابق "ایک چادر اور دس اوقیہ" والے قول میں دس اوقیہ سے مراد "فضۃ" یعنی چاندی کو نقل کیا گیا ہے۔ چنانچہ بقیہ مبہم اقوال کی تفسیر میں کوئی مستند روایت ہماری نظروں سے نہیں گزری۔ لہٰذا: 9، 7 اور 40 اوقیہ کے اقوال کو کسی قرینہ کی عدم دستیابی کی صورت میں یونہی چھوڑ دینا درست ہوگا۔

اسی طرح دیناروں والی روایت میں پائے جانے والے ابہام کو رفع کرنا بھی کسی قرینے کے بغیر آسان کام نہیں۔

نوٹ:

ان مذکورہ بالا روایتوں میں تطبیق دینا ایک مشکل اور طوالت کا متقاضی امر ہے شاید یہی وجہ ہے کہ: علماء نے ان روایتوں میں تطبیق نہیں دی، بعض نے فسطاس نامی کالے غلام کی روایت کو ہی اپنی کتب میں بیان کیا، بعض نے ایک رطل سونے والی روایت کو، اور بعض نے اواقی کی کسی روایت کو، اور جن بعض حضرات نے ان میں سے دو چار روایات کو بیان کیا بھی ہے تو انہوں نے بھی ان میں سے کسی کو دوسری روایات پر ترجیح نہیں دی چنانچہ طوالت سے بچتے ہوئے ہم بھی اس سے تہی دامن ہونے پر مجبور ہیں، ورنہ ان کی قوتِ اسناد و شہرت کا لحاظ کر کے ترجیح کی کسی نہ کسی صورت کا نکل آنا ایک لابدی امر ہے۔

ایک ایمان افروز روایت:

جامع الآثار لابن ناصر الدین الدمشقی جلد 3 صفحہ نمبر 1475، السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 423 اور ابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 228، 229 میں ہے کہ: "حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو بیچ دینے کے بعد امیہ وغیرہ نے کہا: اے ابوبکر اگر تم ہم سے ایک اوقیہ کم بھی کروا لیتے تو ہم اسے پھر بھی تمہارے ہاتھ ہی بیچتے، یہ سن کر سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: اور اگر تم مجھ سے بلال کے بدلے 100 اوقیہ اس قیمت سے بھی زیادہ مانگ لیتے تو میں پھر بھی بلال کو تم سے خرید کر ہی دم لیتا۔

"سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم"

خازنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کوئی شک نہیں کہ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے اعزازات میں یہ بات بھی شامل تھی کہ: آپ رضی اللہ عنہ "خازنُ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" بھی تھے اور "امین الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" بھی، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمانوں اور نادار و بے سہارا لوگوں کی معاونت کے لئے اخراجات کا نظام آپ رضی اللہ عنہ کے سر ہوا کرتا تھا، چنانچہ اس سلسلے میں علامہ ابونعیم "حلیۃ الاولیاء" جلد ۱ صفحہ 212 میں ایک روایت نقل کرتے ہیں فرمایا:

"عبد اللّٰه الهوزني قال: لقيت بلالا فقلت: يا بلال! حدثني كيف كانت نفقة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم؟ فقال: ما كان له شيء، كنت انا الذي ألي له ذاك منذ بعثه الله عزوجل حتى توفي، وكان اذا اتاه الرجل المسلم فرأه عاريا يأمرني به فانطلق فاستقرض واشترى البردة فاكسوه واطعمه"۔

یعنی حضرت عبداللہ الھوزنی فرماتے ہیں کہ: میں جناب سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے ملا تو میں نے ان سے پوچھا کہ: مجھے بتایئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات کیسے ہوا کرتے تھے؟ تو فرمانے لگے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکثر کچھ نہیں ہوا کرتا تھا، اور بعثت سے لے کر وصال شریف تک یہ سعادت بھی میرے ہی ذمہ رہی کہ: جب بھی کوئی نادار مسلمان شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں

حاضر ہوا کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ننگا بدن دیکھ کر مجھے حکم دیا
کرتے تو میں جاتا اور قرض اٹھالاتا پھر میں ایک چادر خرید کر اس
ضرورت مند کو پہناتا اور اسے کھانا کھلاتا۔

نیز یہ روایت طویل الفاظ کے ساتھ ابوداؤد، سنن کبریٰ بیہقی، المعجم الکبیر للطبرانی اور مسند البزار میں بھی موجود ہے۔

نیز "السیرۃ الحلبیہ" جلد 3 صفحہ 459 باب یذکر فیہ امناء رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم میں کہا گیا ہے کہ: "وبلال المؤذن رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، کان امینہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی نفقاتہ"۔ یعنی حضرت سیّدنا بلال مؤذن رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات کے امین ہوا کرتے تھے۔

اور امام ابن الجوزی نے "الوفاء باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" صفحہ 598 میں بھی لکھا ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت المال کے خازن تھے۔

نیز سیّدنا بلال صلی اللہ علیہ وسلم کے خازن وامینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی شہادت دینے والے کئی طرح کے واقعات کتبِ حدیث وسیر میں موجود ہیں چونکہ میرا مقصد احاطہ نہیں بلکہ کئی پہلوؤں کی حقیقت سے نقاب کشائی ہے اسی لئے میں اسی سلسلے کی متعدد روایات کو ان شاء اللہ العزیز اپنی اگلی کتاب "مسند بلال رضی اللہ عنہ" میں بیان کروں گا۔

ازالہ وہم:

دورِ حاضر کے کچھ سیرت نگار اور واعظین یہ دعویٰ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ جب امیہ کی غلامی میں تھے تو اسے آپ رضی اللہ عنہ پر اتنا اعتماد تھا کہ اس نے آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے مال کا خزانچی بنا رکھا تھا اور لوگوں سے لین دین کا معاملہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کے ہی سپرد تھا جب کلمہ پڑھا اسلام قبول کیا تو امیہ نے ظلم وستم اور تشددات کا ایک بڑا سلسلہ شروع کر دیا پھر جب سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو آزاد کروایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جس طرح تم امیہ کے مال کے خزانچی اور نگران تھے اسی طرح تم میرے مال کی بھی نگرانی کیا کرو چنانچہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خزانچی بن گئے''۔

لیکن ہماری نظروں سے گزرنے والی کسی بھی روایت میں امیہ سمیت کسی بھی صاحبِ ولاء کا جناب سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے مال کا خزانچی بنالینا ہرگز بھی ثابت نہیں، البتہ جہاں تک بات سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہے تو اس میں اختلاف ہے کہ کیا سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خازن بنے ہیں یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں بعض حضرات کے مطابق سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی ''خازن'' بنے ہیں، بلا استثناء اور کسی کے لئے بھی نہیں، اور ان حضرات کی دلیل ''تاریخ الخمیس'' جلد 3 صفحہ نمبر 253،254 کی نقل کردہ یہ روایت ہے کہ

''وفی المنتقی، قال ابوبکر لبلال: اعتقتك وکنت مؤذنا لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وبیدك ارزاق رسله ووفوده فکن مؤذنا لی کما کنت لرسول اللّٰه صلی اللّٰه

عليه وسلم وكن خازنا لي كما كنت خازنا له فقال له: يااباابكر ! صدقت كنت مملوكك فاعتقتني فان كنت اعتقتني لتأخذ منفعتني في الدنيا فخلني أخدمك، وان كنت اعتقتني لتأخذ الثواب من الرب فخلني والرب، فبكى ابوبكر وقال: اعتقتك لأخذ الثواب من المولى فلا اعجلها في الدنيا، فخرج بلال الى الشام".

یعنی: اور "المنتقی" میں ہے کہ: سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میں نے تمہیں آزاد کیا اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن بھی رہے اور تمہارے ہاتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشیوں اور وفود کے کھانے کا نظام ہوتا تھا، چنانچہ اب تم میرے مؤذن بن جاؤ جس طرح تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے اور اسی طرح تم میرے خازن بن جاؤ جس طرح تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خازن رہ چکے ہو تو انہوں نے عرض کیا: اے ابوبکر: آپ نے سچ فرمایا میں آپ کا غلام تھا تو آپ نے مجھے آزاد کیا لہٰذا اگر آپ نے مجھے اس لئے آزاد کیا ہے تاکہ مجھ سے کوئی دنیاوی فائدہ لے سکیں تو پھر مجھے چھوڑ دیجیے! تاکہ میں آپ کی خدمت کروں اور اگر آپ نے مجھے اس نیت سے آزاد کیا ہے کہ: آپ رب تعالیٰ سے ثواب پائیں تو مجھے رب تعالیٰ کے سپرد کر دیجیے! چنانچہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا: میں نے تمہیں اللہ سے ثواب کی امید پر ہی آزاد کیا تھا تو میں وہ ثواب دنیا میں جلدی نہیں

• پانا چاہتا، چنانچہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ ملکِ شام کی جانب نکل کھڑے ہوئے۔

لیکن اس کے باوجود بعض دوسرے حضرات اس کے قائل نہیں، جن میں علامہ ابن عبدالبر ہیں چنانچہ وہ ''الاستیعاب'' کے صفحہ 120 میں یوں لکھتے ہیں کہ: ''ثم اعتقه وكان له خازنا'' یعنی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پھر آزاد کر دیا اور سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کے خازن بن گئے۔

لیکن معاف کیجیے گا! علامہ ابن عبدالبر کے اس قول کی وجہِ استدلال حتمی طور پر مجھے معلوم نہیں البتہ گزشتہ روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ: سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خازن بننے والی بات علامہ ابن عبدالبر کی اپنی تأویل ہے، اگر ایسا ہے تو دل میں سببِ تأویل کا استفہام پیدا ہوتا ہے تو جہاں تک میرا اندازہ ہے تو شاید علامہ ابن عبدالبر نے اس لئے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ''خازن صدیق'' کہا کہ: کچھ روایتوں میں سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کے لئے اذانیں دینا ثابت ہے، تو جب اذانیں دینا ثابت ہے تو جناب سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا ''خازنِ صدیق'' بننا بھی کوئی محال نہ رہا، میں کہتا ہوں کہ: اگر یہی وجہِ تأویل ہے تو بلاشبہ یہ ایک اچھی تأویل ہے، مجھے بلاوجہ اس کے انکار کا کوئی حق نہیں۔

لہٰذا اس صورت میں یہ طے پایا کہ: جناب سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''بلاشک وشبہ'' اور بارگاہِ صدیقیت رضی اللہ عنہ کے ''بامکان بلامحال'' خازن قرار پائے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ: امیہ سمیت

دیگر کفار موالی میں سے کسی کے بھی خزانچی نہیں بنے۔

چنانچہ جب یہ ماننے کی گنجائش بطورِ اَولیٰ موجود ہے کہ: سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ جناب سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خازن بھی رہ چکے ہیں تو اب سوال یہ قائم ہوتا ہے کہ: کیا یہ منصب امیہ سے چھٹکارا پانے کے فوراً بعد دیا گیا جیسا کہ خطباء کا دعویٰ ہے؟ یا آپ رضی اللہ عنہ نے یہ منصب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصالِ پُر ملال کے بعد سنبھالا؟

تو میں کہتا ہوں کہ: پہلے قول پر کوئی دلیل حتیٰ کہ: اشارۃً وتاً ویل بھی نہیں بلکہ یہ قول روایاتِ مشہورہ کے خلاف بھی ہے اور دوسرے قول کا ثبوت علامہ ابن عبد البر کی عبارت اور کئی دوسری روایتوں سے مستفاد ہے جس پر ذرا سا غور کرنے سے مطلب بالکل صاف ہو جاتا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ: ''خازنِ صدیق'' کا منصب سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی سنبھالا ہے پہلے نہیں۔

....

باب

(غلامی اور غربت سے متعلق ایک انکشاف)

موجودہ سیرت نگاروں کا یہ اجماعی دعویٰ ہے کہ: ''حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ خاندانی غریب یا پیدائشی غلام تھے'' لیکن یہ قطعاً درست نہیں۔

چنانچہ ہوسکتا ہے کہ کوئی ہمارے اس انکارِ دعویٰ کے خلاف ''طبقات ابن سعد'' جلد 2 صفحہ نمبر 127 کی اس رویات کو بطور دلیل پیش کرے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے خود اپنے بارے میں فرمایا:

''انما انا حبشی کنت بالامس عبدا''

میں تو صرف ایک حبشی ہوں جو کل تک ایک غلام تھا۔

اسی طرح ''سیر اعلام النبلاء'' جلد 3 صفحہ نمبر 218 میں یوں ہے کہ، حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''قد کنا کافرین فھدانا اللّٰہ، ومملوکین فاعتقنا اللّٰہ، وفقیرین فاغنانا اللّٰہ''

یعنی ہم کافر تھے تو اللہ نے ہمیں ہدایت دی، ہم غلام تھے تو اللہ نے ہمیں آزادی عطاء فرمائی، اور ہم فقیر تھے تو اللہ نے ہمیں غنی کر دیا۔

پھر عین ممکن ہے کہ معترض ان دونوں عبارتوں کو سہارا بنا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے خود اقرار کردہ کلام کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ خاندانی غریب اور پیدائشی غلام تھے۔

تو میں اس کا جواب یوں دیتا ہوں کہ: بلاشبہ غلامی یا غربت کوئی ایسی چیز نہیں جس سے حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ جیسی عظیم ہستی کی شان میں کمی واقع ہو لیکن ان کی طرف اس بات کو بلا دلیل منسوب کر دینا بالکل درست نہیں، چنانچہ منقولہ روایات کے جن الفاظ کو بطور دلیل پیش کیا جارہا ہے، ان کی مراد

صرف یہی ہے کہ: "بلاشبہ آپ رضی اللہ عنہ غلام بھی رہ چکے اور غریبی کی زندگی بھی گزار چکے ہیں، چنانچہ شروع سے ہی یہ صورتحال نہیں تھی بلکہ بعد کے کسی دور میں یہ سب کچھ ہوا" مذکورہ منقولہ الفاظ سے یہی مستفاد و مستفاض ہے اور بس! لیکن مذکورہ روایتوں سے یہ سمجھ لینا کہ: "آپ رضی اللہ عنہ پیدائشی غلام اور غریب تھے" تو یہ قطعاً درست نہیں، کیونکہ جہاں تک بات غلامی کی ہے تو ہر انسان فطرتاً آزاد اور مؤمن ہوتا ہے تو جس طرح بعض مؤمن بچوں کو بعد میں کافر بنا دیا جاتا ہے اسی طرح بعض کو غلام بھی بنا لیا جاتا تھا، بلاشبہ یہ حقیقت ہے کہ: کسی بھی آزاد شخص کو غلام بنانے کے لئے قبل از اسلام عرب سمیت پوری دنیا میں مندرجہ ذیل طریقوں کو استعمال کیا جاتا رہا ہے، جن میں سے صرف پہلی صورت کو اسلام نے برقرار رکھا اور بقیہ ممنوع قرار پائیں!

(i)۔ جنگوں میں گرفتار افراد کو غلام بنا لیا جاتا۔

(ii)۔ بصورتِ عدمِ ادائیگی مقروض یا اسکے کسی قریبی کو غلام بنا لیا جاتا۔

(iii)۔ جوئے میں ہارنے والے یا اس کے کسی قریبی کو غلام بنا لیا جاتا۔

(iv)۔ کسی کو لوٹ کر زبردستی قید کر کے غلام بنا لیا جاتا۔

(v)۔ قاتل یا اسکے ورثاء میں سے کسی کو مقتول کے ورثاء کا غلام بنا لیا جاتا۔

(vi)۔ کبھی کبھار کوئی شخص خود کو کسی کی غلامی میں دے دیتا۔

یوں تو تقریباً مذکورہ بالا ہر صورت کے لئے عرب میں "سبی" کا لفظ بول دیا جاتا ہے لیکن ان تمام صورتوں میں سے صرف (iv) صورت کے لئے یہ لفظ عرب میں کثیر الاستعمال ہے، نیز اسی لفظ "سبی" کا معنی کرتے ہوئے لسان العرب جلد 8 صفحہ 343 میں علامہ ابن منظور لکھتے ہیں کہ: "فالسبی : النھب

واخذ الناس عبيدا واماء'' یعنی السبی: لوگوں کو لوٹ کر انہیں غلام اور لونڈیاں بنا لینے کو کہتے ہیں۔

نیز یہ لفظ کئی روایتوں میں اسی معنیٰ کے لئے استعمال ہوا ہے مثلاً! علامہ ابن المبرد کی ''التخريج الصغير '' صفحہ 103 رقم 507 میں ہے کہ: ''زيد بن حارثه حين سبي، وبيع بمكة، واشترته خديجة، ووهبته للنبي صلى الله عليه وسلم وتبناه ورباه وجائه اهله بعد ان اتبعوا الابل في طلبه ......'' یعنی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جب قید کر کے زبردستی غلام بنا لیا گیا اور مکہ میں بیچنے کیلئے لایا گیا تو انہیں حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے خرید کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہبہ کر دیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا اور ان کی تربیت فرمائی، بعد میں ان کے گھر والے ان کی تلاش میں اونٹوں پر سفر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے......

چنانچہ جب ثابت ہو گیا کہ: لفظ ''سَبْیٌ'' زبردستی غلام بنانے کو کہتے ہیں تو اب اسی لفظ کا استعمال بالکل اسی معنیٰ کے لئے صحیح بخاری میں سیّدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ حضرت عمار بن یاسر، حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہما کے لئے بھی کیا گیا ہے چنانچہ: ''صحیح بخاری'' صفحہ 353 باب شراء المملوك من الحربي وهبته وعتقه میں ہے کہ: ''وسبي عمار وصهيب وبلال'' یعنی حضرت عمار، حضرت صہیب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم کو بھی کر زبردستی غلام بنایا گیا تھا۔

چنانچہ بخاری کی اس روایت نے ان تمام سیرت نگاروں کو منہ توڑ جواب

دیدیا جو سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے پیدائشی غلام ہونے کا بلا دلیل دعویٰ کرتے ہیں، نیز روایتِ مذکورہ میں لفظ ''سُبِیَ'' کا تینوں ناموں پر ایک جیسا عطف بھی یہ بتاتا ہے کہ: سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کی طرح زبردستی غلام بنایا گیا تھا۔

سیّدنا عمار رضی اللہ عنہ کی غلامی:

امام بدرالدین عینی ''عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری'' جلد 12 صفحہ 41 میں اور علامہ ابن حجر ''فتح الباری شرح صحیح بخاری'' جلد 4 صفحہ 472 میں لکھتے ہیں کہ: سیّدنا عمار رضی اللہ عنہ نسلاً عربی تھے ان کے والد ''یاسر'' مکہ میں ہی رہتے تھے اور قبیلہ بنومخزوم کے حلیف تھے تو ان قبیلہ والوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے والد ''سیّدنا یاسر رضی اللہ عنہ'' کا نکاح اپنی آزاد کردہ لونڈی حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا سے کر دیا پھر ان کے ہاں حضرت عمار رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے چنانچہ مشرکین نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے بعد میں یہ معاملہ کیا کہ: انہیں زبردستی غلام بنالیا جس کی وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ: آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ان کی غلامی میں رہ چکی تھیں۔

سیّدنا صہیب رضی اللہ عنہ کی غلامی:

مذکورہ کتب کے مطابق سیّدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے والد فارس کے بادشاہ کسریٰ کے عامل تھے تو رومیوں نے فارس سے جنگ کے دوران سیّدنا صہیب رضی اللہ عنہ کو قید کر کے غلام بنالیا پھر رومیوں سے مکہ کے رئیس عبداللہ بن جدعان نے خرید لیا اور بعض کہتے ہیں کہ: حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بذاتِ خود روم سے مکہ بھاگ آئے جہاں پہنچنے پر انہیں زبردستی ''عبداللہ بن جدعان'' کے

غلاموں میں شامل کرلیا گیا۔

چنانچہ یہ بات پایہء ثبوت کو پہنچی کہ: جس طرح حضرت زید بن حارثہ، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہم پیدائشی غلام نہیں تھے تو اب بخاری کی مذکورہ روایت کے ساتھ مزید دلائل کے سہارے یہ ثابت کرنا باقی رہا کہ: جناب سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی آزاد ہونے کے ساتھ ساتھ خوب مالدار بھی تھے، چنانچہ اس کے لئے ہم امام جلال الدین السیوطی کی ''انیس الجلیس صفحہ نمبر 346، 347 '' کے حوالے سے یہ بطور تبرک مکمل روایت پیش کرتے ہیں چنانچہ فرمایا:

"مادام بلال فی الحبشة غنیا وکان له عشرة الاف من الابل فلما استبی وصار فقیرا اسلم وصار من المقبولین واجتاز بلال یوما من الایام من بین یدی الکفار بالتفخر والنشاط فنزل جبریل بهذه الآية قوله تعالیٰ "ولا تمش فی الارض مرحا انك لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا" وقال: یا محمد: اللّٰه یقرئك السلام ویقول لك، قل لبلال: لاتمش علی الارض بالمرح والتفخر فاخبر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بذالك بلالا، فقال بلال: یا رسول الله (صلی اللّٰه علیه وسلم)! الکفار یفتخرون لکفرهم فمالی لاافتخر بالنوال فنزل جبرائیل، وقال: یقول الله : انی لم انزل لمنع نشاط بلال علی اسلامه بل انزلت لاظهار کرامة الفقر والتواضع ولمباهات المساکین

لان الاغنیاء یشکرون لی وانا اشکر الفقراء والمساکین"۔

یعنی: جب تک حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ حبشہ میں رہے مالدار تھے اور آپ رضی اللہ عنہ دس ہزار اونٹوں کے مالک تھے پھر جب لوٹ کر زبردستی غلام بنا لئے گئے اور فقیر ہو گئے تو اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئے اور مقبولین میں سے ہو گئے ایک دن آپ رضی اللہ عنہ کفار کے سامنے بڑے فخر سے سینہ تان کر چل رہے تھے تو جبریل یہ آیت لے کر اترے کہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اور زمین پر اکڑ کے نہ چلو تم اس سے ہرگز بھی زمین کو پھاڑ نہیں سکتے اور نہ ہی تم پہاڑوں کی بلندیوں کو پہنچ جاؤ گے'' اور جبریل نے عرض کیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ: بلال سے فرما دیں کہ: زمین پر اکڑ کے سینہ تان کر نہ چلا کرے تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دی تو عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کافر تو اپنے کفر پر فخر کریں پھر مجھے کیا ہے کہ: میں اپنے سچے دین پر فخر نہ کروں چنانچہ جبریل اترے اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: میں نے آیت اس لئے نہیں اتاری کہ بلال کو اسلام کی شکرگزاری سے منع کروں بلکہ میں نے اس آیت کو اس لئے نازل فرمایا ہے کہ: میں عاجزی اور فقیری کی عظمت اور مسکینوں کی خوبیوں کا اظہار کروں، کیونکہ مالدار میرا شکریہ ادا کرتے ہیں اور میں فقیروں اور مسکینوں کا۔

الحمد للہ العزیز:

ثابت ہو گیا کہ: سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی غربت اور غلامی کا عرصہ جوانی میں شروع ہوا نہ کہ: پیدائشی، نیز سابق میں گزر چکا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کے والدین سمیت پورے کنبے کو بھی لوٹ کر غلام بنالیا گیا تھا، لیکن میں یہ یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ: آپ رضی اللہ عنہ کو پورے خاندان سمیت غلام بنائے جانے والا واقعہ حبشہ میں رونما ہوا یا واپس یمن پہنچ کر، لیکن میرا اندازہ یہ کہتا ہے کہ: یہ واقعہ حبشہ سے واپس یمن پہنچ کر رونما ہوا، اور یہیں سے غلام بنا کر مکہ روانہ کر دیئے گئے۔

......واللّٰه اعلم ورسوله صلى اللّٰه عليه وسلم ......

باب

(ہجرت)

ملے جُلے قوی اور ضعیف قرائن واشارہ جات بتاتے ہیں کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی ہجرت کئی مراحل پر مشتمل ہے!

پہلا مرحلہ: یمن سے حبشہ

دوسرا مرحلہ: حبشہ سے واپس یمن

تیسرا مرحلہ: یمن سے مکہ

چوتھا مرحلہ: مکہ سے مدینہ

پانچواں مرحلہ: مدینہ سے شام

پہلی اور دوسری ہجرت آزادی کی حالت میں خاندانی تھی اور تیسری ہجرت غلامی اور بے سروسامانی کی حالت میں، چوتھی ہجرت آزادی کی حالت میں اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاء کے لئے تھی اور پانچویں فراقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دُکھ کی مجبور حالت میں جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے تھی۔

ازالہءوہم:

دورِ حاضر کے سیرت نگاروں کے مطابق: مکہ سے مدینہ ہجرت کے لئے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اکیلے نہیں بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہم بھی شریکِ سفر تھے، لیکن میری نظروں سے اس کے خلاف گزرا ہے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ جلد 8 صفحہ 457، 458 میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "اول من قدم علینا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصعب بن عمیر وابن ام مکتوم فجعلا یقرأان الناس القرآن ثم جاء عمار وبلال وسعد ثم جاء عمر بن الخطاب

فی عشرین راکبا ثم جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... الخ۔"
یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ہمارے پاس مدینہ میں سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما پہنچے پس انہوں نے لوگوں کو قرآن پڑھانا شروع کیا، پھر حضرت عمار، حضرت بلال اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم پہنچے، ان کے بعد سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سوار ہو کر 20 افراد کے ساتھ پہنچے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے......الخ۔

نیز یہ بھی سوال پیدا ہوا کہ: حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچ کر کس کے ہاں مقیم ہوئے تو اس سلسلہ میں طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ نمبر 124 میں عاصم بن عمر بن قتادہ سے روایت ہے کہ: "لما ھاجر سیّدنا بلال الی المدینة نزل علی سعد بن خیثمة" یعنی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو وہاں پہنچ کر آپ رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن خیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں مقیم ہوئے۔

لیکن اس کے باوجود طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ نمبر 123 میں اسی راوی یعنی عاصم بن عمر بن قتادہ سے اسی سابقہ سند کے ساتھ بالکل یہی الفاظ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی مروی ہیں کہ: "لما ھاجر عامر بن فھیرۃ الی المدینة نزل علی سعد بن خیثمة" یعنی جب حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو وہاں پہنچ کر وہ حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے پاس مقیم ہوئے۔

اور مصنف ابن ابی شیبہ جلد 8 صفحہ 459 میں ہے کہ: حضرت عامر بن

فہیرہ رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت فرما کر مدینہ میں پہنچے۔

چنانچہ میں کہتا ہوں کہ: مذکورہ روایتوں میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ اگرچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے الگ الگ ہجرت کی ہے لیکن یہ دونوں حضرت سعد بن خیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ہی مقیم ہوئے تھے، کیونکہ تاریخ الخمیس جلد 2 صفحہ 30 اور السیرۃ الحلبیہ جلد 2 صفحہ 72 میں ہے کہ: اکثر مہاجر صحابہ بلکہ بذاتِ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قباء پہنچ کر حضرت سعد بن خیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں ہی قیام فرمایا تھا۔

......واللّٰہ اعلم ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ......

باب

(غزوات)

امام حاکم سمیت دیگر محدثین روایت کرتے ہیں کہ:

"وشهد بلال بدرا واحدا والخندق والمشاهد كلها مع رسول الله صلى الله عليه وسلم"

یعنی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے بدر واحد اور خندق سمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر غزوہ میں شرکت کی۔

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے غزوات میں تفصیلی واقعات تو نہیں ملتے البتہ جس قدر ملتے ہیں وہ یہ معلوم کرنے کے لئے کافی ہیں کہ: آپ رضی اللہ عنہ کس قدر جانفشانی کے ساتھ لڑا کرتے تھے، آگے ہم حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے حلیہ کا بیان کریں گے جس میں آپ رضی اللہ عنہ کی بلند قد وقامت اور مضبوط بدن کا بیان کیا جائے گا جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ: میدانِ جنگ میں بھی اتنے ہی جلال وہیبت سے دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے، جسکی ایک مثال غزوہ بدر کے معرکے میں امیہ بن خلف کا آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا جانا مشہور ہے۔

میں تفصیلات میں جانے سے تہی دامن ہوں۔ کیونکہ میرا اس کتاب کو لکھنے کا مقصد احاطہ کرنا نہیں بلکہ کچھ انکشافات کرنا اور کچھ مشہور مگر غلط روایات کا تعاقب کرنا ہے تاکہ دورِ حاضر کے سیرت نگاروں کو حقائق پر توجہ دلائی جا سکے۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد بھی جہاد کا سلسلہ جاری رکھا حتیٰ کہ: حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر ملکِ شام میں جہاد کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں بھی جہاد میں شریک رہے۔

تیسرا جمال

﴿صورتِ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ﴾

باب

(حُلیہ)

مشہور ومعروف مستند امہات الکتب مثلاً! "طبقات ابن سعد، مستدرك للحاكم، سير اعلام النبلاء للذهبي، تاريخ الاسلام للذهبي، تاريخ لابن عساكر، الاستيعاب لابن عبد البر، معرفة الصحابه لابي نعيم، تهذيب الكمال للمزی، معجم الصحابه للبغوی، اسد الغابه لابن الاثير، صفة الصفوة لابن الجوزی، تاريخ ابن كثير، جامع المسانيد والسنن لابن كثير، مدارج النبوت للشيخ الدهلوی، تاريخ الخميس للديار بكری اورجامع الآثار لابن ناصر الدين الدمشقي "میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے حلیہ کے بارے میں جو کچھ ملا ہے ہم قارئین کی نذر کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں!

قد:

مذکورہ بالا کتب کی روایات میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے قد مبارک کے لئے ''طوالا'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا قد مبارک ''لمبا'' تھا، حالانکہ دورِ حاضر کے کچھ جہلاء کی زبان پر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے قد مبارک کے کوتاہ ہونے کی خرافات بھی سننے میں آئی ہیں۔(اعاذ نا اللّٰه من ذٰلك)

جسامت:

مذکورۂ بالا کتب میں ''نحیف'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ: آپ رضی اللہ عنہ دبلے پتلے تھے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں لیا جائے گا کہ: آپ رضی اللہ عنہ کمزور تھے۔

طبع ومزاج:

مذکورہ بالا روایات میں موجود ''اجنأ'' کو ''جامع الآثار'' میں علامہ ابن ناصر الدین الدمشقی نے ''حاء'' غیر منقوطہ اور ناقص یائی کے ساتھ ''احنی'' لکھا ہے، اور یہی زیادہ صحیح ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ مہربان طبیعت کے مالک تھے۔

پیشانی:

مجھے اس بارے میں کوئی مستند قول تو نہیں ملا البتہ دورِ حاضر کے سیرت نگاروں نے ''کشادہ پیشانی'' کے لفظ لکھے ہیں۔

آنکھیں:

میں نے اس بارے میں بھی کوئی مستند بات نہیں پائی البتہ موجودہ سیرت نگاروں نے آنکھیں بڑی اور ان کا رنگ ''سرخی مائل'' بیان کیا ہے۔

بصارت:

معتمد و مستند قول کے مطابق سیّدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی دور کی نظر کمزور تھی جیسا کہ: کنوز الحقائق للمناوی جلد 2 صفحہ 352 رقم 9775 میں مسند احمد بن حنبل جلد 3 صفحہ 140 رقم 12455 کے حوالے سے منقول ہے کہ: ''قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یمنعکم اذان بلال من السحور، فان فی بصرہ شیئا'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تمہیں بلال کی فجر کی اذان دھوکے میں نہ ڈالے کیونکہ اس کی آنکھ میں ضعف ہے۔

نیز یہی حدیث مسلم کتاب الصیام اور ترمذی وغیرہما میں بھی مروی ہے۔
اسی طرح امام ابو جعفر طحاوی نے ''شرح معانی الآثار'' جلد 1 صفحہ 96 رقم 835، 836 میں ایک احتمال بیان کرتے ہوئے اسے دلیل سے مضبوطی دیتے ہوئے بیان فرمایا کہ: ''وقد یحتمل ان یکون بلال کان یؤذن فی وقت کان یری ان الفجر قد طلع فیہ ولا یتحقق ذالک لضعف بصرہ والدلیل علی ذالک ...... عن انس قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یغرنکم اذان بلال، فان فی بصرہ شیأ، فدل ذالک علی ان بلالا کان یرید الفجر فیخطیہ لضعف بصرہ فامرھم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان لا یعملوا علی اذانہ اذا کان من عادتہ الخطأ لضعف بصرہ'' یعنی ایک احتمال یہ بھی ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ یہ سمجھ کر کہ فجر طلوع ہو چکی ہے اذان دے دیا کرتے تھے حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ ضعفِ بصر کی وجہ سے کبھی کبھار درست ثابت نہیں ہوتا تھا، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ:۔۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلال کی اذان تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے کیونکہ اس کی بینائی میں کمزوری ہے، چنانچہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا اُس اذان سے فجر کی اذان دینے کا ہی ارادہ تھا، لیکن آپ رضی اللہ عنہ ضعفِ بصر کی وجہ سے غلط فہمی کے شکار ہو گئے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ انؓ کی اذان پر عمل (ترکِ سحری) نہ کرنا کیونکہ ان کو ضعفِ بصر کی وجہ سے غلط فہمی ہو جایا کرتی ہے۔ (انتہی)
یہ بھی حق ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی بصارت کا یہ ضعف

معمولی تھا شدید نہیں، کیونکہ ایسا محض فجر کی اذان میں ہی ہوا کرتا تھا۔

لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی ضعفِ بصارت کے قائل نہیں، ان کے مطابق غنودگی کی وجہ سے محض ایک بار ہی ایسا ہوا تھا جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔

چونکہ امام طحاوی کے مطابق ایسا ایک بار نہیں بلکہ کئی بار ہوا، تو وہ اس پر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما، اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ اور حضرت انیسہ بنت خبیب انصاریہ رضی اللہ عنہا کی روایات کو بھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں جن کالبِ لباب یہ ہے کہ: ضعفِ بصارت کی وجہ سے کبھی کبھار حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ وقت سے پہلے اذانِ فجر دے دیا کرتے تھے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا تو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ہی وقت میں اذان کے اعادہ کا حکم دے دیتے اور یا پھر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اس اذان کا اس کے وقت میں اعادہ کردیتے نیز امام طحاوی مزید فرماتے ہیں کہ: "وقد روينا عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ان بلالا ينادى بليل فكلوا واشربوا حتى ينادى ابن ام مكتوم قالت: ولم يكن بينهما الا مقدار ما يصعد هذا وينزل هذا فلما كان بين اذانيهما من القرب ماذكرنا ثبت انهما كانا يقصدان وقتا واحدا وهو طلوع الفجر فيخطيه بلال لما ببصره "یعنی ہم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلال رات کو ہی اذان دے دیا کرتا ہے چنانچہ تم کھا پی لیا کرو یہاں تک کہ: ابن

امِ مکتوم اذان دینے لگ جائیں، اماں فرماتی ہیں کہ: ان دونوں کی اذانوں کے درمیان صرف اتنا ہی فاصلہ ہوتا تھا کہ: ایک اذان دے کر اترتے اور دوسرے اذان دینے کے لئے چھت پر چڑھ جاتے، (امام طحاوی فرماتے ہیں کہ) لہٰذا جب ان دونوں کی اذان میں اتنا قریبی فاصلہ ہوا کرتا تھا تو ہمارا مدعیٰ ثابت ہو گیا کہ: دونوں کا مقصد ایک ہی وقت میں اذان دینا ہوتا تھا اور وہ طلوعِ فجر ہے چنانچہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی بصارت کے ضعف کی وجہ سے ان سے یہ بے وقتی کبھی کبھار سرزد ہو جایا کرتی تھی۔ (انتہیٰ)

میں کہتا ہوں چونکہ اذان ٹھہر ٹھہر کر دی جاتی ہے جس سے مستفاد یہ ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے دوران ہی فجر کا وقت ہو جایا کرتا تھا۔

چنانچہ یہاں ایک اعتراض بصورتِ سوال وارد ہو سکتا ہے کہ: اگر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ بضعفِ بصارت غلط فہمی کی وجہ سے اذان وقت سے پہلے دے دیا کرتے تھے تو دوسرے مؤذن حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تو پورے طور پر ہی قوتِ بصارت سے محروم تھے انہیں کیسے معلوم ہو جایا کرتا تھا کہ: اذان کا صحیح وقت ہو چکا ہے؟

تو امام ابو جعفر الطحاوی نے اس کا بھی ساتھ ہی جواب دیا ہے کہ: "ویصیبه ابن ام مکتوم لانه لم یکن یفعله حتی یقول له الجماعة اصبحت اصبحت" حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اس وقت تک صحیح وقت میں اذان نہیں پڑھتے تھے جب تک انہیں صحابہ کرام یوں نہ کہہ دیتے کہ: صبح ہو گئی، صبح ہو گئی۔

نیز سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی بصارت کے ضعف پر امام طحاوی کے استدلال کو امام بدر الدین العینی نے ''عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری'' جلد 5 صفحہ 192 میں بھی نقل کر کے اسے یونہی برقرار رکھا۔ جس سے قولِ ضعفِ بصارت کو مزید تائید و تقویت ملتی ہے۔

داڑھی اور رخسار:

مذکورہ بالا کتب کی روایات کے مطابق حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ ''خفیف العارضین'' تھے یہ لفظ اپنے معنی میں دو طرح کا احتمال رکھتا ہے ! پہلا یہ کہ: آپ رضی اللہ عنہ کے رخسار مبارک پر گوشت کم تھا جیسا کہ ظاہر ہے اور اکثر مترجمین یہی معنیٰ بیان کرتے ہیں۔

اور دوسرا معنی یہ ہے کہ: آپ رضی اللہ عنہ کی داڑھی مبارک ایک مشت تک تھی، کیونکہ لسان العرب، المعجم الوسیط، القاموس، تاج العروس وغیرہا میں ''خفیف العارضین'' ایک مشت تک داڑھی والے کو بھی کہا گیا ہے۔

مونچھیں:

''المواھب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیہ'' صفحہ 126 میں علامہ ابراہیم بیجوری، ''اشرف الوسائل الی فھم الوسائل'' صفحہ 227 میں علامہ ابن حجر ہیتمی اور جمع الوسائل حصہ 1 صفحہ 260 کے حاشیہ میں علامہ عبد الرؤوف المناوی فرماتے ہیں کہ: حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی مونچھیں شروع میں خوب دراز تھیں جن کے بال منہ میں واقع ہوتے تھے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں کاٹ دیا۔

بال:

کتبِ معتمدہ میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے لئے "لہ شعر کثیر" کے الفاظ بھی استعمال کئے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ: آپ رضی اللہ عنہ گھنے بالوں والے تھے، یا شاید سر کے ساتھ ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کے بدن پر بھی کثرت سے بال موجود تھے۔

بالوں کا رنگ:

روایاتِ معتبرہ میں استعمال شدہ "بہ شمط کثیر لایغیرہ" سے معلوم ہوا کہ: آپ رضی اللہ عنہ کے بالوں میں سیاہ وسفید دونوں طرح کے بال تھے جنہیں آپ رضی اللہ عنہ رنگا نہیں کرتے تھے۔

لہجہ اور آواز:

ترمذی وغیرہ کی حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے لہجہ اور آواز کے بارے میں "ھو اندی صوتا" فرمایا ہے جس کا مطلب ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ صاف لہجہ اور بلند آواز والے تھے۔ (اس پر تفصیلی کلام ان شاء اللہ العزیز آگے ہوگا)

ہونٹ اور ناک:

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے ہونٹوں اور ناک کے موٹے ہونے کا ذکر بلاشبہ روایت میں موجود ہے اور یہ بھی ایک ایسی چیز تھی جس سے حبشی ہونا واضح ہوتا تھا لیکن یہ دونوں یعنی ناک اور ہونٹ اتنے بھی موٹے نہ تھے کہ: بدصورتی کا باعث بنیں چنانچہ امام احمد بن حنبل، ابن کثیر اور ابن ناصر الدین الدمشقی روایت کرتے ہیں کہ:

"عن عمر بن مرداس، قال: اتيت الشام أتية، فاذا انا برجل حبشي غليظ الشفتين او قال: ضخم الشفتين والانف، واذا بين يديه سلاح فيه الوية، وهويقول: ياايها الناس! خذوا من هذا السلاح فاستصلحواه، وجاهدوا في سبيل الله عزوجل، قلت: من هٰذا؟ قالوا: بلال رضي الله عنه"۔

(جامع الآثار لابن ناصر الدمشقي جلد5صفحه 2809)
(مسند امام احمد بن حنبل جلد6صفحه13رقم24399)
(جامع المسانيد والسنن لابن كثير جلد 1 صفحه397)

ترجمہ: عمر بن مرداس سے روایت ہے کہ: میں ایک مرتبہ ملکِ شام آیا تو میں نے ایک حبشی شخص کو دیکھا جس کے ہونٹ موٹے تھے یا کہا کہ: ہونٹ اور ناک دونوں موٹے تھے، اس کے سامنے ہتھیار رکھے ہوئے تھے جن میں جھنڈے بھی تھے اور وہ کہہ رہا تھا کہ: اے لوگو! یہ ہتھیار پکڑو اور اس سے اصلاح کرو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ!۔

برج:

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی کمال خوش قسمتی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت جس ستارہ اور برج میں ہوئی اسی برج اور ستارہ میں آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی، چنانچہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے پوتے حضور الشیخ ابوصالح نصر رضی اللہ عنہ اپنے محبت نامہ "تنبیہ الانام" جلد2 صفحہ نمبر20 میں فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت

''برجِ حمل'' میں ہوئی اور بزرگانِ دین کے برج دریافت کرنے کے مروجہ طریقہ کے مطابق حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اور آپ کی والدہ ماجدہ کے نام کے اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت بھی ''برجِ حمل'' میں ہی ہوئی۔

رنگ:

مذکورہ بالا کتب کی روایات کے الفاظ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رنگ کے گندمی ہونے پر گواہ ہیں مگر افسوس کہ: ہر خاص وعام کی زبانوں اور ذہنوں پر یہی بات سوار ہو چکی ہے کہ: ''سیّدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا رنگ کالا سیاہ تھا''۔

رنگ کا'' کالا'' ہونا بے شک کوئی عیب نہیں، لیکن کسی کا کالا ہونا کوئی فضیلت کی بات بھی نہیں، تاریخ گواہ ہے کہ: کالے رنگ سے متصف بہت سے لوگ ہوئے لیکن افسوس کہ: حیرت انگیز حد تک ''سیاہی'' کی نسبت جس طرح حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے ہی خاص کر دی گئی ہے اسکی مثال نہیں، معلوم نہیں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو'' کالا'' کہنے میں کیا لطف وثواب مضمر ومستتر ہے۔

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفاد و مستفاض ہے کہ: ''محبت اندھی ہوتی ہے''، یہی وجہ ہے کہ: کالا محبوب بھی خوب رنگ دکھائی پڑتا ہے، لیکن کیا کمالِ تعجب ہے کہ ایک طرف مؤذنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت اور عشق کے بے نظیر دعوے اور دوسری جانب ان کے دیگر عظیم فضائل کو چھوڑ کر محض ''سیاہ رنگت'' کا پرچار۔

معلوم نہیں کس زبان میں اتنی تاثیر تھی کہ ہر خاص و عام اپنے اپنے انداز میں کالی رنگت کے افسانے میں اسی کی پیروی کرتا چلا جا رہا ہے، مصنفین وواعظین میں سے کسی بھی صاحب کا نام لئے بغیر چند نمونے پیشِ نظر ہیں، ملاحظہ فرمائیں!

کسی نے لکھا کہ: ''حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی رنگت سیاہ تھی''۔

کسی نے یوں لکھ دیا کہ: ''حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ وہ مقدس ہستی جس کے چہرے کی رنگت سیاہ تھی''۔

کسی نے لکھا کہ: آپ رضی اللہ عنہ کا رنگ تیز گندمی یعنی سیاہ تھا۔

کسی نے لکھا کہ: ''حضرت بلال رضی اللہ عنہ ظاہری صورت سے تو سیاہ فام تھے''۔ پھر یہی صاحب اپنی کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں کہ: ''حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے ہجرت مدینہ کے بعد جب اپنا گھر بسایا تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہ غریب الدیار تھے ظاہری حسن و جمال سے محروم تھے مگر اللہ تعالیٰ عزوجل نے آپ رضی اللہ عنہ کو باطنی حسن عطا کیا تھا''۔

کسی نے لکھ دیا کہ: ''علاوہ ازیں وہ حسنِ ظاہری سے بھی محروم تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ: سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ غریب الدیار تھے مگر ان میں کوئی خوبی تھی تو وہ صرف یہ کہ: شمع رسالت کے پروانوں میں شامل تھے''۔

ایک خطیب نے دورانِ وعظ یہ کہہ دیا کہ: ''عاشقاں دا امام، رنگ دا کالا بلال'' عوام اس ایک جملے پر اتنے خوش ہوئے کہ خطیب پر اپنی جیبیں خالی کر ڈالیں۔

کسی واعظ نے کہا: ''عشق جبش وچوں ٹر کے آ گیا، تے عشق دا رنگ کالا،

حبشیاں دا پتر بلال''۔

ایک نقیب نے یوں کہا اور خوب پذیرائی کمائی!

''کالا رنگ تے حبش دے رہن والا''

''کیتا عشق بلال نے دل لا کے''

''رب روپ بلال دا ونڈ چھڈ یا'' ''ہر حور دے متھے تے تل لا کے''

کسی نے کہا کہ:

''تجھ سے ہی ہمرنگ ہیں غلاماں کی لمبی کاکلیں''

''تو سوادِ سرمہ ء دنبالہ وارِ حور ہے''

معاف کیجئے گا! میرا مقصد کسی کی ہتکِ عزت یا جذبات مجروح کرنا نہیں بلکہ ہر کسی کو یہ خبر دینا ہے کہ: ان الفاظ سے جنابِ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ تو ایک طرف خود سیّدنا حضور قبلۃ العشاق صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات بھی مجروح ہو رہے ہیں، دورِ حاضر کے وارثانِ منبر!...... معاف کرنا...... بلکہ حاملانِ منبر اس غلطی کے پورے پورے ذمہ دار ہیں کیونکہ عوام وہی یاد رکھتی ہے جو یہ بیان فرمادیں، حق تو یہ ہے کہ: ''مال'' کی پرواہ چھوڑ کر ''حال'' کی فکر کرتے ہوئے ''قال'' کی اصلاح کے لئے احقاقِ حق کی پرواہ کرتے ہوئے ذرا سی تحقیق کی تکلیف گوارا فرمالیں تو خود کے ساتھ ساتھ دوسروں پر بھی احسان ہو۔

آخر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے داعیانِ عشق کا ''سیاہ رنگت'' پر شور مچا کر زور دینا کہاں کا انصاف ہے؟ اس معاملے میں میری سمجھ میں آج تک یہ نہیں آیا کہ: یہ کیسا عشق ہے؟

اپنے ناموں کے ساتھ اعزازاً ''عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھنا لکھانا

بہت عام ہے، لیکن اگر کچھ ایسا ہے جو عام نہیں ہے تو وہ ہے "ثبوتِ عشق"، شاعر کہتا ہے!

نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

اور یہ تو کچھ بھی نہیں، مجھے یہ بات بھی پہنچی ہے کہ: ایک صاحب پر عشقِ بلال رضی اللہ عنہ کا معلوم نہیں کتنا جوش سوار ہوا کہ آنجناب نے تو یہاں تک کہہ ڈالا کہ: "صدقے جاواں بلال دے حُسن توں! رنگ شا کالا، موٹے موٹے ہونٹ، پَچوڑا نک، اکھاں وچ وڑیاں، متھاں باہر نکلیا ہوئیا، زبان تھتھی، آکھو سبحان اللہ!" (معاذ اللہ)

اس کے علاوہ مجھے ایک ایسے بدباطن اور بدشکل کے بارے میں بھی خبر دی گئی جو خود بڑا بدصورت اور رنگ کا کالا سیاہ تھا اس اخبث الخبائث نے ایک جگہ دورانِ خطاب (نعوذ باللہ من ذالک) یوں بکواس کی کہ!

"میتھوں وی کالا تے کوجا بلال"

شرم و حیاء اور خدا کا خوف تک نہیں، کیا واقعی "صاحبِ جمال" حضور سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ جیسے عظیم المرتبہ صحابی کا ایسا مکروہ حلیہ منبر سنبھالنے والے بیان کر رہے ہیں؟ پھر جب کہا جائے تو کہتے ہیں کہ: "ہم تو بلال کے عاشق ہیں" مانا کہ عشق اندھا ہوتا ہے لیکن ایسا اندھا! نہ کبھی دیکھا اور نہ ہی کبھی سنا۔ "قیس مجنوں" سے کسی نے کہہ دیا: تمہیں لیلیٰ میں کیا نظر آیا اس کا تو رنگ ہی "کالا" ہے! بولا: تم تو اندھے ہو ذرا میری آنکھ سے دیکھو تو وہ تمہیں ساری دنیا سے زیادہ خوبصورت نظر آئے۔

لیکن یہاں رنگ کا کالا کہنا تو ایک طرف، ایمانی کیفیت کا ستیاناس کرنے کے لئے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ پر ایسے ایسے الفاظ کسے جارہے ہیں کہ: خدا کی پناہ! یہ لوگ منبروں کے حقدار ہی نہیں، ایسے بدباطنوں کو منبروں پر بٹھانا، انہیں سننا، ان کی ہاں میں ہاں ملانا، ان کی حوصلہ افزائی کرنا اور ان پر اپنا مال نچھاور کرنا سب حرام ہے جب تک سچی توبہ نہ کرلیں۔

خدا سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے طفیل ہمارے ایمان کا تحفظ فرمائے، اس تمام تمہید کا ماحصل یہ ہے کہ: چونکہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رنگ کے بارے میں بہت بڑی غلط فہمی ہے جسے دور کرنے کے لئے یہاں ایک الگ بحث کرنا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے چنانچہ..... !

باب

(رنگ)

ہمارا دعویٰ ہے کہ: سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا رنگ ”کالا“ نہیں بلکہ گندمی تھا چنانچہ اس پر کئی طرح کے دلائل وشواہد موجود ہیں جن میں پہلی دلیل مکحول کی بیان کردہ وہ روایت ہے جسے ماہرینِ فن، ائمہ حدیث اور سیر و تواریخ کے منجھے ہوئے متعدد علماء نے بغیر کسی نقد و جرح کے قبول کر کے اپنی اپنی کتب کی زینت بنایا، چنانچہ ہم اس روایت کو 17 مستند حوالوں سے نقل کر رہے ہیں ملاحظہ فرمائیں!

”عن مكحول قال: حدثني من رأى بلالا، رجلا آدم، شديد الادمة“۔

(الطبقات الكبرىٰ لابن سعد جلد2 صفحه نمبر 127)
(مستدرك للحاكم جلد3 صفحه نمبر 495 رقم الحديث 5309)
(سير اعلام النبلاء للذهبي جلد3 صفحه نمبر 218)
(تاريخ الاسلام للذهبي جلد3 صفحه نمبر 391)
(تاريخ لابن عساكر جلد6 صفحه نمبر 252)
(الاستيعاب لابن عبد البر صفحه نمبر 120)
(معرفة الصحابه لابي نعيم جلد 1 صفحه نمبر 333)
(اسد الغابه لابن الاثير جلد 1 صفحه نمبر 131)
(صفة الصفوة لابن الجوزي صفحه نمبر 117)
(البدايه والنهايه المعروف تاريخ لابن كثير جلد5 صفحه 139)
(جامع المسانيد والسنن لابن كثير جلد 1 حصه 2 صفحه 386)
(تاريخ الخميس للدياربكري جلد3 صفحه نمبر 252)
(معجم الصحابة للبغوي جلد 1 صفحه نمبر 275)
(جامع الآثار لابن ناصر الدين الدمشقي جلد5 صفحه 2809)
(اصحاب البدر او المجاهدون الاولون صفحه 107)
(مدارج النبوت للشيخ عبد الحق دهلوي جلد2 صفحه 584)
(تهذيب الكمال في اسماء الرجال للمزي جلد4 صفحه 290)

ترجمہ: مکحول کہتے ہیں کہ: مجھے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زیارت کرنے والے ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ: آپ رضی اللہ عنہ سخت گندمی رنگ والے تھے۔

ثابت ہوا کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا رنگ مبارک گندمی ہی تھا کالا سیاہ یا کالا حتیٰ کہ: کالا مائل بھی نہیں تھا۔

اعتراض:

اس روایت سے حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے رنگ مبارک کے گندمی ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں! اسکی کئی وجہیں ہیں!

پہلی وجہ:

اس روایت کی سند میں دو قسم کی خرابیاں ہیں!

(i)۔ اس روایت کو واقدی نے بیان کیا اور واقدی کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ: وہ متروک الحدیث ہے یعنی اس کی روایت کو ترک کر دیا جائے گا۔

(ii)۔ سند کے آخر میں ایک راوی مجہول ہے جس کی وجہ سے یہ روایت قابلِ استدلال نہیں رہتی۔

دوسری وجہ:

اس روایت میں ''شدید الادمة'' کے لفظ سے مراد ہے سخت گندمی یعنی ''سیاہ'' جیسا کہ امام ذہبی نے اپنی تاریخ الاسلام جلد 3 صفحہ نمبر 625 اور سیر اعلام النبلاء جلد 3 صفحہ 448 میں بیان کیا ہے کہ: ''وکذا کل من غلب علیه السواد، قالوا: اسوداو شدید الادمة'' اسی طرح جس چیز پر کالا

رنگ غالب آجائے اس کو عرب ''اسود'' یا ''شدید الادمۃ'' کہتے ہیں۔

الجواب: پہلی وجہ کا جواب:

سابق میں مذکور ہماری روایت کے ناقابلِ استدلال ہونے پر باعتبارِ سند دو طرح کا اعتراض کیا گیا ہے!

(i)۔ علامہ واقدی کو ''متروك الحدیث'' کہا گیا حالانکہ اس سلسلے میں امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضاء خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ''فتاویٰ رضویہ جلد 5 صفحہ نمبر 526'' میں فرماتے ہیں کہ:

''امام واقدی ہمارے نزدیک ثقہ ہیں، امام واقدی کو جمہور اہلِ اثر نے چنین وچناں کہا جس کی تفصیل میزان وغیرہ کتبِ فن میں مسطور، لاجرم تقریب میں کہا: ''متروك مع سعة علمه'' (یعنی علمی وسعت کے باوجود متروک ہے) اگرچہ ہمارے علماء کے نزدیک ان کی توثیق ہی راجح ہے ''کما افاده الامام المحقق فی فتح القدیر'' (جیسا کہ امام محقق نے فتح القدیر میں اس کو بیان کیا ہے) باایں ہمہ یہ جرح شدید ماننے والے بھی انہیں سیر و مغازی واخبار کا امام مانتے اور سلفاً وخلفاً ان کی روایات سیر میں ذکر کرتے ہیں ''کما لایخفی علی من طالع کتب القوم'' (جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں جس نے قوم کی کتب کا مطالعہ کیا ہے) میزان میں ہے: ''کان الی حفظه المنتهی فی الاخبار والسیر والمغازی والحوادث وایام الناس والفقه وغیر ذالك'' (یہ اخبار واحوال، علمِ سیر ومغازی، حوادثاتِ زمانہ اور اس کی تاریخ اور علمِ فقہ وغیرہ کے انتہائی ماہر اور حافظ ہیں)''۔ (کلامِ اعلیٰ حضرت مکمل ہوا)

میں کہتا ہوں کہ: اگر بالفرض انہیں بقولِ معترض متروک مان ہی لیا جائے تو

بھی امام واقدی کی بیان کردہ یہ روایت صرف روایتِ واقدی ہونے کی وجہ سے تو ترک نہیں کی جاسکتی کیونکہ علماءِ حدیث نے انہیں حدیث میں متروک کہا نہ کہ: سیر واخبار، مغازی وحوادث میں، بلکہ ان فنون میں تو ان کو امام اور ان کا ماہر مانا گیا تو جب ایسا ہی ہے جیسا کہ ہے بھی، تو غور طلب امر یہ ہے کہ: مذکورہ روایت احکامِ شرع نہیں بلکہ سیرت سے ہی متعلق ہے۔ جس میں سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رنگ وغیرہ کا بیان ہے نہ کہ کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کا۔

مزید برآں جن علماء نے انہیں ''متروک الحدیث'' قرار دیا وہی علماء خود ان کی روایات کا بھرمار اپنی کتابوں میں داخل کئے بیٹھے ہیں خاص کر اسی روایت کو کئی مستند علماءِ حدیث نے اپنی کتابوں کی زینت بنایا جیسا کہ بیان کر دیا گیا، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ: علامہ واقدی کی بیان کردہ روایات کے بغیر سیر ومغازی کا بیان ادھورا ہے، ان کی توثیق کے لئے یہی کافی ہے۔

(ii)۔اس روایت کی سند پر دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ: ''اس کے آخر میں ایک مجہول راوی ہے'' تو اگر چہ کچھ علماءِ حدیث نے مجہول راوی کی روایت کو نامقبول قرار دیا ہے لیکن ہمارے نزدیک راوی کا مجہول ہونا کوئی عیب نہیں ہے، جیسا کہ ہمارے امام امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہی قاعدہ مسلمہ ہے کہ: ایسے راوی کی روایت تب ہی نامقبول ہوگی جبکہ سلف نے اس روایت کو کسی اور وجہ سے مردود قرار دے دیا ہو یا پھر اس راوی کا تعلق تابعین کے زمانے کے بعد سے ہو، چنانچہ اگر اس راوی کا تعلق قرونِ ثلاثہ سے ہو تو وہ راوی مطلقاً مقبول ہوگا۔

چنانچہ یہاں جس راوی کے مجہول ہونے پر گفتگو کی جارہی ہے اس کا تعلق

بھی قرونِ ثلاثہ سے ہی ہے، مزید برآں اس روایت کو ماہرینِ فن نے بھی اپنی کتابوں میں حضرت سیّدنا بلال حبشی یمنی رضی اللہ عنہ کی سیرت میں بلاتنقید نقل کیا ہے جو کہ: اس پر اعتماد کی ایک بڑی علامت ہے۔

دوسری وجہ کا جواب۔

روایتِ مذکورہ بالا کے نا قابلِ استدلال ہونے کی دوسری وجہ باعتبارِ معنیٰ یہ پیش کی گئی ہے کہ: اس روایت میں موجود لفظ ''شدید الادمۃ'' کا معنیٰ سخت گندمی یعنی کالا سیاہ ہے۔ جس میں دلیل کے طور پر امام ذہبی کا قول پیش کیا گیا ہے، حالانکہ امام ذہبی کا یہ قول اپنے معنیٰ کے لحاظ سے دو طرح کا احتمال رکھتا ہے!

(i)۔ اگر امام ذہبی کی اس عبارت سے یہ مراد لیا جائے کہ: ''شدید الادمۃ'' کا اطلاق خوب کالے سیاہ رنگ پر ہوتا ہے تو امام ذہبی کا یہ فلسفہ نا قابلِ فہم ہی نہیں بلکہ قابلِ تردید بھی ہے کیونکہ ''شدید الادمۃ'' کا لفظ صرف حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے لئے ہی نہیں بولا گیا بلکہ یہی لفظ حیرت انگیز طور پر کئی اور جلیل القدر ہستیوں پر بھی بولا گیا ہے جن کے بارے میں سیر و تواریخ کے آئینے میں یہ ماننا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے کہ: ان کا بھی رنگ خوب کالا سیاہ ہوگا مثلاً!

(۱)۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی ''آدم شدید الادمۃ'' تھے۔ (تاریخ ابن عساکر جلد 24 صفحہ نمبر 194)

(۲)۔ حضرت مولیٰ علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ بھی '' آدم شدید الادمۃ'' تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ نمبر 16)

(سیر اعلام النبلاء للذهبی جلد2 صفحہ 496)

(تاریخ الاسلام للذہبی جلد3صفحہ137)
(صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی صفحہ نمبر83)
(الاکمال فی اسماء الرجال للتبریزی صفحہ 58رقم458)
(تذکرۃ الخواص لسبط ابن الجوزی صفحہ10)

(۳)۔حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی ''آدم شدید الادمۃ'' تھے۔

(طبقات ابن سعد جلد2صفحہ نمبر26)
(سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد3صفحہ141)
(تاریخ الاسلام للذہبی جلد3صفحہ310)
(صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی صفحہ نمبر102)

(۴)۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ''شدید الادمۃ'' تھے

(سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد3صفحہ281)
(تاریخ الاسلام للذہبی جلد3صفحہ456،480)
(صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی صفحہ 106)
(المرقاۃ شرح المشکوۃ لملا علی قاری جلد11صفحہ341)
(الاکمال فی اسماء الرجال للتبریزی صفحہ65رقم510)

بلکہ طبقات ابن سعد جلد2 صفحہ نمبر 84 میں تو ''اشد الادمۃ'' بھی کہا گیا ہے۔

(۵)۔حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی ''شدید الادمۃ'' تھے۔

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم جلد1صفحہ303)

(۶)۔حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی ''شدید الادمۃ'' تھے۔

(طبقات ابن سعد جلد2صفحہ نمبر214)
(سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد3صفحہ105)

(تاریخ الاسلام للذھبی جلد3صفحہ274)

(۷)۔حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بھی ''شدید الادمۃ'' تھے۔

(سیر اعلام النبلاء جلد4صفحہ نمبر211)

(تارخ الاسلام للذھبی جلد4صفحہ101)

(۸)۔حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ بھی ''آدم شدید الادمۃ'' تھے۔

(سیر اعلام النبلاء جلد4صفحہ نمبر523)

(عیون الحکایات لِابن الجوزی صفحہ34،36)

(روض الریاحین للیافعی صفحہ164،167)

(حجۃ اللہ علی العالمین للنبھانی صفحہ395)

لہٰذا ثابت ہوا کہ اگر امام ذہبی کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ مراد لیا جائے کہ: ''شدید الادمۃ'' کا معنیٰ خوب کالا سیاہ ہوتا ہے تو یہ قابلِ تسلیم نہیں، ورنہ سیّدنا فاروق اعظم، سیّدنا مولیٰ علی شیرِ خدا، سیّدنا زید بن حارثہ، سیّدنا عبداللہ بن مسعود، سیّدنا معاذ بن جبل، سیّدنا عثمان بن مظعون، سیّدنا حکیم بن حزام اور سیّدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی باعتبارِ رنگ ''کالا سیاہ'' ماننا پڑے گا، حالانکہ سیّدنا فاروق اعظم اور سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کے بارے میں ''ابیض'' (سفید رنگت والے) کے الفاظ بھی روایت کئے گئے ہیں اسی طرح مذکورہ بالا دیگر حضرات کی رنگت کے سفید یا گندمی ہونے پر بھی صریح الفاظ موجود ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ: ''شدید الادمہ'' کے الفاظ ''ابیض'' کی ضد بالکل نہیں ورنہ اتنا بڑا تضاد ماہرینِ تنقید کی نظروں سے بھلا کیسے چھپ سکتا ہے؟ اور یہاں تو شدّت محض لفظِ ''شدید'' بصیغہ صفت سے مروی ہے جس سے سیرت نگاروں اور مترجمین کو ایسا دھوکہ پڑا کہ انہیں مجبوراً ''کالا رنگ'' لکھنا پڑ گیا، حالانکہ یہاں اس سے بھی کہیں زیادہ قابلِ توجہ عبارت تو ''طبقات ابن سعد'' کی ہے جس میں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بصیغہ تفضیل ''اشد الادمۃ'' کہہ دیا گیا جو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے لئے استعمال کردہ ''شدید الادمۃ'' سے بھی کہیں زیادہ سخت ہے، اس طرح کے الفاظ تو جناب سیّدنا بلال رضی الہ عنہ کے لئے بھی کہیں استعمال نہیں ہوئے، اب یہاں میں سیرت نگاروں اور مترجمین سے پوچھتا ہوں کہ: کیا ہے کوئی یہاں جناب سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے لئے ''سب سے زیادہ کالے'' کا ترجمہ کرنے والا؟ کیونکہ امام ذہبی کی مذکورہ موہومہ مرادِ محتملہ کی روشنی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ کالے سیاہ ثابت ہورہے ہیں، حالانکہ آج تک کسی نے بھی مذکورہ بالا بزرگ حضرات بالخصوص سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ''کالا سیاہ'' یا ''کالا'' یا کم از کم ''کالا مائل'' تو کجا؟ تھوڑا سا ''کالا'' بھی نہیں کہا۔

نیز ہم یہ بات اچھی طرح جانتے اور مانتے ہیں کہ کسی کے رنگ کا کالا ہونا کوئی عیب نہیں لیکن اگر مان بھی لیا جائے کہ: ''شدید الادمہ'' کا معنیٰ کالا سیاہ ہی ہوتا ہے تو جن حضرات کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے ان سب کی رنگت کو چھوڑ کر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے ہی رنگ کو ''کالا سیاہ'' بیان کرنے میں آخر کونسا مزہ مستتر اور کتنا ثواب مستقر ہے؟

بلکہ اگر کالا رنگ بیان کرنے میں ہی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی مدح سرائی ہے تو پھر یہی مدح سرائی ان حضرات کی بھی ہونی چاہیے جن کے لئے ''شدید الادمہ'' کہا گیا ہے اور اگر کالا کہنے میں دوسرے احباب کی بے ادبی یا گستاخی یا شان میں خرابی ہے تو پھر یہی لفظ بولنے پر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ

عنہ کی شان میں بھی بے ادبی قرار دے دینی چاہیے۔ چنانچہ اس ساری خرابی کی بنیادی وجہ محض علامہ ذہبی کی عبارت کا غلط مفہوم مراد لے لینا ہی ہے، لہذا یا تو امام ذہبی کی عبارت کو ہی چھوڑ دیجیے یا پھر اس سے غلط مطلب مراد لینا چھوڑ دیجیے، بہرصورت ماننا ہی پڑے گا کہ: امام ذہبی کے بیان کردہ اس قاعدے کے مطابق ''شدید الادمۃ'' سے ''کالا سیاہ'' یا ''کالا'' تو ہرگز بھی نہیں ہو سکتا۔

(ii)۔ اور اگر امام ذہبی کی عبارت سے یہ مراد لیا جائے کہ: آپ رضی اللہ عنہ کا ''رنگ گندمی یا سخت گندمی تھا'' تو یہ بالکل درست اور ہمارے دعویٰ کے عین مطابق ہے اور درحقیقت یہی امام ذہبی کی مراد بھی ہے کیونکہ اگر امام ذہبی کی مذکورہ بالا پیش کردہ عبارت کو ان کی ''سیر'' یا ''تاریخ'' سے مکمل نقل کر کے پیش کیا جاتا تو میں سمجھتا ہوں کہ اعتراض کی گنجائش ہی نہ رہتی، اور خود ہی سمجھ میں آ جاتا کہ: امام ذہبی بھی ''شدید الادمۃ'' سے ''گندمی رنگ'' ہی مراد لیتے ہیں ''کالا سیاہ'' نہیں اور ان کے بیان کے مطابق یہی عربوں کا طریقہ بھی تھا چنانچہ ان کی مکمل عبارت یوں ہے! ''ثم ان العرب اذا قالت: فلان ابیض، فانهم یریدون الحنطی اللون بحلیة سوداء، فان کان فی لون اهل الهند قالوا: اسمر، وآدم وان کان فی سواد التکرور، قالوا: اسود، وکذا کل من غلب علیه السواد، قالوا: اسود، او شدید الادمة''

یعنی بلاشبہ عربی لوگ جب یوں کہتے ہیں کہ: فلان ابیض یعنی فلاں سفید ہے تو اس سے ان کی مراد چمکدار گندمی رنگ ہوتا ہے جو سیاہی (یعنی کالے بال، ابرو، پلکوں وغیرہ) سے آراستہ ہو، چنانچہ اگر کسی کا رنگ اہلِ ہند کی طرح ہو تو عرب اسے ''اسمر'' اور ''آدم'' یعنی گندمی رنگ والا کہتے ہیں، اور اگر کالا سیاہ رنگ

ہوتو اس کو ''اسوڈ'' کہتے ہیں، اسی طرح جس رنگ پر بھی کالے رنگ کا غلبہ ہوتو اس کو بھی ''اسود'' یا ''شدید الادمة'' کہہ لیتے ہیں۔

اس پوری عبارت پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ: خوب کالے سیاہ یا محض سیاہ رنگ کو ''شدید الادمة'' نہیں کہتے، بلکہ امام ذہبی کے مطابق کسی رنگ میں کالے رنگ کی ملاوٹ کو ''شدید الادمة'' کہتے ہیں۔

لیکن ذرا ٹھہریئے تو سہی! اتنی بھی جلدی کیا ہے؟ علامہ ذہبی کی سابقہ عبارت اور ہماری وضاحت یونہی ''سیاہ'' رنگ کے حامیوں کو مفید نہیں۔ کیونکہ اگر آپ مذکورہ عبارت و وضاحت سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ: امام ذہبی نے ثابت کر دیا کہ سیاہی کے غالب آجانے کو ہی ''شدید الادمة'' کہتے ہیں تو بھئی پھر دیر کس بات کی ہے؟ چلیے! ذرا ہمت دکھایئے اور ان بزرگ صحابہ کو بھی ''کالا سیاہ'' کہہ ڈالیے جن کے لئے ''شدید الادمة'' کا اطلاق کیا گیا ہے، لیکن اتنی بڑی بیوقوفی کا ارتکاب کرنے سے پہلے ذرا اتنا ضرور سوچئے گا کہ معتبر علماءِ سیر تو ایک طرف خود امام ذہبی نے بھی اپنی ''سیر اعلام النبلاء'' اور ''تاریخ الاسلام'' وغیرہ کتابوں میں جن حضرات کے ساتھ ''شدید الادمة'' کا استعمال کیا ہے کسی جگہ بھی ''کالا رنگ'' مراد نہیں لیا ورنہ عبارت یوں ہوتی: ''كان فلان شديد الادمة اى الأسود'' (یعنی فلاں سخت گندمی یعنی کالا تھا) حالانکہ یہ مشکل العلاج مرض صرف موجودہ مترجمین و سیرت نگاروں اور واعظین کو ہی ہے اور بہت عام ہے کہ جہاں بھی ''سخت گندمی'' یا ''گہرا گندمی'' کا لفظ دیکھا یا بولا بغیر سوچے سمجھے ساتھ ہی شارح بن بیٹھے اور کہہ ڈالا ''یعنی کالا سیاہ''، کیا ان حاملانِ قلم کے پاس اپنے ان الفاظ کی کوئی ٹھوس دلیل موجود ہے؟ یا جس کی لاٹھی اسکی

بھینس کا نظام میدانِ تحقیق میں بھی رائج ہوگیا؟

کڑوا سچ:

میرے امام، میرے پیشوا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ کے رنگ کے بارے میں بھی ''گہرے گندمی رنگ'' کے الفاظ پائے جاتے ہیں، جس پر چند شدت پسند فرقوں کے شرارتی علماء بڑے مزے سے ان الفاظ کا مفہوم ''کالا سیاہ'' بیان کر کے اپنی تقریروں کو طعن و تشنیع سے آلودہ کر کے اپنے سامعین کو نشہءِ شرارت میں مست کر دیتے ہیں، ان کا یہ اخلاقی و معنوی جرم تو ایک طرف !!ان پتھر کے پتلوں سے کیا اُمید؟ مجھے تو تعجب اپنے ان حضرات پر ہے جن میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لئے ''گہرے گندمی'' رنگ کی شرح ''طبائعِ شریرہ'' کی جانب سے ''کالا سیاہ'' سننے پر تو غیرتِ مسلک میں جل جائیں اور دفاع میں جوابی جلسے تک منعقد کر ڈالیں لیکن اعلیٰ حضرت اور ان جیسی بے شمار عظیم ہستیوں کے امام اور عظیم صحابیءِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضور سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے لئے بولے گئے لفظ ''شدید الادمۃ'' کا مفہوم ''کالا سیاہ'' دیکھتے سنتے ہی چپ سادھ لینے اور اصلاحاً جواباً اُف تک نہ کہنے کو میں کیا کہوں؟ یہاں جرأتِ علمی و غیرتِ ایمانی کو زنگ کیونکر لگ جاتا ہے؟ اور اس پر بھی طُرفہ یہ کہ: اس نادانی کو عشق سے ایسا موسوم کر دیا گیا کہ جب تک سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو کالا نہ کہہ لیں بات مکمل نہیں ہوتی، یہ کیسا عشق ہے؟

لہٰذا پہلے ''شدید الادمۃ'' میں انصاف فرمائیں تو اہلِ شرارت خود ہی دم توڑ جائیں گے چنانچہ میں کہتا ہوں کہ: اگر علامہ ذہبی کی عبارت کا غلط مفہوم مراد لینے والے صرف اسی بات پر غور کر لیں تو انہیں پتہ ہو کہ حق کیا ہے؟ چنانچہ علامہ

ذہبی کی عبارت سے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رنگ کے گندمی ہونے پر دوطرح سے بہترین استدلال کیا جاسکتا ہے چنانچہ!

(۱)۔ امام ذہبی کے مطابق عرب ہندوستانیوں کے رنگ کو ''آدم'' کہا کرتے ہیں جس کا معنیٰ گندمی رنگ ہوتا ہے جس سے یہ سمجھنا آسان ہوجاتا ہے کہ: جب ''شدید الادمة'' کے لفظ کے ساتھ ''آدم'' کے لفظ کا استعمال کیا جائے تو اس سے گندمی رنگ ہی مراد لیا جائے گا نہ کہ سیاہ، حتیٰ کہ اگر ''شدید الادمة'' کو اکیلا ہی استعمال کردیا جائے تو بھی اس سے مراد گندمی رنگ ہی ہوگا۔

لیکن اگر ''شدید الادمة'' کے ساتھ لفظ ''اسود'' کا استعمال کیا جائے تو اس سے کالا سیاہ رنگ مراد ہوگا نہ کہ گندمی، جیسا کہ مسند رؤیانی حصہ نمبر 2 صفحہ نمبر 146 میں رقم الحدیث 1079 پر حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''وكان الذى رمى به رجلا شديد الادمة ابن الحبشية'' اور ایک جملے کے بعد فرمایا: ''فولدت غلاما اسود جعد الرأس كانه ابن الحبشية'' یہاں سے واضح ہوا کہ: ''شدید الادمة'' کا معنیٰ اسی وقت سیاہ مراد لیا جائے گا جب اس کے ساتھ ''اسود'' کا استعمال کیا جائے۔

نیز اسی طرح ذرا سابق میں ذکر کردہ بزرگ حضرات کے رنگ کے بارے میں بیان شدہ عبارات پر غور کریں کہ وہاں ''شدید الادمة'' کے ساتھ روایات میں لفظ ''آدم'' کا اضافہ بھی کیا گیا ہے جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ ان کا رنگ سیاہ نہیں تھا اور بالکل یہی الفاظ ''آدم شدید الادمة'' ہماری ذکر کردہ روایت

میں حضرت سیّدنا بلال حبشی یمنی رضی اللہ عنہ کے لئے بھی بیان کئے گئے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا رنگ بھی گندمی ہی تھا نہ کہ سیاہ، چنانچہ امام ذہبی کے قول کو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رنگ کے سیاہ ہونے پر دلیل بنانا درست نہیں۔

(۲)۔

"شدید الادمۃ" اضافت کے ساتھ دو لفظوں کا مجموعہ ہے!

(i)۔شدید (ii)۔الادمۃ

(i)۔لفظِ "شدید" لغت کی مشہور و معروف کتب مثلاً! "المنجد، فیروز اللغات، المعجم الوسیط، تاج العروس، مقاییس اللغۃ صفحہ نمبر 446، لسان العرب جلد 2 صفحہ نمبر 623، 624، مشارق الانوار جلد 2 صفحہ نمبر 415 اور المفردات فی غریب القرآن صفحہ نمبر 259" کی روشنی میں "تقویت و تقویم" کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ: یہ لفظ معنیٰ کی مزید پختگی کے لئے آتا ہے نہ کہ اسے اسکی ہیئت سے خارج کرنے کے لئے اور بعض نے اسے "غلبہ وعروج" کے معنیٰ میں بھی مراد لیا ہے جس کا مطلب بھی یہی ہے کہ: یہ لفظ معنیٰ کے غلبہ اور عروج کو بیان کرنے کے لئے آتا ہے نہ کہ ہیئت کو بدلنے کے لئے۔

(ii)۔لفظِ "الادمۃ" پر اہلِ لغت کے ہاں کئی نفیس معانی بیان کئے جاتے ہیں چنانچہ! "تاج العروس من جواہر القاموس" جلد 31 اور "لسان العرب" جلد 7 صفحہ نمبر 10، 12 میں ہے کہ:

☆۔"الادمۃ : السمرۃ وقیل : ھو البیاض الواضح"۔

"الادمہ": السمرۃ کو کہتے ہیں، کہا گیا ہے کہ: یہ واضح سفید رنگ ہے۔

☆۔"قال ابو حنیفة: الادمة: البیاض"۔
امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ: ''الادمہ'' سفیدی ہے۔
☆۔"قال الزجاج: یقول اھل اللغة ان اشتقاق" آدم "لانه خلق من تراب وکذالك "الادمة" انما ھی مشتبھة بلون التراب"۔
زجاج کہتے ہیں کہ: اہل لغت کے نزدیک لفظِ ''آدم'' کا اشتقاق بھی ''الادمہ'' ہے اور ''الادمہ'' مٹی سے مشابہ رنگ کو کہتے ہیں۔
چنانچہ ان میں سے پہلی عبارت میں ''ادمہ'' یعنی گندمی رنگ کی وضاحت کے زمرے میں یہ کہا گیا ہے کہ ''ادمہ'' سے مراد ''السمرۃ'' ہے جس کے بارے میں "تاج العروس"، "لسان العرب" جلد 3 صفحہ نمبر 351 میں مزید یوں ہے کہ: "وفی صفته صلی اللّٰه علیه وسلم کان اسمر اللون" یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت مبارک یہ تھی کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوب روشن رنگ والے تھے۔
نیز یوں بھی ہے کہ: "السمر: لون ضوء القمر لانھم کانوا یتحدثون فیه"۔ ''السمر:'' چاند کی روشنی کی طرح کا رنگ ہوتا ہے کیونکہ اس میں عرب لوگ قصے سنایا کرتے تھے۔
چنانچہ علامہ ابن منظور کی پیش کردہ ان تمام عبارات کو سامنے رکھ کر یہ سمجھنا ذرا بھی مشکل نہیں رہتا کہ: ''الادمہ'' سفیدی مائل چمکدار مٹی یا گندمی رنگ ہی کو کہتے ہیں
مزید برآں طبقات ابن اسعد جلد 2 صفحہ نمبر 173 کی ایک روایت بھی اسی معنیٰ پر شاہد ہے کہ: ''عن سالم بن عبد اللّٰه قال: سمعت ابن عمر

رضی اللّٰہ عنہما یقول: انما جائتنا الادمۃ من قبل اخوالی ......الخ"
یعنی حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ہم میں گندمی رنگت میرے ماماؤں کی طرف سے آئی ہے......الخ۔

چنانچہ جب یہ واضح ہوگیا کہ: "الادمۃ" کا معنیٰ گندمی رنگ ہی ہوتا ہے نہ کہ "کالا"، اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ: لفظ "شدید" معنیٰ کی "تقویت وتقویم" اور "غلبہ وعروج" کے لئے آتا ہے تو ثابت ہوا کہ: لفظ "شدید" کو "الادمۃ" کا مضاف بنانے کی صورت میں "الادمۃ" کے معنیٰ کی "تقویت وتقویم" یعنی اسے برقرار رکھنے کا فائدہ ہی دے گا، یہ نہیں ہوسکتا کہ: اسے اسکی ہیئت سے خارج کر کے وصف کا بدل جانا ہی مراد لے لیا جائے اسی لئے مجھے ان حضرات پر بیحد تعجب ہے جو "الادمہ" کا لفظ "شدید" کو مضاف بنانے کی صورت میں "کالا سیاہ رنگ" مراد لے لیتے ہیں حالانکہ ہماری تحقیق کے مطابق کسی ایک ماہرِ لغت نے بھی ایسا نہیں کہا۔

لیکن اگر یہاں علامہ ذہبی کی سابقہ عبارت کو بطور دلیل پیش کیا جائے اور ان کے نزدیک لفظ "شدید" کے اضافے سے "الادمہ" میں کالے رنگ کا پایا جانا مان بھی لیا جائے تو بھی اس سے "کالا سیاہ" رنگ مراد لینا ناممکن ہے کیونکہ کبھی کبھار گورے کے مقابلے میں گندمی رنگ والے کو بھی "کالا" کہہ دیا جاتا ہے ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ: کسی بھی رنگ کے بیان کے شروع میں لفظ شدید کا آنا رنگ میں شدت یعنی سیاہی کا اشارہ دیتا ہے تو اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ: بیہقی نے دلائل النبوۃ جلد 1 صفحہ 167 میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ:"کان شدید البیاض " البیاض کے ساتھ شدید کی اضافت سے "کالا" مراد لینے والے یہاں کونسا معنیٰ مراد لیں گے؟ "بیاض" تو "بیاض" ہوتا ہے لفظ شدید کی اضافت سے صفتِ "بیاض" میں مزید تقویت اور تقویم پیدا ہوگئی۔

چنانچہ جب اِس حدیث شریف میں "شدید" کی اضافت لفظ "البیاض" کے معنیٰ کو تقویت وتقویم یعنی مزید پختہ کرنے کا فائدہ دے رہا ہے جس سے مراد سفید ہی ہوگا نہ کہ کوئی اور رنگ، تو پھر لامحالہ "شدید الادمۃ" میں بھی "شدید" کا لفظ تقویت وتقویم ہی کا فائدہ دے گا جس سے گندمی ہی مراد ہوگا۔

نیز لفظ "شدید" کو غلبہ اور عروج کے معنیٰ میں مراد لینے کا فائدہ بھی بالکل عیاں ہے اور وہ یوں کہ: گندمی رنگ کا عروج خوب گندمی ہوجانے میں ہی ہے یعنی غلبے اور عروج میں بھی گندمی گندمی ہی رہے گا اور اگر غلبے اور عروج سے اسے سیاہی کی طرف مائل کردیا جائے تو وہ غلبہ یا عروج نہیں کہلائے گا اور وہ "الادمہ" کی حالت سے نکل کر "سواد" میں پہنچ جائے گا تو اس وقت اس پر "الادمہ" کا اطلاق بھی درست نہیں ہوگا پھر اسے بجائے "شدید الادمۃ" کہنے کے اس پر "اسود، سواد" یا "شدید السواد" کا اطلاق کیا جائے گا چنانچہ اس صورت میں کالا سیاہ رنگ مراد لینے میں دقت کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑے گا حالانکہ آجکل تقریباً ہر خاص وعام یہاں غیر معقول اور غیر ممکن طور پر "شدید الادمۃ" سے "کالا سیاہ" رنگ ہی مراد لیا جاتا ہے جو فہم وتدبر سے خالی ہے۔

چلیں ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ بھی مان لیتے ہیں کہ: "گندمی رنگ میں

جب شدت پائی جاتی ہے تو وہ سیاہی کی طرف مائل ہوجاتا ہے" لیکن ذرا انصاف سے کام لے کر بتائیں کہ: کیا "مائل ہونے" اور "سیاہ ہونے" میں کوئی فرق نہیں؟ جب تک گندمی رنگ باقی ہے اسے کالا سیاہ قرار دے دینا ہرگز بھی انصاف نہیں اور جب اس پر کالے رنگ کا غلبہ ہی ہو جائے کہ رنگ گندمی بھی نہ رہے تو پھر اسے سخت گندمی کہنے کا کیا مطلب؟

ازالہ وہم:

تعجب ہے کہ: شیخ محقق شاہ عبدالحق دہلوی کی مدارج النبوت یا کئی دیگر کتب جن میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رنگ کے بارے میں "شدید الادمۃ" لفظ کا استعمال ہوا ہے ان کتب کا ترجمہ کرنے والے اچھے خاصے اہلِ علم نے بھی انصاف سے کام نہیں لیا اور لاپرواہی کا مظاہرہ کیا ہے جنہوں نے "شدید الادمۃ" کا سیدھا اور صاف طور پر "گہرا سیاہ رنگ اور کالا سیاہ رنگ" ترجمہ کر ڈالا، پڑھنے دیکھنے والے یہی سمجھیں گے کہ: مترجم نہیں بلکہ شیخ محقق یا اس کتاب کے مصنف نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو "کالا سیاہ" کہا ہے، اب اس اتنی بڑی غلطی پر کسی کو افسوس بھی نہیں، شاید شائقین وذائقین تحقیق نے اپنے ذہن وضمیر کو اس پر راضی کرلیا کہ!

یہ جو تلوار کی دھار پہ رقص ہے اسکے آداب کی پاسداری رہے
رقص جاری رہے، رقص جاری رہے، رقص جاری رہے

خلاصہ یہ کہ: ہم سابق میں ثابت کر چکے ہیں کہ: "شدید الادمۃ" سے مراد "کالا" یا "کالا سیاہ" یا "شدید کالا رنگ" مراد لینا فہم وشعور سے پرے ہے بالخصوص جب "شدید الادمۃ" کے ساتھ لفظِ "ادم" کا استعمال کر دیا جائے،

اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ: علامہ ذہبی کی سابقہ عبارت کو بھی بلاشبہ اسی قاعدے پر محمول کیا جائے گا کہ ''شدید الادمۃ'' سے کالا رنگ تب مراد ہوگا جب اس کے ساتھ ''اسود'' کی قید ہو ورنہ بلاشبہ گندمی رنگ ہی مراد ہوگا، ورنہ امام ذہبی کی عبارت کو ترک کر دیا جائے گا کیونکہ یہ معاملہ ان بزرگ ہستیوں کا بھی ہے جن کے لئے ''شدید الادمۃ'' کا اطلاق کیا گیا ہے، اور علماءِ سیر کا اجماع بھی ہے کہ: ان مذکورہ بالا حضرات میں سے کوئی بھی رنگ کا ''کالا سیاہ''، ''کالا مائل''، ''گہرا سیاہ'' یا ''ذرا سا بھی کالا'' نہیں تھا۔

چنانچہ خلاصی کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ: ہمت کر کے تسلیمِ حق میں دیر نہ کی جائے کہ حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا رنگ کالا نہیں بلکہ گندمی تھا۔

بلکہ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رنگ کے بارے میں تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ 255 میں ''مدائنی'' کا ایک قول تو ''شدید الادمۃ'' کی قید کے بغیر بھی استعمال ہوا ہے فرماتے ہیں کہ: ''حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ ''آدم'' یعنی گندمی رنگت والے تھے''۔ خدا سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

اب جس کے جی میں آئے وہ پائے روشنی
ہم نے تو دل جلا کے سرِ عام رکھ دیا

......واللّٰہ اعلم ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ......

باب

(گندمی رنگ کے مخالفین کے ممکنہ دلائل کا ردِ بلیغ)

دلیلِ مخالف نمبر 1:

سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اور لفظِ "اسود"

پہلی دلیل میں چار روایات پیش کی جاسکتی ہیں!

(۱)۔امام حاکم اپنی مستدرک جلد 3 صفحہ نمبر 496 رقم 5311 میں روایت کرتے ہیں کہ: "عن محمد بن اسحاق (قال): وکان اسود مولدا" یعنی: محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ: آپ رضی اللہ عنہ پیدائشی طور پر ہی "کالے" تھے۔

(۲)۔دلائل النبوۃ للبیہقی جلد 5 صفحہ نمبر 61 رقم 1831، تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 245، 246، سبل الہدیٰ والرشاد للصالحی جلد 5 صفحہ نمبر 249 اور السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ نمبر 145 میں ہے کہ: "لما کان یوم الفتح رقی بلال فاذن علی ظهر الکعبة فقال بعض الناس : یا عبد الله لهذا الکعبة الاسود انه یؤذن علی ظهر الکعبة" یعنی جب فتح مکہ کا دن ہوا تو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دینے لگے تو کچھ لوگوں نے کہا: اے عبداللہ! اس کعبہ پر "کالے" کو دیکھو کہ وہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دے رہا ہے۔

(۳)۔تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 227 میں ھشام بن عروہ سے روایت ہے کہ "اعتق ابوبکر ممن کان یعذب فی الله سبعة انفس، منهم بلال الخیر الاسود وعامر بن فهیرة" یعنی سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سات نفوسِ قدسیہ کو آزاد کروایا جنہیں اللہ کی راہ میں طرح طرح

کے عذاب دیئے جاتے تھے، جن میں سے ایک حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ جو ''کالوں'' میں سے بہترین تھے اور دوسرے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے۔

(۴)۔ تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 223، 224 اور السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 422 میں ہے کہ: جب حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ عبداللہ بن جدعان کی غلامی میں تھے اسی دوران اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے پھر ایک دن آپ رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ میں جا کر قریشِ مکہ کے بتوں پر تھوک دیا جب قریش نے یہ منظر دیکھا تو وہ لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھاگے آپ رضی اللہ عنہ بھاگ کر اپنے مالک عبداللہ بن جدعان کے مکان میں چھپ گئے تو قریش نے عبداللہ بن جدعان کو پکارا وہ باہر نکلا، سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا: ''ان اسودك صنع كذا وكذا'' تیرے ''کالے'' غلام نے ایسے ایسے کیا ہے۔ الخ۔

نیز اسی روایت میں ذرا آگے کچھ یوں ہے کہ: عبداللہ بن جدعان نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو جب امیہ بن خلف اور ابوجہل کے حوالے کر دیا تو انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ پر ظلم ڈھانا شروع کر دیئے ایک دن سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو پوچھا: ''ما تريدان بهذا الاسود؟'' یعنی تم دونوں اس ''کالے'' غلام سے کیا چاہتے ہو؟......الخ۔

اول الذکر روایتوں میں ایک ایک بار اور مؤخر الذکر روایت میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو دو مرتبہ ''الاسود'' کہا گیا ہے، ان چار عدد روایات کو سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی رنگت کے کالے ہونے پر بطور دلیل پیش کیا جا سکتا

ہے۔

الجواب:

سیّدنا بلال حبشی یمنی رضی اللہ عنہ کے رنگ کے سیاہ ہونے پر دلیل نمبر ۱ میں چار روایات پیش کی گئیں ہیں جن میں لفظ ''اسود'' کا استعمال سیّدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے لئے کیا گیا ہے اور وہاں لفظ اسود کا معنیٰ کرنے والوں نے بھی ''کالا رنگ'' ہی مراد لیا ہے، مجھے اس بات سے انکار نہیں کہ: ''اسود'' سے مراد ''کالا رنگ'' بھی ہوتا ہے لیکن ذرا سی تحقیق کرنے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ: لفظ ''اسود'' سے ہر جگہ ہی ''کالا رنگ'' مراد نہیں لیا جا سکتا بلکہ یہ لفظ کئی معنوں میں مشترک ہے، اور یہی مقامِ حیرت ہے کہ: لفظ ''اسود'' کے کثیر معانی میں مشترک ہونے کے باوجود مترجمین کی جانب سے صرف پہلا معنیٰ ہی خاص کر لیا گیا ہے، حالانکہ اعتراض میں مذکورہ بالا روایات لفظِ اسود کے معنیٰ میں محتملات ہیں اور محتملات سے استدلال درست نہیں، بالخصوص جب محتمل لفظ مؤیدات سے بھی خالی ہو لہٰذا لغت کی معروف وغیر معروف کتب کی روشنی میں بیان کردہ ان تمام معانی میں سے روایت میں موجود لفظ ''اسود'' کو محض زور زبردستی سے فقط پہلے معنیٰ پر ہی محمول کیا جانا اصولِ تحقیق سے ہرگز انصاف نہیں، کیونکہ لفظ ''اسود'' میں کبھی مادہ کا اعتبار کیا جاتا ہے اور کبھی مورد کا، چنانچہ اگر مادہ کا اعتبار کیا جائے تو یہ ''ابیض'' اور ''احمر'' کی طرح بطور ''وصف'' استعمال ہوگا، اور اس صورت میں ''حقیقی معنیٰ'' (یعنی کالا سیاہ) ہی مراد ہوگا، بشرطیکہ ''علمیت'' کا غلبہ نہ ہو جیسے کسی کا نام ہی ''اسود'' رکھ دیا جائے۔

اسی طرح اگر اس لفظ میں مورد کا اعتبار کیا جائے تو اس وقت یہ مجازی معنیٰ

میں استعمال ہوگا، پھر یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ: لفظ ''اسود'' حقیقی معنیٰ کی بجائے اکثر مقامات پر اپنے مورد کے اعتبار سے استعمال ہوتا ہے مثلاً!

لفظ ''اسود'' کا استعمال ''پانی اور کھجور'' کے لئے:

☆۔حلیۃ الاولیاء لابی نعیم جلد 1 صفحہ 479 اور مسند ابن الجعد صفحہ 241 رقم 1589 میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو سعید اور حضرت قرہ بن ایاس المزنی سے روایت ہے کہ: "ما کان لنا طعام علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم الا الاسودین : التمر والماء "یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہمارا کھانا 2 ''اسود'' یعنی پانی اور کھجور ہوا کرتا تھا۔

نیز یہی روایت لسان العرب جلد 2 صفحہ 618 میں اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بھی منقول ہے۔

لفظ ''اسود'' کا استعمال ''پانی اور دودھ'' کے لئے:

☆۔لسان العرب جلد 2 صفحہ 618 اور تاج العروس من جواہر القاموس جلد 4 صفحہ 135 میں ہے کہ: ''الاسودان : الماء واللبن'' یعنی پانی اور دودھ کو بھی اسود کہتے ہیں۔

لفظ ''اسود'' کا استعمال ''سانپ اور بچھو'' کے لئے:

☆۔الجامع الصغیر للسیوطی صفحہ 83 رقم 1323، کنوز الحقائق للمناوی جلد 1 صفحہ 85 رقم 980 اور کنز العمال جلد 7 صفحہ 215 رقم 20117 میں ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور مستدرک کے حوالے سے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً یوں منقول ہے کہ: ''اقتلوا الاسودین فی الصلٰوۃ : الحیة والعقرب ''اسودین کو یعنی سانپ اور بچھو کو نماز میں بھی قتل

کردیا کرو۔

☆۔نیز کنوز الحقائق للمناوی جلد 1 صفحہ 83 رقم 956، دارمی اور مسند احمد میں یوں بھی ہے کہ: ''اقتلوا الاسودین، ولو کنتم فی الصلٰوۃ''یعنی اسودین کو قتل کردیا کرو اگرچہ تم نماز میں ہو۔

☆۔لسان العرب جلد 2 صفحہ 618 میں ہے کہ: ''وفی الحدیث: انه امر بقتل الاسودین فی الصلٰوۃ، قال شمر: اراد بالاسودین: الحیة والعقرب''یعنی حدیث میں ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بھی اسودین کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ شمر کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسودین سے مراد: سانپ اور بچھو لیا ہے۔

لفظ''اسود'' کا استعمال''دور سے دِکھنے والے ہیولے'' کے لئے:

☆۔علامہ ابن منظور''لسان العرب'' جلد 2 صفحہ 617 میں کہتے ہیں کہ: ''(الاسود:)وھو الشخص لانه یرٰی من بعید اسود''یعنی اسود سے مراد ایسا شخص جو دور سے دکھائی دینے پر کالا نظر آئے۔

لفظ''اسود'' کا استعمال''پہاڑ کی چوٹی یا اس پر لگے جھنڈے'' کے لئے:

☆۔لسان العرب جلد 2 صفحہ 623 میں ہے کہ: ''الاسود: علم فی رأس الجبل''یعنی اسود سے مراد: پہاڑ کی چوٹی یا اس پر لگا ہوا جھنڈا بھی ہوتا ہے۔

لفظ''اسود'' کا استعمال''سبزے'' کے لئے:

☆۔ لسان العرب جلد 2 صفحہ 619 میں ہے کہ: ''ان العرب تسمی الاسود: اخضر والاخضر: اسود''یعنی عرب لوگ اسود کو سبز اور سبز کو اسود

بھی کہہ لیتے ہیں۔

نیز لسان العرب میں اسی مقام پر یوں بھی ہے کہ: "السواد : جماعة النخل والشجر لخضرته واسوداده وقيل انما ذالك لان الخضرة تقارب السواد"۔ یعنی سیاہی سے مراد: کھجور کے درختوں کے جُھنڈ کے سبزے اور ملی جلی سیاہی کو بھی کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ: یہ ایسے سبزے پر بھی بولا جاتا ہے جو سیاہی کے قریب قریب ہو۔

لفظ ''اسود'' کا استعمال ''گروہ یا جماعت'' کیلئے:

☆۔لسان العرب جلد 2 صفحہ 618 میں منقول ہے کہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر فرمایا تو ارشاد فرمایا: "لتعودن فيها اساود صبا يضرب بعضكم رقاب بعض...... قال ابن الاعرابی : اراد بقوله لتعودن فيها اساود صبا يعنی جماعات "یعنی تم پر اس وقت ایسے گروہ بھی نکلیں گے کہ: تم ایک دوسرے کی گردنیں مارو گے......ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان ''لتعودن فيها اساود صبا'' سے جماعتوں کو مراد لیا ہے۔

نیز صفحہ 617 میں کہتے ہیں کہ: ''(الاسود:)جماعة من الناس، وقيل: هم الضروب المتفرقون، وفي الحديث : انه قال لعمر رضي الله عنه : انظر الى هؤلاء الاساود حولك اى الجماعات المتفرقة" یعنی اسود سے مراد: لوگوں کی جماعت ہے، اور بعض نے کہا: وہ مختلف فرقے ہیں، ،اور ایک حدیث میں ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اپنے اردگردان ''اساود'' یعنی مختلف جماعتوں کو دیکھو۔

لفظ ''اسود'' کا استعمال ''رات اور گرمی'' کے لئے:

☆۔علامہ ابن المنظور ''لسان العرب'' جلد 2 صفحہ 618 میں لکھتے ہیں کہ: ''الاسودان : الحرة والليل لاسودادهما ''یعنی رات اور گرمی کو بھی ان کی سیاہی کی وجہ سے اسود کہا جاتا ہے۔

لفظ ''اسود'' کا استعمال ''سخی اور حلیم'' کے لئے:

☆۔حافظ ابن عدی الجرجانی ''الكامل في ضعفاء الرجال '' جلد 7. صفحہ 267 ترجمہ محمد بن اسحاق میں روایت کرتے ہیں کہ: ''عن نافع عن ابن عمر قال: ما رأيت احدا كان اسود بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم من معاوية، قلت: هو كان اسوه من ابى بكر ؟ قال: ابوبكر كان خير منه، وكان هو اسود منه، قال: قلت: هو كان اسود من عمر ؟ قال: عمر والله كان خير منه، وكان هو اسود من عمر، قال: قلت: هو كان اسود من عثمان؟ قال: رحمة الله على عثمان، عثمان كان خيرا منه وهو اسود من عثمان ''۔

یعنی نافع سے روایت ہے کہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑا سخی کسی کو نہیں دیکھا، میں نے پوچھا: کیا وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی بڑے سخی تھے؟ فرمایا: سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان سے بہت بہتر تھے لیکن وہ ان سے بھی بڑے سخی تھے، میں نے پوچھا: کیا وہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی بڑے سخی تھے؟ فرمایا: اللہ کی قسم سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان سے بہت بہتر تھے لیکن وہ جناب عمر رضی اللہ عنہ سے بھی بڑے سخی تھے، میں نے پوچھا: کیا وہ سیّدنا عثمان

رضی اللہ عنہ سے بھی بڑے سخی تھے؟ فرمایا: جناب عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ان سے بہت بہتر تھے لیکن وہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی بڑے سخی تھے۔

نیز یہی روایت: "سیر اعلام النبلاء للذهبی جلد 4 صفحه 275، لسان العرب لابن منظورجلد 2صفحه 620،تاج العروس من جواهر القاموس، السنة لابی بکر الخلال جلد ۱ صفحه346 رقم678 اورفتح الباری شرح صحیح بخاری جلد 7 صفحه 115، اور موسوعة السیر "الحسن ابن علی رضی الله عنهما " للدکتور علی محمد الصلابی جلد7صفحه 328" اوران کے علاوہ دیگر کتب میں بھی موجود ہے۔

چنانچہ یہاں مورد کا اعتبار کرتے ہوئے لفظِ "اسود" کا استعمال "سخی" کے معنیٰ میں ہوا ہے نہ کہ: "کالے سیاہ" کے معنیٰ میں۔ نیز علامہ ابن منظور لسان العرب جلد2 صفحہ 620 میں فرماتے ہیں کہ: اس مذکورہ روایت میں لفظ اسود کا استعمال سخی کے ساتھ ساتھ "حلیم" کے معنیٰ میں بھی کیا گیا ہے۔

لفظ "اسود" کا استعمال "جنات" کے لئے:

☆۔ جواہر البحار للنبہانی جلد ۱ صفحہ نمبر 309 میں ابونعیم کے حوالے سے، نیز ابن ناصرالدین الدمشقی کی جامع الآثار جلد ۱ صفحہ نمبر 345، 355، 356، 357، 358 اور دلائل النبوۃ للبیہقی جلد 5 صفحہ نمبر 360، 361 رقم 2202، 2203، نیز بخاری شریف "کتاب التیمم"، مسلم شریف "کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ"، نوادر الاصول للحکیم الترمذی صفحہ نمبر 285 اور مستدرک للحاکم وغیرہا میں روایت کیا گیا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

:''بعثت الی کل احمر واسود''یعنی مجھے ہر کالے اور سرخ کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

چنانچہ اسی حدیث کی شرح میں علامہ ابن ناصر الدین الدمشقی نے جامع الآثار میں اور امام بیہقی نے دلائل النبوہ میں مجاہد کا تفسیری قول بھی پیش کیا ہے نیز امام تقی الدین السبکی نے فتاویٰ السبکی جلد 2 صفحہ نمبر 585 میں فرمایا کہ:''اسود'' سے مراد''جنات''اور''احمر''سے مراد''انسان''ہیں۔

لفظ''اسود''کا استعمال''اہلِ عجم''کے لئے:

☆۔ ابن ابی الدنیا کی''ذم الغضب''کے حوالے سے کنز العمال جلد 3 صفحہ نمبر 332 رقم الحدیث 8867 میں نقل کردہ ایک روایت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے''احمر''سے عربی اور''اسود''سے حبشی مراد لیا ہے چنانچہ:''(عن ابی ذر : قال: قال لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم) یا ابا ذر:۔ اعلم انك لست بافضل من احمر فیھا ولا اسود الا ان تفضله بعمل۔الخ۔''یعنی (حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) اے ابوذر!......اچھی طرح جان لو کہ: بلاشبہ تم یہاں کسی بھی عربی یا عجمی سے افضل نہیں ہو بلکہ تم اعمال کی وجہ سے ہی فضیلت پاؤ گے۔۔الخ۔

☆۔اسی طرح تفسیر بغوی جلد 4 صفحہ نمبر 419 سورہ مزمل زیر آیت 5، مسند امام احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ نمبر 338 اور سنن ابی داؤد صفحہ نمبر 176 رقم 831 میں ہے کہ:''فقال (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم): الحمد للہ، کتاب اللہ واحد، وفیکم الاخیار وفیکم الاحمر

والاسود، اقرؤوا القرآن...... الخ۔“یعنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الحمد للہ، اللہ کی کتاب ایک ہے اور تم میں بہترین لوگ بھی ہیں اور تم میں عربی اور عجمی بھی ہیں لہٰذا قرآن پڑھا کرو...... الخ۔

اس حدیث کا ایک شاہد سنن ابی داؤد صفحہ نمبر 176 رقم 830 میں بھی ہے جس میں احمر اور اسود کی جگہ اعرابی اور عجمی روایت کیا گیا ہے چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:”خرج علینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ونحن نقرأ القرآن وفینا الاعرابی والعجمی فقال: اقرؤوا ...... الخ۔“ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اس وقت ہم قرآن کی تلاوت کر رہے تھے اور اس وقت ہم میں اعرابی اور عجمی لوگ بھی موجود تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن پڑھا کرو...... الخ۔

☆۔ نیز کنوز الحقائق للمناوی جلد 2 صفحہ نمبر 70 رقم 5856 میں (سع) کی رمز کے ساتھ یوں ہے کہ:”کان لا یدعوہ احمر ولا اسود الا اجابہ“ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بھی عربی یا عجمی دعوت دیتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرمالیا کرتے۔

☆۔ اسی طرح سابق میں مذکورہ حدیثِ تفضیل (بعثت الی کل احمر واسود) میں استعمال فرمائے گئے لفظ”احمر“ اور”اسود“ سے مراد امام تقی الدین السبکی کے فتاویٰ السبکی جلد 2 صفحہ نمبر 585 میں بعض علماء کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ:”احمر“ سے مراد”عربی“ اور”اسود“ سے مراد”عجمی“ بھی ہے۔

☆۔ نیز علامہ ابن منظور”لسان العرب“ جلد 2 صفحہ 617 میں لکھتے ہیں

کہ: ''ویقال اتانی القوم اسودھم واحمرھم ای عربھم وعجمھم''
اورعربوں کی زبان میں یوں بھی کہا جاتا ہے کہ: میرے پاس اسود واحمر لوگ آئے یعنی عربی اور عجمی لوگ آئے۔

لفظ ''اسود'' کا استعمال ''معزز اور سردار'' کے لئے:

☆۔لسان العرب جلد 2 صفحہ 620،619 میں ہے کہ: ''فی حدیث قیس بن عاصم: اتقوا اللّٰہ وسودوا اکبرکم''یعنی قیس بن عاصم کی حدیث میں ہے کہ: اللہ سے ڈرواور اپنے بڑوں کو عزت دو یا انہیں سردار بناؤ۔

لفظ ''اسود'' کا استعمال ''غلام'' کے لئے:

☆۔تاج العروس من جواہر القاموس جلد 8 صفحہ 129 میں ہے کہ: ''ان السید فی الغالب ابیض والعبد فی الغالب اسود''یعنی عرب میں آقا کو عموماً ''ابیض'' اور غلام کو عموماً ''اسود'' بھی کہہ دیا جاتا ہے۔

لفظ ''اسود'' کا استعمال فقط ''حبشی'' نسل کے لئے:

☆۔کشف الخفاء للعجلونی جلد 1 صفحہ 202 رقم 692، المقاصد الحسنۃ صفحہ نمبر 119 رقم الحدیث 220 میں ہے کہ: ''ان الاسود اذا جاع سرق، واذا شبع زنی''یعنی اکثر حبشی جب بھوکے ہوتے ہیں تو چوری کرتے ہیں اور جب سیر ہوتے ہیں تو زنا کرتے ہیں۔

وضاحتِ روایت سے قطع نظر اور باستثناء الاخیار! یہاں لفظ ''اسود'' کا استعمال ہوا ہے اسی روایت کا ایک شاہد المعجم الکبیر اور مسند البزار میں بھی موجود ہے جس میں لفظ ''اسود'' کی بجائے لفظ ''حبش'' اور ابن جوزی کی الموضوعات، ابو نعیم کی حلیہ، ابن المبرد کی التخریج الصغیر اور دیلمی کی مسند الفردوس میں ''اسود'' کی

جگہ ''زنجی'' استعمال کیا گیا ہے چنانچہ ان تینوں روایتوں میں ''اسود، حبش اور زنجی'' کو جمع کرنے سے معلوم ہوا کہ: یہاں حبشی نسل ہی مراد لی گئی ہے نہ کہ ''کالا رنگ'' کیونکہ یہ تینوں الفاظ ''حبشی نسل'' کے لئے بولے جاتے ہیں۔

☆۔ کنوز الحقائق للمناوی جلد 1 صفحہ 164 رقم 2032، الجامع الصغیر للسیوطی صفحہ 153 رقم 2547، المقاصد الحسنۃ صفحہ 120 رقم 220 میں المعجم الکبیر للطبرانی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ: ''انما الاسود لبطنه وفرجه'' یعنی حبشی اپنے پیٹ (بھوک) اور شرمگاہ (شہوت) کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔

چنانچہ اس روایت کا ایک شاہد المعجم الکبیر للطبرانی میں دوسری جگہ ہے کہ:

''ذکر السودان عند النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقال: دعونی من السودان، فان الاسود لبطنه وفرجه'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جب حبشیوں کا ذکر کیا گیا تو فرمایا: حبشیوں کے معاملے میں مجھے چھوڑ دو کیونکہ حبشی اپنے پیٹ (بھوک) اور شرمگاہ (شہوت) کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔

چنانچہ بالاتفاق اس روایت میں بھی ''سودان'' یا ''اسود'' سے مراد حبشی ہی ہے۔

☆۔ تاریخ لابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 232، 233 میں ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اتخذوا السودان فان ثلاثة منهم من سادات اهل الجنة: لقمان الحکیم والنجاشی بلال المؤذن، قال الطبرانی: اراد الحبش'' یعنی حبشیوں کو دوست بنالو کیونکہ ان میں سے تین اہل جنت کے سردار ہیں: حکیم لقمان، نجاشی اور بلال المؤذن رضی اللہ عنہم، امام طبرانی کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سودان سے) حبشہ مراد لیا ہے۔

اسی طرح کی دوسری روایت کو ایک شاعر نے اپنے شعر میں یوں پرو دیا!

سادة السودان اربعو هکذا قال الشفع

النجاشي و بلال معلقبان ومهجع

یعنی حبشیوں کے چار سردار ہیں جیسا کہ شفیع ہر دو سرا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نجاشی، بلال اور ان کے ساتھ لقمان اور مہجع بھی ہیں (رضی اللہ عنہم)۔ (کشف الخفاء)

☆۔ کنوز الحقائق للمناوی جلد 2 صفحہ 70 رقم 5856 میں طبقات ابن سعد کے حوالے سے مرفوعاً منقول ہے کہ: ''کان لا یدعوہ احمر ولا اسود الا اجابہ'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بھی عربی یا حبشی دعوت دیتا تو قبول فرما لیتے۔

نوٹ:

یاد رہے کہ: لفظ اسود کا اطلاق اور بھی کئی طرح کے معنوں مثلاً! ''چڑیا، بزرگ، مبارک، مال، حدیث، کنواں، بُری بات'' وغیرہا پر بھی ہوتا ہے۔

نیز اسی طرح لفظ ''اسود'' کا استعمال ''گورے رنگ والے'' کے مقابلے میں ''گندمی رنگ والے'' پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ امام ذہبی کی سیر اعلام النبلاء اور تاریخ الاسلام کے حوالے سے سابق میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔

فائدہ:

چنانچہ اس مذکورہ بالا تمام معنوی صورتوں کے ذکر کے بعد میں کہتا ہوں کہ: جب اچھی طرح ثابت ہو چکا کہ لفظ ''اسود'' کا اطلاق صرف ''سیاہ'' پر ہی نہیں بلکہ دوسرے معانی واقسام پر بھی ہوتا ہے، تو پھر محض ''کالے'' یا ''سیاہ'' کی رٹ لگانا زور زبردستی نہیں تو اور کیا ہے؟ حالانکہ مذکورہ بالا صورتوں کی روشنی میں حضرت

سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے لئے اعتراض میں مذکورہ تمام روایتوں کے لفظ ''اسود'' سے مراد ''نسلاً حبشی'' بھی لیا جاسکتا ہے اور ''غلام'' بھی، اسی طرح ''عجمی'' بھی مراد لیا جاسکتا ہے اور گورے کے مقابلے میں ''گندمی'' بھی۔

تو جناب! جب یہ چاروں صورتیں اپنے اندر اس مقام پر استعمال کا جواز رکھتی ہیں تو پھر آ جا کے ''کالے سیاہ'' معنیٰ پر ہی اپنی سوئی اٹکا لینا ''ضد بازی'' کے سوا اور کچھ نہیں۔

چنانچہ مخالف دلیل میں پیش کردہ چاروں روایتوں میں مذکورہ لفظ ''اسود'' کا معنیٰ یا تو ''حبشی'' کیا جائے گا یا پھر ''غلام''، لہٰذا یہاں ''کالا'' یا ''سیاہ'' معنیٰ مراد لینا ہرگز درست نہیں ورنہ ''شدید الادمة'' والی روایت سے بھی ایسا تعارض اور نزاع لازم آئے گا جس کا اہلِ ضد کے پاس کوئی تسلی بخش جواب نہیں، چنانچہ اسی تعارض سے بچنے کے لئے تطبیق پر عمل کرتے ہوئے ان روایتوں میں لفظ ''اسود'' کو حبشی یا غلام کے معنیٰ میں ہی مراد لیا جائے گا نہ کہ ''کالے'' رنگ کے معنیٰ میں۔

کعبے کی چھت پر اذان دینا:

ہماری مذکورہ بالا تحقیق کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ: اعتراض مین ذکر کردہ ابن عساکر کے حوالے سے حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے کعبے کی چھت پر چڑھ کر اذان دینے والی روایت میں موجود لفظ ''اسود'' سے مراد بھی حبشی یا غلام ہی ہوگا نہ کہ ''کالا'' جسکی دلیل کے طور پر ہم اسی روایت کو طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ نمبر 125 کے حوالے سے پیش کرتے ہیں جس میں ''اسود'' کی جگہ لفظ ''حبشی'' واضح طور پر موجود ہے مثلاً!

''ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم امر بلال ان یؤذن

یوم الفتح علی ظهر الکعبة فاذن علی ظهرها والحارث بن هشام وصفوان بن امیة قاعدان، فقال احدهما للآخر: انظر الی هذا الحبشی، فقال الآخر: ان یکرهه الله یغیره"

یعنی بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ کے دن حکم دیا کہ: کعبہ کی چھت پر اذان دیں تو انہوں نے کعبہ کی چھت پر اذان کہی، اور حارث بن ہشام اور صفوان بن امیہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: اس حبشی کو دیکھو، تو دوسرے نے کہا: اگر اللہ اسے ناپسند فرماتا تو اسے بدل دیتا۔

ابن عساکر کی روایت میں موجود لفظ ''اسود'' اپنے معنیٰ کے لحاظ سے مجمل تھا چنانچہ اس اجمال کو طبقات ابن سعد کی روایت نے دور کر دیا، ثابت ہوا کہ یہاں ''اسود'' سے مراد حبشی ہے کالا نہیں۔

نیز اسی روایت کو امام بیہقی نے دلائل النبوہ جلد 5 صفحہ نمبر 62 رقم 1834 میں بھی روایت کیا ہے جس میں ''اسود'' کی جگہ لفظ ''عبد'' کا استعمال بالکل واضح ہے اور ''عبد'' ''غلام'' کے معنیٰ میں آتا ہے چنانچہ:

" امر رسول الله صلی الله علیه وسلم بلالا یوم الفتح فاذن فوق الکعبة، فقال رجل من قریش للحارث بن هشام: الا تری الی هذا العبد این صعد؟ ......الخ"

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ کے روز حکم دیا تو انہوں نے کعبہ پر چڑھ کر اذان دی، اور قریش کے

ایک شخص نے حارث بن ھشام سے کہا کہ: کیا تم اس غلام کو نہیں دیکھتے
کہ یہ کہاں چڑھا ہوا ہے؟......الخ۔

چنانچہ اعتراض میں موجود روایت میں لفظ ''اسود'' کے اجمال کو ان مذکورہ دونوں روایتوں نے دور کردیا کہ: یہاں کسی صورت بھی ''اسود'' بمعنیٰ کالا مراد نہیں لیا جائے گا بلکہ یہاں ''غلام یا حبشی النسل'' کو ہی مراد لیا جائے گا۔

تنبیہ:

ہوسکتا ہے کہ: اہلِ ضد میں سے کوئی ''سیاہ رنگ'' کی حمایت میں ''السیرۃ الحلبیۃ'' جلد 3 صفحہ 145 کی نقل کردہ اس روایت کو بطور دلیل پیش کرے کہ:

"وفی روایة انه قال: ماوجد محمد غیر هذا الغراب الاسود مؤذنا"

یعنی ایک روایت میں یوں ہے کہ: انہوں نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس ''کالے کوے'' کے سوا کوئی اذان دینے والا نہیں ملا۔

تو میں کہتا ہوں کہ: اس روایت کو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی رنگت کے کالے ہونے کے ثبوت پر بطور دلیل پیش کرنے کا جرم کسی بد باطن اور بد دماغ سے ہی سرزد ہوسکتا ہے، کیونکہ ہمارے نزدیک اس روایت سے رنگ کے کالے ہونے پر استدلال کرنا نہایت بے ادبی اور پرلے درجے کی کم عقلی ہے۔

نیز'' تحت اللاحق بالسابق'' اعتراض میں موجود ''محمد بن اسحاق'' کا قول جسے امام حاکم نے اپنی مستدرک میں پیش کیا کہ ''کان اسود مولدا'' اس کا ترجمہ کرنے والوں نے بھی انصاف کے تقاضے پورے نہیں کیئے اور یہ ترجمہ کردیا کہ: ''آپ پیدائشی کالے تھے'' چونکہ پیچھے کتبِ لغت کی روشنی میں اس

بات کی تصریح کردی گئی ہے کہ لفظِ ''مُـــولّـد'' کو عرب میں اس شخص کے معنیٰ میں لیا جاتا تھا جس کی والدہ غیر عربی اور والد عربی ہو جیسا کہ لسان العرب وغیرہ میں کہا گیا ہے اور پھر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا ''مولّد'' ہونا بھی روایات سے ثابت کردیا گیا ہے یعنی آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا تعلق غیر عرب یعنی حبشہ سے ہی تھا اور آپ رضی اللہ عنہ کے والد کا تعلق یمن کے علاقے سراۃ سے تھا جو بعض علماء کے نزدیک یمن اور بعض کے نزدیک عرب کا علاقہ تھا، لہٰذا میرے نزدیک ''کان اسود مولدا'' کا معنیٰ یہی کرنا اصوب ہے کہ: ''آپ رضی اللہ عنہ والدین میں سے والدہ کی طرف سے حبشی النسل تھے'' چنانچہ یہی اصوب موقف اور دلائلِ باہرہ سے مزین بہترین تطبیق ہے۔

چنانچہ تیسری اور چوتھی روایت میں موجود لفظ ''اسود'' کو بھی انہی دو روایتوں پر قیاس کیا جائے گا اور اسے ''حبشی النسل'' کے ہی معنیٰ میں لیا جائے گا تاکہ تعارض سے بچا جائے اور تطبیق پر عمل کیا جائے، جو کہ ممکن اور سہل بھی ہے۔ نیز استدلال کا صحیح طریقہ بھی یہی ہے کہ: سب سے پہلے متعلقہ تعارض کو دور کرنے کے لئے جہاں تک ممکن ہو سکے تطبیق کی کوشش کی جائے گی ورنہ ترجیح کو اختیار کیا جائے لہٰذا یہاں لفظی اور معنوی دونوں طرح کے تعارض کو دور کر کے مطابقت پیدا کرنا ہی بہتر ہے چنانچہ ان شاء اللہ العزیز انصاف پسند اور سلیم طبیعتوں کے نزدیک یہی تطبیق محبوب ترین ہوگی، لہٰذا ان چاروں روایتوں میں سے کسی ایک کو بھی حضرت سیّدنا بلال حبشی یمنی رضی اللہ عنہ کے رنگ کے کالے ہونے پر دلیل کے طور پر پیش کرنا صحیح نہیں۔

......اللّٰہ ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اعلم بالصواب......

دلیل مخالف نمبر 2:

مثنوی رومی اور سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا رنگ

مولائے روم جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی جلد 3 دفتر 6 میں حضرت سیّدنا بلال کے رنگ کو کئی مرتبہ کالا ہی بیان کیا ہے، اور بڑے بڑے بزرگانِ دین حضرات نے مولائے روم کو اپنا مرشدِ رشید تسلیم کیا ہے اور مثنوی رومی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: یہ فارسی زبان میں قرآن ہی کی تفسیر ہے۔

الجواب:

مولائے روم جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی قدر ومنزلت سر آنکھوں پر، بلاشبہ بزرگانِ دین کے ہاں مولائے روم علیہ الرحمۃ کی شان بہت عالی ہے، اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ: آپ کی مثنوی بھی اپنی نوعیت کی بے مثال، مفید فی العرفان کتاب ہے، لیکن اس سب کے باوجود اہلِ دانش اور فنِ تحقیق کے یکتائے روزگار حضرات بخوبی جانتے اور تسلیم کرتے ہیں کہ: کئی صوفیاء حضرات نے اپنی کتابوں میں ایسی ایسی احادیث اور روایات بیان فرمادیں ہیں جو کہ: کتبِ حدیث وتراجم میں نہایت درجہ کی چھان بین کے باوجود بھی نہیں ملتیں، ان کی کتابوں میں کئی ایسی روایات بھی ہوتی ہیں جو ائمہ فن اور محدثین کے ہاں حدیث کہلانے کی حقدار بھی نہیں ہوتیں، کچھ باتیں اور روایات ایسی بھی ہوتی ہیں جو حقائق اور صحیح روایات کے ہی خلاف ہوتی ہیں، اور کئی کہانیاں ایسی بھی بیان کردی جاتی ہیں کہ اگر انہیں سچ مان لیا جائے تو کئی طرح کے لاینحل سوالات کھڑے ہوجائیں، عموماً صوفیاء حضرات کی کتب میں کسی روایت کا حوالہ عموماً

درج نہیں ہوتا ایسے میں ان روایات پر اعتماد کر لینے کی بجائے چھان بین کرنا اہل تحقیق اپنا فریضہ سمجھتے ہیں، مثلاً!

☆۔ "حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ" کا اپنے دانت توڑنے والا واقعہ جسے الشیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "تذکرۃ الاولیاء" میں "بغیر کسی سند و بلا مستند حوالہ" کے درج کر دیا ہے، جس سے صرف شیعہ حضرات اپنا الّو سیدھا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ماتم پر بطور دلیل پیش کرتے ہیں حالانکہ وہ روایت ائمہ محدثین کے نزدیک موضوع روایات کی لمبی فہرست میں شامل ہے اور پھر اس کے متن پر سوالات و شبہات اور تضادات و تنقیدات کا ایک ایسا لمبا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس پر ایک پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے، اور جس کا جواب تو خود حامیانِ ماتم سے بھی نہ دیا جا سکے۔

پھر یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ: جب حضرت اویس قرنی یمنی رضی اللہ عنہ نے اپنے سارے دانت توڑ ڈالے تو ان کی خوراک کے لئے آسمان سے "کیلا" اترا، اس سے پہلے یہ پھل روئے زمین پر نہیں تھا، حالانکہ تقریباً تمام کتبِ سیر و تذکرہ جات و طبقاتِ رجال میں میں موجود ہے کہ: حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی مرغوب غذا روٹی اور کھجور تھی اور ظاہر یہ دونوں چیزیں دانتوں کے بغیر کھائی جانی مشکل ہیں، نیز موسوعہ ابن ابی الدنیا جلد 4 صفحہ 346 میں ایک روایت یوں ہے کہ: جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام وعلیٰ نبینا جنت سے زمین پر تشریف لائے تو اپنے ساتھ "عجوہ کھجور، لیموں اور کیلا" لائے۔

چنانچہ اگر دلائل کی رو سے دیکھا جائے تو مذکورہ افسانوں کی کوئی اوقات ہی نہیں۔

☆۔اسی طرح تورات (بائبل) سے لیا جانے والا واقعہ جس میں حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے (معاذ اللہ) اپنے ایک امتی ''اوریا حتی'' کی بیوی کو غسل کرتے دیکھنا، پھر ''اوریا'' کو قتل کروانا اور اس کی بیوی سے معاذ اللہ ''زنا'' یا نکاح کر لینے والا جھوٹا واقعہ بھی کئی مستند وغیر مستند حضرات نے اپنی کتب میں بلا تحقیق درج کر دیا، جس سے کئی شیطانوں کو زبانِ طعن دراز کرنے کا موقعہ ملا۔اسی طرح کی اور خرافات۔

☆۔نیز ھاروت وماروت کا زہرہ سے معاذ اللہ ''زنا'' کرنے والا من گھڑت واقعہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے، جسے ہر خاص وعام بڑے شوق سے سنتا سناتا اور کئی نامور حضرات نے بھی اپنی کتب میں درج کر دیا۔

سوال یہ ہے کہ: ان عظیم ائمہ ومسلّم الشرف بزرگوں نے ان روایات کو اپنی کتابوں میں آخر درج ہی کیوں کیا ہے؟

چنانچہ میں کہتا ہوں کہ ان کتابوں کی منتقد منقولات دو طرح کی ہوتی ہیں!

(ا)۔جن کا کسی مستند کتاب میں کوئی ذکر نہیں ہوتا لیکن شرعی اعتبار سے ان کا معنیٰ ثابت اور صحیح ہوتا ہے، جیسے محدّثین کسی بے اصل روایت کے بارے میں یوں کہہ جاتے ہیں کہ: ''لیس لہ اصل فمعناہ صحیح'' یعنی اس کی اگرچہ کوئی اصل نہیں البتہ اس کا معنیٰ کتاب وسنت کی روشنی میں بالکل صحیح ہے۔

لہٰذا یہی وجہ ہے کہ: ان بزرگوں نے اپنے مکاشفہ جات اور عالمِ رؤیا سے منسوب اور دوسروں سے سنی ہوئی غیر تحقیق شدہ باتوں کو حسنِ ظن کی بناء پر اپنی کتب میں نقل کر دیا ہوتا ہے کیونکہ ان روایات کا مقصود دوسرے دلائلِ شرعیہ سے ثابت ہو جاتا ہے لہٰذا ان روایات کا غیر واقعی ہونا مقصد کے ثبوت کے لئے مضر

نہیں، اور انہیں نقل کر دینا بھی محدثین کے نزدیک کوئی جرم نہیں ہوتا، جیسا کہ اعضاء وضو کے دھوتے وقت ادعیہ ماثورہ کا پڑھنا اگرچہ موضوع یا ضعیف روایت سے ثابت ہے لیکن امام ملاعلی القاری، امام نووی، امام قسطلانی وغیرہ نے ان دعاؤں کو پڑھنا مستحب قرار دیا ہے کیونکہ یہ دعائیں نہ تو کتاب وسنت کی تعلیمات ومقاصد کے خلاف ہیں اور نہ ہی ان سے شرع کا کوئی نقصان۔

(۲)۔ جن کا کسی بھی مستند کتاب میں کوئی ذکر نہیں ہوتا حتی کہ وہ روایات قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ ثابتہ کے بھی خلاف ہوتی ہیں۔

اور ان بزرگوں کا ایسی مخالف معنیٰ روایات کو بیان کرنے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ: قصہ گو حضرات سے صادر شدہ یا شہرت کا حامل عوامی واقعہ جو حقائق کے بالکل برعکس ہوتا ہے لیکن چونکہ عوام اس کے عادی ہو چکے ہوتے ہیں اور اگر اس صورت میں عوام کو ان کی عادت کے خلاف اگر انکی اصلاح کے لئے حق بات بتائی جائے تو عوام اپنی طبائع کی سستی کی وجہ سے عدمِ دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں بلکہ کبھی تو تنافر کے باعث بگڑتے ہوئے کفر تک بک جاتے ہیں چنانچہ اس صورت حال میں کچھ اہل علم حضرات اسے تحقیق اور چھان بین کی نظر سے قرآن وسنت کے مدِ مقابل اور خلافِ حقیقت ومبنی بر کذب دیکھتے ہوئے موضوع قرار دے کر مطلقاً چھوڑ دیتے ہیں، اور ''یہ نہیں تو وہ بھی نہیں'' کے طریقے پر عمل در آمد کرتے ہیں یعنی قرآنی آیات واحادیثِ صحیحہ ثابتہ کے علاوہ ایسی روایتوں سے کسی بھی طرح کا فائدہ اٹھانا وہ جائز نہیں سمجھتے۔

اور کچھ دوسرے حضرات ''یہ نہیں تو وہ ہی سہی'' کے طریقہ پر کاربند رہتے ہیں اور ایسی روایات کو مطلقاً ترک کر دینے کی بجائے ان کی تصدیق وتکذیب

سے قطع نظر! انہیں عوام ہی کی اصلاح کے لئے استعمال کر لیتے ہیں اور ان سے حاصل ہونے والے پند و نصائح سے عوام کو خبر دار کر دیتے ہیں یوں سمجھ لیجئے! کہ: یہ حضرات کھری یا کھوٹی حتیٰ کہ: ردی کی ٹوکری سے ناکارہ چیزیں نکال کر بھی ان سے کام لے لیتے ہیں، اور یہی ان کا بے نظیر فن ہے۔

لیکن ان روایات کو درج کرنے سے ان کا مقصد محض اصلاحِ نفس اور پند و نصائح ہی ہوتے ہیں، ان کی عادت میں روایت کے صحت و سقم، علل و تناقض، صدق و کذب اور ضعف و وضع پر بحث کرنا نہیں ہوتا اور نہ ہی انہیں ایسی مہلت ہوتی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ: وہ یہ کام اہلِ تحقیق پر چھوڑ دیتے ہیں۔

ان حضرات کی بیان کردہ ایسی خلافِ واقعہ باتوں کو بعض علماء ''شتحیات'' میں شمار کر دیتے ہیں اس صورت میں بھی ان واقعات کو بطور دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ان بزرگوں پر اس معاملہ میں تنقید کرنا درست ہوگا، کیونکہ شتحیات کا تعلق عالمِ سکر میں کہی گئی باتوں سے بھی ہوتا ہے لہٰذا ان حضرات کے پند و نصائح سے نصیحت حاصل کرنے کی ہی کوشش کرنی چاہیے اور ان کے بیان کردہ واقعات سے اس وقت تک استدلال کرنے سے گریز کرنا چاہیے جب تک کہ اس کی مکمل تحقیق نہ ہو جائے۔ کیونکہ ان بزرگوں کا مقصد واقعہ بیان کرنا ہوتا ہی نہیں بلکہ کوئی بھی، کسی بھی طرح کا واقعہ لے کر اسے عوام کے لئے سامانِ نصیحت بنانا مقصود ہوتا ہے، اور یہی انوکھا انداز ان کی خاص پہچان ہے۔

چنانچہ مولائے روم رحمۃ اللہ علیہ ہمارے بیان کردہ دوسرے طبقے میں شامل ہیں، اس لئے مولانا روم علیہ الرحمۃ پر اس حوالے سے کسی بھی طرح کی تنقید درست نہیں بلکہ اب تنقید کے مستحق وہ حضرات قرار پائے جو مثنوی رومی سے واقعہ

لے کر اس کو آگے روایت کر دیتے ہیں اور اس سے بلا تحقیق ''استدلال'' قائم کر کے اس کا مقصد ہی فوت کر دیتے ہیں چنانچہ یہیں سے مولانا روم اور عام واعظین کے بیان کرنے میں فرق نمایاں ہو جاتا ہے حالانکہ علماء تحقیق ان واقعات کی جب تک تحقیق نہ ہو جائے روایت کی اجازت نہیں دیتے تو جب روایت کی اجازت نہیں تو بھلا استدلال قائم کرنا کیونکر روا ہو؟ البتہ فوائد بیان کرنے کی اجازت ہوتی ہے، اور بس۔

چنانچہ میں کہتا ہوں کہ: مثنوی یا اس جیسی دوسری کسی کتاب کا مطالعہ کرنے والے کو چند شرطوں کی پاسداری کرنا امرِ لازم ہے، مثلاً!

☆۔صاحبِ مطالعہ صحیح العقیدہ، سنی ہو۔

☆۔سلیم الطبع اور خوش فہم ہو۔

☆۔صحیح العقیدہ، سنی، ماہرِ استاذ کی راہنمائی حاصل ہو۔

☆۔ مثنوی کا مطالعہ صرف تصوف کی کتاب سمجھ کر ہی کرے۔

☆۔اس کی بیان کردہ خلافِ واقعہ روایات کو بلا تحقیق روایت نہ کرے۔

☆۔اس کے صرف ماحصل پند و نصائح سے ہی فائدہ اٹھائے۔

چنانچہ معاف کیجئے گا! کتبِ حدیث میں موجود اصل اور صحیح و مقبول روایات کو چھوڑ کر مثنوی یا دیگر کتابوں میں نقل کی جانے والی خلافِ واقعہ روایات سے استدلال قائم کرنا کسی طور بھی درست نہیں، اور نہ ہی کسی کا ان کتب میں ایسی روایات کے درج کرنے پر بزرگوں کو تنقید کا نشانہ بنانا درست ہے۔ واللہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلم۔

......خدا سمجھنے کی توفیق دے......

دلیلِ مخالف نمبر 3:

حبشی، حبشہ اور سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ

امام عبدالوہاب الشعرنی "البدرالمنیر" صفحہ 290 رقم 2197 میں طبرانی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ: نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے (۱) سام جو عرب کے باپ ہیں، (۲) حام جو حبشیوں کا باپ ہے اور (۳) یافث جو رومیوں کا باپ ہے۔

نیز امام ابن المبرد المقدسی "التخریج الصغیر" صفحہ 44 رقم 188 میں حاکم کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ: حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام غسل فرمار ہے تھے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ: آپ کا ایک بیٹا آپ کو نہاتے ہوئے دیکھ رہا تھا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے بددعاء دیدی تو اس کا رنگ فوراً "کالا سیاہ" ہو گیا۔

چنانچہ وہ "حام" ہی تھا جو حبشیوں کا باپ ہے اسی لئے اس کی ساری نسل میں "کالا رنگ" نسل در نسل چلا آیا لہٰذا جس طرح دوسرے حبشیوں کا کالا ہونا بھی عام اور لازم الامر ہے، اسی طرح حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے نسلاً حبشی ہونے اور وہاں پیدا ہونے کی وجہ سے یہ ماننا لازم آیا کہ دوسرے حبشیوں کی طرح آپ رضی اللہ عنہ کا رنگ بھی "کالا" ہی تھا؟

اور چونکہ آپ رضی اللہ عنہ نے خود بھی اپنے آپ کو "حبشی النسل" بیان فرمایا ہے۔

لہٰذا لغت کی طرح روایات میں بھی لفظ "حبشی" بول کر "اسود" (کالا) مراد

لیا جاتا ہے جیسا کہ مسلم شریف صفحہ نمبر 937 رقم الحدیث 5486، 5487 میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "کان خاتم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من ورق وکان فصہ حبشیا" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی جس کا نگینہ حبشی تھا۔

چنانچہ اسی حدیث کی شرح میں امام زرقانی اپنی "شرح علی المواہب" جلد 6 صفحہ نمبر 329 میں فرماتے ہیں کہ: "وھی من الحبشۃ او ان لونہ حبشی ای احمر یمیل الی السواد" یعنی وہ نگینہ حبشہ کا تھا یا پھر اس کا رنگ ہی حبشی تھا یعنی ایسا سرخ جو سیاہی مائل ہو۔

اسی طرح شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب مدارج النبوت جلد 1 صفحہ نمبر 478 (فارسی) میں اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "ودر معنی حبشی اقوال ست بعضے گویند از سنگِ سیاہ بود" یعنی لفظ حبشی کے معنی میں کئی اقوال ہیں! بعض علماء فرماتے ہیں کہ: سیاہ رنگ کا پتھر تھا۔

نیز "لسان العرب" جلد 4 صفحہ نمبر 370 میں کہا گیا ہے کہ: "ناقۃ حبشیۃ : شدیدۃ السواد" یعنی حبشی اونٹنی کا اطلاق سخت سیاہ رنگ والی پر ہوتا ہے۔

چنانچہ جب یہ مان لیا کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ "حبشی" تھے تو لا محالہ یہ بھی ثابت ہو چکا کہ: ہر "حبشی" "کالا" ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا رنگ بھی "کالا" ہی تھا۔

الجواب:

مجھے اس شخص پر سخت تعجب ہے جو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رنگ

کے ''کالے'' ہونے پر:

(1)۔ حبشہ میں پیدا ہونے

(2)۔ یا حبشہ میں رہنے

(3)۔ یا پھر حام کی اولاد یعنی حبشی النسل ہونے

کو دلیل بنائے، چنانچہ ان تینوں وجوہات کا جواب بھی ملاحظہ فرمالیں!

(1)۔ چنانچہ اگر یہ کہا جائے کہ: ''حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ حبشہ میں پیدا ہوئے اس لئے ''کالے'' تھے'' تو میں پوچھتا ہوں کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ: آپ رضی اللہ عنہ حبشہ میں ہی پیدا ہوئے ہیں؟

حالانکہ میں سابق میں یہ ترجیحاً ثابت بھی کر چکا ہوں کہ آپ رضی اللہ عنہ حبشہ میں پیدا نہیں ہوئے لیکن اگر مان بھی لیا جائے کہ: آپ رضی اللہ عنہ ''حبشہ'' میں پیدا ہوئے ہیں تو بھی ''حبشہ'' میں پیدا ہونا رنگ کے ''کالے'' ہونے پر دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو ان میں سے کئی افراد کے ہاں وہاں ''حبشہ'' ہی میں ''بچے'' بھی پیدا ہوئے لیکن وہاں پیدا ہونے والے ان بچوں کے رنگ پر تو کوئی اثر نہیں پڑا چنانچہ ان میں سے چند ایک کے اسماء یہ ہیں مثلاً!

☆۔ حضرت جعفر طیار بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے تینوں صاحبزادے ''عبداللہ، محمد اور عون'' رضی اللہ عنہم حبشہ میں ہی پیدا ہوئے۔

(طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ 336)

☆۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ''زینب'' رضی اللہ عنہا حبشہ میں پیدا ہوئیں۔ (طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ 127)

☆۔حضرت مطلب بن ازہر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ''عبداللہ'' رضی اللہ عنہ حبشہ میں پیدا ہوئے۔ (طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ 381)

☆۔حضرت حارث بن خالد رضی اللہ عنہ کے ہاں چار بچے ''موسیٰ، عائشہ، زینب اور فاطمہ'' رضی اللہ عنہم حبشہ میں پیدا ہوئے ان میں سے ''موسیٰ'' کا انتقال بھی حبشہ میں ہی ہوا، (طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ 382)

☆۔حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ''عبداللہ'' رضی اللہ عنہ حبشہ میں پیدا ہوئے۔ (طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ 383) و (جلد 3 صفحہ 15)

☆۔حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ''سعید'' اور صاحبزادی ''امۃ بنت خالد'' رضی اللہ عنہما بھی حبشہ میں پیدا ہوئے۔

(طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ 366)

سوال یہ ہے کہ: اگر حبشہ میں پیدا ہونا رنگ کے سیاہ ہونے کا سبب ہے تو کیا مذکورہ بالا پیدا ہونے والے حضرات میں سے ہر ایک کا رنگ ''کالا'' مان لیا جائے؟ کیا اس پر کوئی دلیل دی جاسکتی ہے؟ حالانکہ ان میں سے کسی ایک کو بھی کسی سیرت نگار یا مؤرخ نے ''کالا'' تو دور بلکہ ''کالا مائل'' بھی نہیں لکھا نیز اعتراض میں مذکورہ خود ساختہ قاعدہ ''روایت ودرایت'' کے بھی خلاف ہے، یہاں تفصیلات کی ضرورت نہیں، چنانچہ معلوم ہوا کہ: ''حبشہ'' میں پیدا ہونا رنگ کے ''کالے'' ہونے کا سبب ہرگز نہیں بن سکتا۔

(2)۔اور اگر یہ وجہ پیش کی جائے کہ: ''آپ رضی اللہ عنہ حبشہ میں رہتے تھے اس لئے ''کالے'' تھے'' تو یہ بھی ایک نامعقول وجہ ہے ورنہ لازم آئے گا کہ: جو کوئی بھی جا کر حبشہ میں رہنے لگے اس کا رنگ سیاہ ہو جائے حالانکہ حبشہ کی

جانب ہجرت کرنے والے صحابہ جتنی دیر بھی وہاں رہے ان کے رنگ میں کوئی فرق نہیں آیا۔

نیز اعتراض میں کاش یہ بھی واضح کر دیا جاتا کہ: حبشہ میں کتنا وقت گزارنے سے رنگ ''کالا'' ہو جاتا ہے؟ چنانچہ اگر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رنگ کے ''کالے'' ہونے کا سبب صرف ''حبشہ'' میں رہنا ہی سمجھ لیا جائے، تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ: آپ رضی اللہ عنہ کی بقیہ زندگی جو عرب اور شام میں گزری اس علاقائی تبدیلی کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کا رنگ ''سفید'' نہ سہی، لیکن کم از کم ''گندمی'' تو مان ہی لینا چاہیے کیونکہ حبشہ کے مقابلے ''عرب شریف'' میں آپ رضی اللہ عنہ کا زیادہ وقت گزرا ہے۔

نیز اس کے علاوہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ: حبشہ کی طرح عرب بھی ایک گرم علاقہ ہے، اور گرم علاقوں میں گرمی کی وجہ سے رنگت میں سیاہی آ ہی جاتی ہے، اسی لئے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رنگ میں علاقہ عرب کی معروف شدید گرمی کی وجہ سے ''سیاہی'' کا ہونا کچھ بعید نہیں۔

تو میں کہتا ہوں کہ: عرب شریف میں خالص عربوں کے ساتھ ساتھ دوسری ہر طرح کی قومیں بھی آباد تھیں، لیکن یہ غضب بھی کیا عجب کہ: عرب وحبشہ کی ساری گرمی کا اثر اکیلے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ پر ہی ڈال دیا جائے، حالانکہ علم الطبائع کی معلومات رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں کہ: گرمی کا اثر ''رنگ'' پر کم اور ''مزاج'' پر زیادہ ہوتا ہے۔ اور یہ بھی تو تسلیم کیا جا چکا ہے کہ: حبشیوں کا رنگ حبشہ میں رہنے کی وجہ سے کالا نہیں بلکہ یہ سیاہی نسل در نسل ''حام بن نوح'' کی وجہ سے منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے، خواہ دنیا کے کسی بھی کونے میں رہیں، لہٰذا

حبشہ کو سیاہی کی وجہ قرار دینا ہرگز درست نہیں، خدا سمجھنے کی توفیق دے۔

(3)۔اور اگر یہ وجہ پیش کی جائے کہ: ''آپ رضی اللہ عنہ حامی یعنی'' حبشی النسل'' تھے اس لئے کالے تھے کیونکہ ہر حبشی کالا ہوتا ہے'' تو اس بیان شدہ وجہ کے جواب میں بھی میں دو باتیں عرض کرتا ہوں!

(i)۔سابق میں بیان کر دیا گیا ہے کہ حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے ماں اور باپ یعنی دونوں ہی طرف سے آپ کا حبشی النسل ہونا کہیں بھی ثابت نہیں البتہ صرف والدہ صاحبہ کی جانب سے حبشی النسل ہونا طے ہے۔

(ii)۔''ہر حبشی کالا نہیں ہوتا'' چنانچہ اس سلسلہ میں ہم یہاں مزید دو باتیں پیش کرتے ہیں چنانچہ!

(ا)۔ میں کہتا ہوں کہ: رنگ کا ''کالا ہونا'' حبشی ہونے کی دلیل نہیں ہوتی، اس پر چند دلائل پیشِ نظر ہیں ملاحظہ فرمائیں!

☆۔تاریخ ابن عساکر جلد 36 صفحہ 135 اور سیر اعلام النبلاء جلد 3 صفحہ 386 میں ہے کہ: ''عن ابن بریدة، قال: لما قدم ابوموسٰی، لقی ابا ذر، فجعل ابوموسٰی یکرمه وکان ابوموسٰی قصیرا، خفیف اللحم، وکان ابوذر رجلا اسود کث الشعر''۔یعنی ابن بریدہ کہتے ہیں کہ: جب حضرت ابوموسٰی رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملنے آئے تو وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی تکریم کرنے لگے، حضرت ابوموسٰی رضی اللہ عنہ قد کے ذرا چھوٹے اور ہلکے بدن والے تھے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا رنگ کالا اور بال گھنے تھے۔

میں کہتا ہوں: اگر مان لیا جائے کہ: ہر کالا ''حبشی'' ہوتا ہے تو یہ بتایا جائے

کہ کیا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اس قول کے روشنی میں حبشی مان لیا جائے؟ اگر کہو: ہاں تو یہ سراسر غلط ہے کیونکہ "سیر اعلام النبلاء للذهبی" میں ہی آپ کے رنگ کے بارے میں لفظ "آدم" بھی موجود ہے یعنی آپ رضی اللہ عنہ گندمی رنگ والے تھے۔ اور کہو: نہیں، تو ہمارا مدعیٰ ثابت ہوا کہ کالا رنگ حبشی ہونے کی دلیل نہیں ہوتا۔

☆۔ نیز طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ 168 اور صفحہ 173 میں ہے کہ: "عن عياض بن خليفة قال: رأيت عمر عام الرمادة وهو اسود اللون ولقد كان ابيض فيقال : مم ذا؟ فيقول: كان رجلا عربيا وكان يأكل السمن واللبن فلما امحل الناس حرمهما فاكل الزيت حتي غير لونه وجاع فاكثر"۔ یعنی عیاض بن خلیفہ کہتے ہیں کہ: میں نے سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو قحط والے سال دیکھا: آپ رضی اللہ عنہ کا رنگ سیاہ ہو چکا تھا حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ سفید رنگت والے تھے، (عیاض) سے پوچھا گیا کہ: اس کی کیا وجہ تھی؟ کہنے لگے: آپ رضی اللہ عنہ عربی مرد تھے اور کھانے میں دودھ اور گھی استعمال فرمایا کرتے تھے لیکن جب لوگ قحط میں مبتلا ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے یہ دونوں چیزیں کھانا چھوڑ دیں پھر آپ رضی اللہ عنہ نے زیتون کھانا شروع فرمایا یہاں تک کہ: اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کی رنگت تبدیل ہو گئی اور اکثر اوقات بھوکے رہنے لگے۔

نیز آپ رضی اللہ عنہ کا رنگ ان دنوں کے بعد پھر سے صاف اور پہلے سے زیادہ بارونق ہو گیا جیسا کہ طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ نمبر 173 میں ہے کہ: "عن القاسم بن محمد قال: سمعت ابن عمر يصف عمر، يقول:

رجل ابیض تعلوہ حمرۃ ''قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی صفت بیان کرتے ہوئے سنا، فرمایا: آپ رضی اللہ عنہ ایسی سفید رنگت والے مرد تھے جس میں سرخی نمایاں تھی۔

چنانچہ اگر معترض کے مفروضے کو اہمیت دے دی جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ: سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پہلے عربی تھے پھر قحط والے سال حبشی ہو گئے، اور اس کے بعد پھر سے عربی ہو گئے۔ حالانکہ یہ عقل وشعور سے پرے اور کسی بھی سمجھدار کی سمجھ میں نہ آنے والی فضول توجیہ ہے۔ لہٰذا ماننا ہی پڑے گا کہ: سیاہ رنگت حبشی ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔

(۲)۔ بلاشبہ اکثر حبشیوں کا رنگ ''کالا'' یا ''کالا مائل'' ہی ہوتا ہے لیکن یہ بھی حق ہے کہ: ''ہر حبشی ''کالا'' نہیں ہوتا'' چنانچہ سیرتِ ابن ہشام کی شرح ''الروض الأنف'' جلد 3 صفحہ 263 میں علامہ عبدالرحمٰن السہیلی لکھتے ہیں کہ:

''ان ابا نیزر ...... کان ابنا للنجاشي نفسه ...... وکان ابونیزر من اطول الناس قامة، واحسنهم وجها قال: ولم یکن لونه کالوان الحبشة ولکن اذا رأیته قلت: ھذا رجل من العرب ''یعنی حضرت ابونیزر رضی اللہ عنہ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے یعنی شہزادے تھے اور وہ لوگوں میں بلند قامت، حسین چہرے والے اور راوی کہتے ہیں کہ: ان کا رنگ بھی حبشیوں کے رنگ کی طرح نہیں تھا، چنانچہ اگر تو انہیں دیکھ لیتا تو کہتا کہ: یہ عربی آدمی ہیں۔

معلوم ہوا کہ: ہر حبشی کالا بھی نہیں ہوتا چنانچہ اگر حضرت ابونیزر رضی اللہ عنہ

کے حبشی ہونے کے باوجود ان کا حسن و جمال اور صاف رنگ منظور و مسلم ہے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں ''صاف رنگ'' والی حقیقت مان لینے سے کون سی شےء مانع ہے جبکہ تسلیم کیا جاچکا ہے کہ: آپ رضی اللہ عنہ کے والدین میں سے صرف والدہ ہی حبشی النسل تھی، اس کے علاوہ صاف رنگ ہونے پر تو دلائل وشواہد بھی نقل کیے جاچکے ہیں۔

مزید برآں! مجھے سید محمد عامر گیلانی صاحب کی کتاب ''عاشقِ رسول حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ'' دیکھنے کا موقع ملا جس میں اگر چہ دوسروں کی طرح انہوں نے بھی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رنگ کے کالے ہونے پر ہی زور دیا ہے لیکن اس کتاب کے ایک دو جملے یہاں پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں تا کہ دورِ حاضر کے سیرت نگاروں کے لئے ہماری بات کو سمجھنا مزید آسان ہو جائے چنانچہ صفحہ نمبر 13 میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''(باپ کی طرف سے عرب اور ماں کی طرف سے غیر عرب)''

نیز صفحہ نمبر 14 پر آپ رضی اللہ عنہ کے خاندان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''خاندان کا تعلق ان قبائل سے تھا جو قدیم زمانہ سے حبشہ اور یمن کے درمیان آباد تھے، اس لئے کلیۃً نہ حبشی وزنجی اوصاف پائے جاتے تھے اور نہ ہی کلیۃً وہ سامی النسل کی خصوصیات کے حامل تھے'' ایک جملہ چھوڑ کر مزید لکھتے ہیں کہ ''ان کا تعلق مولّد ہونے کے اعتبار سے مذکورہ دونوں نسلوں سے تھا''

گیلانی صاحب کی کتاب سے اسی عبارت کو لے کر شیخ محمد حسن نقشبندی

صاحب نے بھی اپنی کتاب ''سیرتِ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ'' کو زینت بخشی نیز ایسی ہی وضاحت پر مبنی ایک عبارت الیاس عادل صاحب نے بھی اپنی کتاب ''سیرتِ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مؤذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کے صفحہ نمبر 14 پر لکھ دی۔

میں کہتا ہوں کہ: جب اس بات کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ: آپ کلی طور پر حبشی بھی نہیں تھے اور نہ ہی مکمل طور پر حبشیوں کے اوصاف کے مالک تو یہ بھی مان لینا چاہیے کہ: آپ رضی اللہ عنہ کا رنگ گندمی ہی تھا ورنہ آپ رضی اللہ عنہ میں پائی جانے والی کونسی شےء سے ثابت ہوتا ہے کہ: آپ رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں حبشی نسل کے علاوہ یمنی اثر بھی موجود ہے؟ ورنہ مولّد (یعنی دونوں طرح کی نسلوں سے تعلق) مان کر بھی محض ''حبشہ'' ہی کا سہارا لے کر سیرت نگاروں کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہ کو رنگ کا ''کالا سیاہ'' قرار دینا نہایت تعجب خیز اور سمجھ سے باہر ہے۔

......واللہ اعلم ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم ......

دلیلِ مخالف نمبر 4:

رسالہ قشیریہ اور حدیثِ ابی ذر رضی اللہ عنہ

رسالہ قشیریہ (مترجم) صفحہ نمبر 286 میں لکھا ہے کہ:

''سیّدنا ابوذر اور سیّدنا بلال رضی اللہ عنہما کے درمیان جھگڑا ہوگیا۔ چنانچہ سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو انکے ''سیاہ رنگ'' کی عار دلائی انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یا ابا ذر ! انه بقي في قلبك من كبر الجاهلية شيء'' اے ابوذر! تمہارے دل میں ابھی تک جاہلیت کے تکبر میں سے کچھ باقی ہے۔ چنانچہ سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو گرادیا اور قسم کھائی کہ: جب تک (سیّدنا) بلال (رضی اللہ عنہ) ان کے رخسار کو اپنے قدموں سے نہیں روندیں گے وہ اپنا سر نہیں اٹھائیں گے، چنانچہ انہوں نے سر نہ اٹھایا حتی کہ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اس طرح کا عمل کیا''۔

ثابت ہوا کہ: آپ رضی اللہ عنہ کا رنگ کالا ہی تھا ورنہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کو رنگ کا ''کالا'' ہی کیوں کہتے؟

الجواب:

ہم اسکے دو جواب دیتے ہیں!

(1)۔ تحقیقی جواب (2)۔ الزامی جواب

(1)۔ تحقیقی جواب:

رسالہ قشیریہ کی جس روایت کو یہاں سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رنگ کی سیاہی پر دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے یہ "سیاہ رنگ" کے ثبوت پر دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ اولا! تو یہ روایت رسالہ قشیریہ میں بلاسند ذکر کی گئی ہے اور ثانیاً یہ کہ: رسالہ قشیریہ کی اس روایت میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو "سیاہ رنگ" کی عار دلانے کا بیان کیا گیا ہے حالانکہ اصل معاملہ کچھ اور ہے، چنانچہ اب دیکھنا یہ ہے کہ: اصل واقعہ کیا ہے؟ کیا واقعی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو "انہی کو "کالا" کہہ کر عار دلائی تھی؟ چنانچہ یہ واقعہ کتب حدیث میں اجمال و تفصیل کے ساتھ کچھ یوں روایت کیا گیا ہے کہ:

☆۔ "عن المعرور قال: لقيت ابا ذر بالربذة وعليه حلة وعلى غلامه حلة فسألته عن ذالك، فقال: انى ساببت رجلا فعيرته بامه، فقال لى النبى صلى الله عليه وسلم: يا ابا ذر! أعيّرته بامه؟ انك امرؤ فيك جاهلية ......الخ۔"

(الصحیح للبخاری صفحہ نمبر 8 رقم الحدیث 30)

(الصحیح للبخاری صفحہ نمبر 411 رقم الحدیث 2545)

(الصحیح للمسلم صفحہ نمبر 732 رقم الحدیث 4315)

ترجمہ: معرور سے روایت ہے: فرمایا کہ: میں ربذہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملا اس وقت آپ پر اور آپ کے غلام پر ایک طرح کا ہی حلہ تھا میں نے ان سے اس بارے میں سوال کیا تو فرمایا: بلاشبہ میں نے ایک آدمی کو گالی دیتے ہوئے اس کی والدہ کی وجہ سے عار دلائی تو

مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوذر! کیا تم نے اس کو اسکی والدہ کی وجہ سے عار دلائی؟ تم میں ابھی تک جاہلیت کی کچھ بات باقی ہے......الخ۔

☆. عن المعرور، وهو ابن سويد، عن ابى ذر قال: رأيت عليه بردا وعلى غلامه بردا، فقلت :لو اخذت هذا فلبسته كانت حلة، واعطيته ثوبا اخر، فقال: كان بيني وبين رجل كلام، وكانت امه اعجمية فنلت منها فذكرني الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال لي: اسابيت فلانا؟ قلت: نعم، قال: افنلت من امه؟ قلت: نعم قال: انك امرؤ فيك جاهلية ......الخ.

(الصحيح للبخارى صفحه1056رقم الحديث 6050)
(الصحيح للمسلم صفحه نمبر732رقم الحديث 4313)
(السنن لابى داؤد صفحه1016رقم الحديث 5157)
(مسند امام احمد بن حنبل جلد5صفحه نمبر 161)
(التاريخ لابن عساكر جلد36صفحه نمبر 131)
(سير اعلام النبلاء للذهبي جلد3صفحه نمبر376)
(الآداب للبيهقى صفحه 31رقم69)

ترجمہ: معرور بن سوید سے روایت ہے وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کرتے ہیں: فرمایا کہ: میں نے ان پر اور ان کے غلام پر ایک طرح کی چادر دیکھی تو میں نے عرض کیا: کاش آپ اس حلے کو خود ہی پہن لیتے اور اس غلام کو کوئی اور کپڑا دے دیتے! تو فرمایا: میرے اور ایک آدمی کے درمیان کچھ کلام ہوا اس کی والدہ عجمی عورت

تھی تو میں نے اس کے بارے میں کچھ کہہ دیا تو اس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں میری اس بات کا ذکر کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کیا تم نے فلاں کو گالی دی؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، فرمایا: کیا تم نے اس کی والدہ کے بارے میں کچھ کہا؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، فرمایا: تم میں ابھی تک جاہلیت کی کچھ بات باقی ہے......الخ۔

☆۔(عن ابی ذر : قال: قال لی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم)یا ابا ذر: بلغنی انك عیرت الیوم رجلا بامه، یا ابا ذر ارفع رأسك، فانظر، ثم اعلم انك لست بافضل من احمر فیها ولا اسود الا ان تفضله بعمل، یا ابا ذر اذا غضبت فان كنت قائما فاقعد، وان كنت قاعدا فاتكیء وان كنت متكئا فاضطجع۔

(کنز العمال جلد 3صفحہ نمبر 332رقم الحدیث 8867الغضب "رواه ابن ابی الدنیا فی ذم الغضب")

ترجمہ: (حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) اے ابوذر! مجھے خبر ملی ہے کہ: آج تم نے ایک آدمی کو اس کی والدہ کی بابت عار دلائی ہے، اے ابوذر: اپنا سر اٹھاؤ اور دیکھو، چنانچہ اچھی طرح جان لو کہ: بلاشبہ تم یہاں کسی بھی عربی یا حبشی سے افضل نہیں ہو بلکہ تم اعمال کی وجہ سے ہی فضیلت پاؤ گے، اے ابوذر! جب تمہیں غصہ آئے اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اور اگر بیٹھے ہو تو تکیہ لگا لو اور اگر تکیہ لگائے ہوئے ہو تو لیٹ جاؤ۔

☆۔"عن زید بن اسلم قال: کان بین ابی ذر ورجل من المسلمین شیء، فعیرہ ابوذر بأمہ ......الخ۔"

(مصنف عبد الرزاق جلد10صفحہ نمبر 37،38رقم21188)

ترجمہ: حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں میں سے ایک شخص کے درمیان کچھ تنازع ہوا، تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو اس کی والدہ کی نسبت عار دلائی......الخ۔

تنبیہ:

ان روایتوں میں ایک ہی واقعہ بیان کیا گیا ہے، لیکن ایک ابہام یہ ہے کہ: یہاں اس شخص کا نام ذکر نہیں کیا گیا جس کی والدہ کے بارے میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عار دلائی چنانچہ اس ابہام کو دور کرنے کے لئے ہم ایسی روایت پیش کردیتے ہیں جس میں اس شخص کا نام بھی ذکر کردیا گیا ہے، چنانچہ:

☆۔حافظ ابوالقاسم خلف بن عبد الملک ابن بشکوال الاندلسی اپنی کتاب "غوامض الاسماء المبھمۃ" صفحہ نمبر 479 میں یہی واقعہ یوں روایت کرتے ہیں کہ:

"عن المعرور بن سوید، قال: رأیت ابا ذر وعلیہ حلیۃ، وعلی غلامہ مثلھا فسألتہ عن ذالک فذکر انہ ساب رجلا یعیرہ بامہ، واتی الرجل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکر ذالک لہ، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: انک امرؤ فیک جاھلیۃ! ...... الرجل المذکور فی الحدیث ھو بلال

مولی ابی بکر رضی اللّٰہ عنہ"۔

ترجمہ: معرور بن سوید سے روایت ہے، فرمایا: میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور آپ کے غلام پر ایک ہی طرح کی چادر کو دیکھا تو میں نے ان سے اس بارے میں سوال کیا تو انہوں نے ذکر فرمایا کہ: انہوں نے ایک آدمی کو اسکی والدہ کی بابت عار دلائی، وہ آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ: ابھی تک تم میں جاہلیت کی کچھ بات باقی ہے......۔ جس آدمی کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔

چنانچہ ثابت ہو گیا کہ: مذکورہ بالا تمام روایات میں "رجل" سے مراد سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ ہی ہیں نیز اب ایک ایسی روایت پیشِ خدمت ہے جس میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا نام بھی موجود ہے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی جانب سے آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ صاحبہ کے متعلق کہے جانے والے ان الفاظ کا بھی بیان ہے جو عار دلانے کے لئے استعمال ہوئے، چنانچہ!

☆۔علامہ ابن عساکر اپنی تاریخ جلد 6 صفحہ نمبر 244 میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"عیر ابوذر بلالا بامه فقال: یا ابن السوداء، وان بلالا اتی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فاخبره فغضب فجاء ابوذر ولم یشعر فاعرض عنه النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم

فقال: ما اعرضك عني الا شيء بلغك يا رسول الله (صلى الله عليه وسلم)! قال: انت الذى تعير بلالا بامه ......الخ"
یعنی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ان کی والدہ کی بابت عار دلاتے ہوئے یوں کہا: اے حبشی عورت کے بچے! تو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دیدی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہو گئے پھر جب ابوذر حاضر ہوئے تو انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا علم نہیں تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منہ پھیر لیا تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کو میری طرف سے ایسی کون سی بات پہنچی کہ: آپ نے مجھ سے رُخِ انور پھیر لیا؟ فرمایا: تم ہی وہ ہو جس نے بلال کو اس کی والدہ کی بابت عار دلائی ہے؟......الخ۔

فائدہ:

ثابت ہو گیا کہ: اصل واقعہ وہ نہیں جو رسالہ قشیریہ کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے یعنی حضرت ابوذر غفاری نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو "کالا" نہیں کہا بلکہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ان کی والدہ محترمہ کی بابت طعنہ مارا اور جن الفاظ کو بطور طعن استعمال کیا وہ یہ ہیں "یا ابن السوداء" چنانچہ یہاں لفظ "سوداء" کا معنیٰ "سیاہ"، "لونڈی" اور "حبشی النسل" بھی۔ لہٰذا "یا ابن السوداء" کا معنیٰ "اے کالی عورت کے بچے" یا "اے لونڈی کے بچے" یا پھر "اے حبشی عورت کے بچے" تینوں میں سے

کوئی بھی ہو سکتا ہے۔

نیز پیچھے کتاب کے شروع میں والدہ صاحبہ کے تعارف کے ضمن میں ''ابن عساکر'' کی اسی روایت پر روشنی ڈال چکا ہوں کہ ایسا ہی جملہ ''امیہ بن خلف'' بھی بطور طعن بولا کرتا تھا، یہاں مزید تفصیلات کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ رسالہ قشیریہ کی عبارت بھی حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی رنگت کے سیاہ ہونے پر دلیل نہیں بن سکتی، بلکہ بات وہی حق ہے جو سابق میں پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی رنگت گندمی ہی تھی کالی نہیں۔

الزامی جواب:

چلیں ایک پل کے لئے مان لیتے ہیں کہ واقعی ایسا ہی ہوا تھا جیسا کہ رسالہ قشیریہ میں بیان کیا گیا ہے، یعنی ''کالا'' سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ہی کہا گیا تھا نہ کہ: آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ کو، تو یہ اندازہ بھی خود ہی لگالیں کہ: سیّدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو رنگ کا ''کالا'' کہنے سے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو کتنا دُکھ پہنچا؟ پھر یہ بھی سوچ لیں کہ: خود جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ لفظ سن کر ناراضگی ظاہر فرمائی، نیز حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بھی اس لفظ کے استعمال کے بعد اپنی غلطی قبول کی اور اس پر شرمندگی کا مظاہرہ کر کے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے معافی کے خواستگار ہوئے، چنانچہ رسالہ قشیریہ کی اس عبارت کے پیشِ نظر اگر تھوڑی سی غیرت اور توفیق بچی ہو تو خود ہی سوچ لینا چاہیے کہ: کیا آج بھی سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ''کالا'' کہنے پر سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ دُکھی اور جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض نہ ہوتے ہوں

گئے؟ پھر لگے ہاتھ ذرا یہ بھی حساب فرما دیں کہ: سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو "کالا" کہنے والے کتنے حضرات نے غلطی کا اعتراف کیا اور جنابِ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے معافی مانگی؟ چنانچہ اس روایت کے پیشِ نظر سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو رنگ کا "کالا" کہنے والوں کو عبرت پکڑنی چاہیے، دریں اثناء یہ روایت "سیاہ رنگ" کے حامیوں کے ہی خلاف جاتی ہے۔

دلیلِ مخالف نمبر 5:

تدفینِ نبوی ﷺ اور سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ

ایک پروفیسر صاحب نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی سیرت پر لکھی جانے والی اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 205، 206 پر یوں لکھا ہے کہ: ''سیّدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: تدفین کے بعد قبر مبارک پر چھڑکاؤ کرنے کی سعادت بھی میرے حصے میں آئی، میں آہستہ آہستہ قبر پر چھڑکاؤ کرتا جاتا تھا اور سوچتا جاتا تھا کہ: آج کیسا آفتاب غروب ہو گیا، کیا سعادت ہے اس زمین کی مٹی کے ان ذروں کی جنہوں نے اس آفتاب کو اپنی آغوش میں لیا ہے۔ مٹی بیٹھ گئی تو میں نے ہاتھوں سے تھپک تھپک کر اسے ہموار کیا رخصت ہوتے ہوئے مڑ کر دیکھا تو ساری قبر پر میرے سیاہ ہاتھوں کے نشان بنے ہوئے تھے۔ (مشکوۃ وکر یگ)''۔

الجواب:

مٹی پر ''ہاتھوں کے نشان'' تو ایک جیسے ہی ہوتے ہیں خواہ ہاتھ سفید ہوں یا گندمی یا کالے سیاہ، اگر کچھ فرق ہوتا ہے تو صرف چھوٹے بڑے کا لیکن سوال یہ ہے کہ: پروفیسر صاحب کے لفظِ ''سیاہ'' سے صفحہ ''سیاہ'' کرنے میں کیا حکمت ہو سکتی ہے؟

کہیں ایسا تو نہیں کہ عبارت میں موجود ''سیاہ ہاتھوں کے نشان'' والی بات سے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا رنگ ''کالا'' ثابت کرنا مقصود تھا اگر ایسا ہے تو خدا کی پناہ! کیا واقعی سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی رنگت اتنی ''سیاہ'' تھی کہ مٹی پر ہاتھ لگانے

سے وہ بھی سیاہ پڑ گئی، العیاذ باللہ من ذلک، یہ ہے ''کالے رنگ'' کی حمایت کرنے والوں کا عشق، اور اسکی بے جا شہرت کا وبال، اتنی عجیب بات لکھتے وقت کیا عقل تیل لینے گئی تھی؟ اس کے نامقبول ہونے کی تو محض یہی ایک وجہ ہی کافی ہے لیکن اس کے علاوہ یہ دلیل خود دو اور وجہوں سے بھی ناقابلِ قبول ہے!

پہلی وجہ!

یہ روایت صرف اتنے ہی الفاظ کے ساتھ کہ ''حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور پر بعد از دفن پانی چھڑکا'' مشکوۃ میں ''دلائل النبوۃ للبیھقی'' کی جلد 7 صفحہ نمبر 206 کے حوالے سے مروی ہے اس کے علاوہ یہ روایت ''طبقات ابن سعد''، ''تلخیص الحبیر للعسقلانی'' اور'' سبل الھدی والرشاد للصالحی ''جلد 12 صفحہ نمبر 335 میں بھی موجود ہے لیکن ان میں سے کسی بھی روایت میں دیگر الفاظ کے ساتھ ساتھ ''سیاہ ہاتھوں'' والی بات کا وجود تک نہیں، معلوم نہیں پروفیسر صاحب نے ان الفاظ کو واقعتاً کہاں سے اخذ کیا؟

یا شاید انہوں نے ''کریگ'' نامی افسانہ نگار کی لکھی ہوئی کسی کتاب سے اخذ کیا ہو، اگر واقعی ایسا ہے تو چونکہ وہ کتاب میری نظروں سے نہیں گزری البتہ پروفیسر صاحب اور دیگر کئی اور مصنّفین نے اپنی کتب میں کئی جگہ ''کریگ'' کے حوالے سے عجائبات وغرائبات رقم فرمائے ہیں انہیں پڑھ کر یہ اندازہ لگانا ذرا بھی مشکل نہیں رہتا کہ اس فنِ سیر میں ''کریگ'' کی کوئی اوقات نہیں کیونکہ اس کی بیان کردہ روایات افسانوی طرز کی ہیں جس کی بیشتر کہانیوں کے ماخذ کا کوئی اتہ پتہ نہیں، مزید برآں وہ روایاتِ صریحہ کے بھی خلاف ہیں ایسے میں بھلا کسی

بھی ذمہ دار سیرت نگار کا ''یکتائے فن اور مشہور و مستند اصحابِ سیر'' کی معتبر کتب کو چھوڑ کر ''کریگ'' یا اس جیسے کسی بھی دوسرے مصنف کی لکھی جانے والی بے ڈھنگی کہانیوں پر مبنی افسانوی طرز پر لکھی ہوئی کتاب کو قابلِ استناد سمجھ کر بطور ثبوت پیش کرنا عقل مندی نہیں، اور نہ ہی یہ شیوہ اہلِ قرطاس و قلم کا ہے۔

دوسری وجہ!

پروفیسر صاحب نے یہ واقعہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی زبان سے مروی بیان کیا ہے حالانکہ میرے علم کے مطابق اس روایت کے صرف ایک ہی راوی حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہیں (حوالہ سابق میں دے دیا گیا ہے)، لیکن خوب تلاش کے باوجود کسی بھی مستند کتاب سے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی زبانی تو دور، مجھے کسی دوسرے صحابی سے بھی مروی یہ روایت نہیں ملی۔

......واللّٰہ اعلم ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ......

دلیلِ مخالف نمبر 6:

موجودہ مصنّفین اور جمالِ بلال رضی اللہ عنہ

عبدالحمید السحار مصری نے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رنگ کے بارے میں اپنی کتاب "بلال مؤذن الرسول" کے صفحہ 4 میں لکھا ہے کہ: "عبد اسود اللون" یعنی: آپ رضی اللہ عنہ "کالے رنگ" کے غلام تھے۔

الجواب:

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے لئے "اسود اللون" کا لفظ تو کسی روایت سے ثابت نہیں، چنانچہ صاف ظاہر ہے کہ: عبدالحمید السحار کا حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے لئے اس لفظ کو استعمال کرنا فقط قیاس آرائی اور عوامی قول پر اعتماد کی علامت ہے اور کچھ نہیں، چنانچہ عبدالحمید السحار کی کتاب ہو یا کوئی اور لوکل کتاب، جب تک ان میں ایسی کوئی بات نہ ملے جو عقل و دلائل کے خلاف ہو تو سر آنکھوں پر، ورنہ ایسی باتوں کو بطورِ دلیل لینا تعجب کی بات ہے، السحار کے علاوہ بھی دورِ حاضر کے کئی سیرت نگاروں نے دیکھا دیکھی حضرت سیّدنا بلال حبشی یمنی رضی اللہ عنہ کے رنگ کو "کالا" ہی بیان کیا ہے، ہماری معلومات کے مطابق ان میں سے کوئی ایک بھی آپ رضی اللہ عنہ کے رنگ کے کالے ہونے پر کوئی دلیل نہیں دے پایا، بس ایک دوسرے کی تقلید میں کتابیں لکھتے چلے گئے، اور حق تو یہ ہے کہ: حضرت کے رنگ کا "کالا" ہونا عوام الناس میں اس قدر مشہور کر دیا گیا ہے کہ شاید اسی لئے دلائل ذکر کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی اس پر بھی طرفہ یہ کہ: اب قلم بھی تحقیق سے عاری اور سماعی باتوں کو لکھنے پر بے دریغ جاری ہیں۔

معاف کیجئے گا! موجودہ مصنفین سے قطع نظر! حیرت انگیز حد تک کئی بزرگ صوفیاء بھی پیچھے نہیں رہے انہوں نے بھی سیّدنا بلال حبشی یمنی رضی اللہ عنہ کے رنگ کو بڑی شدومد کے ساتھ ''کالا'' ہی بیان کیا ہے، حالانکہ ان بزرگ صوفیاء کے ایسے الفاظ کی جوابی وضاحت ہم سابق میں مثنوی رومی والے اعتراض کے ضمن میں پیش کر چکے ہیں، لیکن افسوس! انہی بعض بزرگوں کے ان الفاظ کا غلط سہارا لے کر موجودہ سیرت نگار اور واعظین بھی نام ونمود کی خاطر یہاں بے باکی کا مظاہرہ کر کے اصولِ تحقیق کی ماں بہن کر دیتے ہیں۔

میں یہ بھی اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ: دلائل کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں مخالفت موجود ہو، تاریخ گواہ ہے اور رہے گی کہ: آج تک کسی نے بھی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رنگ پر ہماری طرح آواز نہیں اٹھائی، چنانچہ اسی وجہ سے ہمیں بغیر کسی تیار شدہ مواد کے خود ہی از اول تا آخر اس سلسلہ کی متوقعہ کتب کا مطالعہ کرنا پڑا، جس کا مقصد محض ان ممکنہ دلائل کو دریافت کرنا تھا جن کو کسی بھی دور میں ''کالے رنگ'' کے اثبات پر بطور دلیل استعمال کیا جا سکتا ہے، چنانچہ ہم نے بڑی محنت اور جستجو کے ساتھ ''کالے رنگ'' کے حامیوں کی طرف سے ممکنہ دلائل جمع کیے جس میں ہم نے ذرا بھی بخل سے کام نہیں لیا پھر الحمدللہ اتنی ہی فراخ دلی اور محنت کے ساتھ ان اعتراضات کو مُسکت و مُسقط جوابات کے ساتھ کمزور ثابت کیا تا کہ کوئی بھی علم جُو اگر بعد میں کبھی دورانِ مطالعہ ان دلائل کی اطلاع پائے تو اسے ان کے جوابات پہلے سے ہی ہماری اس تحقیق میں بالکل تیار ملیں، اسے خواہ مخواہ فضول چیلنج کرنے میں وقت برباد نہ کرنا پڑے، اس سلسلے میں کتب کے مطالعہ سے ہم پر یہی واضح ہوا ہے کہ سیّدنا بلال

رضی اللہ عنہ کے رنگ کو ''کالا'' سمجھنا اور کہنا بعد کی پیداوار ہے، لیکن یہ معلوم نہیں کہ: یہ سلسلہ کب شروع ہوا اور اس کا اصل سبب کیا ہے؟ شاید چند محتمل روایتیں جو کہ: ہم نے اعتراض میں پیش کر دیں یا پھر کسی نے سیّدنا بلال حبشی یمنی رضی اللہ عنہ کو خواب میں کالے رنگ والا ہی دیکھ لیا ہو اور پھر اسے ایسا ہی مشہور کر دیا ہو حالانکہ یہ تو کوئی دلیل نہیں یہ تو اسی طرح ہے کہ اگر میں کہہ دوں کہ میں نے حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو خواب میں نہایت گورے رنگ والا دیکھا ہے، تو اب بھلا کون مانے گا؟

عبدالحمید السحار کی کتاب کا حوالہ تو ہم نے بھی سابق میں نقل کیا تھا لیکن ہم نے اس کی کتاب کو نہیں بلکہ اس میں موجود جس عبارت کو بطور دلیل پیش کیا وہ روایت و درایت اور عقل وفہم کے ذرا بھی خلاف نہیں تھی یہی تو اس ساری بحث کا مقصد ہے کہ: ہر بات کا آنکھ بند کر کے نہ تو انکار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی تسلیم، جب تک کہ اسے روایت و درایت اور عقل وفہم کے ترازو پر نہ تولا جائے، لہٰذا السحار یا کسی بھی سیرت نگار کا بلا دلیل سیّدنا بلال حبشی یمنی رضی اللہ عنہ کے رنگ کو کالا کہہ دینا کم از کم میرے نزدیک تو کوئی حجت نہیں۔

واللہ تعالٰی اعلم ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

....

دلیلِ مخالف نمبر 7:

حوروں کے رخساروں پر سیاہ تلک

''اللہ تعالیٰ نے جنتی حوروں کا حسن مکمل کرنے کے لئے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رنگ کی سیاہی سے حوروں کے رخسار پر تلک لگائے'' جس سے معلوم ہوا کہ: سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا رنگ کالا تھا۔

الجواب:

اس قول کے صدور وورود اور صحت وسقم سے قطع نظر! اسے ''المقاصد الحسنة للسخاوی'' صفحہ 214 زیرِ رقم 460 اور ''کشف الخفاء للعجلونی'' جلد 1 صفحہ 347 زیرِ رقم 1254 میں ''المحلّی'' کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے، چنانچہ منقول ہے کہ: ''انه لا یکمل حسن الحور العین فی الجنة الا بسواد بلال، یفرّق سواده شامات فی خدودهن'' یعنی جنتی حوروں کا حسن سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے سیاہ رنگ سے ہی مکمل کیا گیا ہے، آپ رضی اللہ عنہ کی سیاہی سے حوروں کے رخساروں پر تلک لگائے گئے ہیں۔

چنانچہ میں کہتا ہوں کہ: اگر مذکورہ بالا عبارت کا یہ مفہوم مراد لیا جائے کہ:

''سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رنگ کی ممکنہ سیاہی اللہ تعالیٰ نے حوروں کی تخلیق کے وقت ہی ان کے رخساروں پر تلک کی صورت میں ہی بانٹ دی، اسی لئے جب سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو ان کا رنگ دوسرے عام حبشیوں کے رنگ کی طرح سیاہ نہیں تھا''

تو یہ مفہوم مندرجہ بالا عبارت کے سیاق وسباق کے عین مطابق بھی

ہے، اسی سے ''گندمی رنگ'' پر بھی بہترین استدلال کیا جا سکتا ہے، نیز اسی میں آپ رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی ہے اور عقلِ سلیم بھی اسے خوشی خوشی تسلیم کر لیتی ہے۔

لیکن اگر اس قول سے یہ مفہوم مراد لے لیا جائے کہ:

''حوروں میں سیاہی باٹنے کے باوجود سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے سیاہ رنگ میں کچھ فرق نہیں آیا''۔

تو اس سے بڑا عجیب اور بے تکا استدلال میرے دیکھنے سننے میں ہرگز نہیں آیا، خدا کی پناہ! کیا واقعی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا رنگ اتنا کالا تھا کہ: آپ رضی اللہ عنہ کی سیاہی سے جنت کی ساری حوروں (جن کی تعداد اللہ ہی بہتر جانتا ہے) کے رخساروں کو تلک لگا کر بھی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی سیاہی میں کوئی فرق نہ آیا ہوگا؟

بلکہ معاف کرنا! یہاں تو بات صرف ایک تلک کی ہے لیکن میری شنید کے مطابق تو کئی خطباء حضرات اس سے بھی مزید دو قدم آگے بڑھ کر یوں گویا ہوتے ہیں کہ: حوروں کے سر کے بالوں، پلکوں اور آنکھوں کی پتلیوں کی سیاہی اور آنکھوں کا کاجل بھی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رنگ کی سیاہی سے ہی لیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ: بیان کرنے والوں نے حوروں پر جتنی سیاہی کے استعمال کا ذکر کر دیا ہے اگر یہ سیاہی رات کی تاریکی سے لی گئی ہوتی تو شاید رات بھی دن کی طرح سفید ہو جاتی، مقامِ نظر و فکر ہے کہ اتنی زیادہ سیاہی کے استعمال ہونے کے باوجود حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو پھر بھی ''کالا سیاہ'' ثابت کرنا عقل و شعور

سے باہر ہے۔

حق تو یہ ہے کہ: مذکورہ بالا قول ''سیاہ رنگت'' کے اثبات کی دلیل نہیں بن سکتا بلکہ اس سے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے صاف رنگ ہونے پر ہی راہنمائی ملتی ہے لہٰذا مذکورہ بالا عبارت سے ''سیاہ رنگت'' کو ثابت کرنے کی کوشش کرنا خواہ مخواہ کی زور زبردستی ہے، اور کچھ نہیں۔

....

دلیلِ مخالف نمبر 8:

(حوروں کی ملکہ اور سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ

کہا جاتا ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات جنت کی سیر کو تشریف لے گئے وہاں جنت کی سبھی حوروں سے ملاقات ہوئی جن میں حوروں کی ملکہ بھی تھی جوان سب سے زیادہ حسن و جمال والی تھی وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حوروں میں اپنے امتی تقسیم فرمائے حوروں کی ملکہ نے عرض کیا: حضور! میرے لئے آپ کا کونسا امتی ہوگا؟ فرمایا: بلال! ملکہ نے یہ سنتے ہی تیور بدل کر کہا: مجھے ''کالا بلال'' پسند نہیں (معاذ اللہ) یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ تو تمہاری رائے ہے کہ تمہیں بلال پسند نہیں حالانکہ میں نے ابھی بلال سے نہیں پوچھا، پتہ نہیں وہ تمہیں پسند کرتا بھی ہے یا نہیں''۔

الجواب:

یہ واقعہ نہیں بلکہ ایک موضوع (من گھڑت) کہانی ہے جس کا نہ تو کوئی مستند حوالہ ہے اور نہ ہی کوئی اصل، مزید برآں یہ کہانی کسی وضاع (حدیثیں گھڑنے والے) کی بدترین ذہنیت اور پرلے درجے کی جہالت کا واضح ثبوت ہے کیونکہ اسے سن کر یہ فیصلہ کرنا ذرا بھی مشکل نہیں رہتا کہ وضاع نے یہ کہانی بنا کے دراصل کئی طرح کی گستاخیوں کا ارتکاب کر دیا ہے، مثلا!

(1)۔ وضاع کے نزدیک حوروں کو ایمان کی کوئی قدر و منزلت نہیں بلکہ ان

کے نزدیک ظاہری دنیاوی حسن و جمال ہی اہم ہے۔ (معاذ اللہ)

(2)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ'' (یعنی اس دن کچھ چہرے روشن اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے) نیز معجم صغیر طبرانی حصہ 1 صفحہ نمبر 222 میں ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی اس آیت ''سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود'' کے بارے میں فرمایا: (مؤمنین کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے مراد) قیامت کے دن (ان کے چہروں پر) نور ہوگا۔

نیز المقاصد الحسنۃ صفحہ 214 زیرِ رقم 460 میں امام سخاوی اور کشف الخفاء جلد 1 صفحہ 348 زیرِ رقم 1254 میں علامہ عجلونی ''طبرانی'' کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ: ''قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: والذی نفسی بیدہ انہ لیرٰی بیاض الاسود فی الجنۃ من مسیرۃ الف عام'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہءِ قدرت میں میری جان ہے، جنت میں حبشی کے رنگ کی سفیدی ایک ہزار سال کی دوری سے بھی نظر آجایا کرے گی۔

علامہ عجلونی ''کشف الخفاء'' میں اسی مقام پر ایک اور روایت نقل فرماتے ہیں کہ: ''ان مؤمنی السودان لا یدخلون الجنۃ الا بیضا'' یعنی بلاشبہ مؤمن حبشی جنت میں سفید رنگت کے ساتھ ہی داخل ہوں گے۔

چنانچہ وضاع کے نزدیک حوروں کی ملکہ اس بات سے بھی (معاذ اللہ) جاہل تھی کہ جنت میں داخل ہونے والوں کے چہرے سفید اور روشن ہوں گے، کالے نہیں۔

(3)۔وضاع کے نزدیک حور بھی دنیاوی عورتوں کی طرح نافرمان ثابت ہوئی کیونکہ جب حوروں کی ملکہ نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو نہیں مانا تو دوسری حوریں اپنے جنتی شوہروں کی نافرمان کیوں نہ ہوں گی؟ (معاذ اللہ)

(4)۔وضاع کے نزدیک حوروں کی ملکہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے ان کے رنگ کی وجہ سے نفرت کرتی تھی، چنانچہ اگر حوروں کی ملکہ کو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے اس قدر نفرت تھی تو بقیہ حوروں کی نفرت کا عالم کیا ہوگا؟ (معاذ اللہ)

(5)۔وضاع کے نزدیک صرف حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ ہی ایک ایسے جنتی ہیں کہ حوریں ان کو صرف کالے رنگ کی وجہ سے اپنانا پسند نہیں کرتیں چنانچہ اگر ایسا ہی ہے تو بقیہ ساری امت کے افراد میں کالے رنگ والوں کو حوریں کیونکر قبول کرلیں گی؟ (معاذ اللہ)

(6)۔سابق میں الحلی، المقاصد الحسنہ اور کشف الخفاء کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ: سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے سیاہ رنگ کو حوروں کے رخسار پر تکمیلِ حسن کے لئے تلک لگانے کے طور استعمال کیا گیا ہے۔اس لحاظ سے حوروں کی ملکہ کو سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی احسان مند ہونا چاہیے لیکن وضاع کے نزدیک حوروں کی ملکہ ناشکری اور احسان فراموش ثابت ہوئی۔(معاذ اللہ)

(7)۔ابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 235 میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت تین افراد کی بے حد مشتاق ہے "علی، عمار اور بلال" (رضی اللہ عنہم)۔تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ: جنت کی ہر چیز کو تو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا اشتیاق ہو لیکن حوریں مشتاق

نہ ہوں؟ (سبحان اللہ)

(8)۔"المقاصد الحسنۃ" اور "کشف الخفاء" میں طبرانی اور مستدرک للحاکم کے حوالے سے یوں نقل کیا گیا ہے کہ: "قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: اتخذوا السودان، فان ثلاثۃ منھم من سادات اھل الجنۃ: لقمان والنجاشی وبلال" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: حبشیوں کو دوست بنالو کیونکہ ان میں سے تین اہلِ جنت کے سردار ہیں: حکیم لقمان، بادشاہ نجاشی اور بلال۔

لیکن وضاع کے نزدیک حوروں کی ملکہ کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اس فضیلت سے انکار ہے۔ (معاذ اللہ)

(9)۔وضاع کے افسانے کے مطابق حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ محض اپنے کالے رنگ کی وجہ سے بغیر حوروں کے جنت میں رہیں گے، کیونکہ کوئی حور بھی ان کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں۔ (معاذ اللہ)

(10)۔سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے حوروں کی ملکہ کو پسند کرنے یا نہ کرنے سے متعلق لاعلمی کی نسبت کردی۔ (معاذ اللہ)

(11)۔مسند الفردوس للدیلمی جلد 3 صفحہ 572 رقم 5795 اور کنوز الحقائق للمناوی جلد 2 صفحہ 161 رقم 7115 میں ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من ادخل فی بیتہ حبشیا او حبشیۃ ادخل اللّٰہ بیتہ برکۃ" یعنی جس نے اپنے گھر میں (مؤمن) حبشی کو داخل کیا اللہ تعالیٰ اس کے گھر میں برکت فرمائے گا۔

یہی روایت المقاصد الحسنہ للسخاوی صفحہ 401 رقم 1055 اور کشف الخفاء للعجلونی جلد 2 صفحہ 200 رقم 2360 میں بھی ہے۔

اس حدیث سے مؤمن حبشیوں کی فضیلت اوران سے الفت کا درس ملتا ہے لیکن وضاع نے حوروں کی حبشیوں سے نفرت ثابت کردی۔ (نعوذ باللہ)

(12)۔ وضاع کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حوروں کی ملکہ کی غلط رائے کو برقرار رکھ کر اسے اہمیت دی اور اس سے ناراضگی بھی ظاہر نہ فرمائی۔ (معاذ اللہ)

(13)۔ وضاع کے نزدیک حوروں کی ملکہ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سن کر تیور بدل کر انتہائی کراہت کے ساتھ ٹھکرا دیا، حالانکہ یہ کفار کی علامات میں سے ہے۔ (معاذ اللہ)

(14)۔ وضاع کے اس افسانے کے مطابق حوروں کی ملکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو نہ مانا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمان بھی قرار پائی۔ (معاذ اللہ)

(15)۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام وعلیٰ نبینا نے دانا کھایا تو انہیں جنت سے زمین کی طرف اتار دیا گیا، ابلیس نے رب کے حکم کی صریح مخالفت کی اور تکبر دکھایا تو اسے بارگاہِ خداوندی سے مردود بنا کر نکال دیا گیا لہٰذا وضاع نے یہ بیان نہیں کیا کہ: اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنے سے اس حور کا کیا انجام ہوا؟ اسے جنت سے نکالا گیا یا نہیں؟ اگر ہاں تو وہ اس وقت کہاں ہے؟ اور اگر نہیں تو کیا اس نے توبہ کر لی تھی؟ اگر کر لی تھی تو بھی اسے قیامت سے پہلے جنت میں دوبارہ بھیجا جانا قانونِ قدرت کے خلاف ہے جیسا کہ حضرت آدم

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ قبول ہوئی مگر آپ علیہ السلام جنت میں اسی وقت دوبارہ داخل نہیں کیئے گئے، اور اگر اس حور نے توبہ نہیں کی تھی تو اس کا جنت میں ہونا ہی محال ہے۔ ان سب باتوں کی وضاحت بھی وضاع کے ذمہ تھی، چنانچہ اگر وضاع نے یہ سمجھا کہ: یہ کہانی وضع کر کے وضاع نے بڑا تیر مارا ہے تو بالکل ہی غلط سمجھا بلکہ اگر وہ تھوڑی سی مزید محنت کے ساتھ ان سب باتوں کی وضاحت بھی کر دیتا، تو شاید ناقدین کے لئے یہ جھوٹ پکڑنا ذرا سا مشکل ہو جاتا لیکن جھوٹ بغیر پاؤں کے زیادہ دور تک نہیں بھاگ سکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''من کذب علی فلیتبوأ مقعدہ من النار'' جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ تیار کر لے۔ (استغفر اللہ من ذالك)

نتیجہ:

چنانچہ وضاع نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کے ساتھ ساتھ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو کالا، بدصورت (معاذ اللہ) اور (نعوذ باللہ) حوروں کو جاہل، بے ادب، ظاہر پرست، ناشکری، بے وفاء اور نافرمان قرار دے دیا، لہٰذا اس خباثت سے پُر کہانی کو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی رنگت کے کالے ہونے پر دلیل بنانا یا اسے عوام الناس میں بیان کرنا پھر اس پر داد یا مال وصول کرنا سخت ترین حرام ہے۔

....

دلیلِ مخالف نمبر 9:

سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے بدلے دیا جانے والا غلام

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ سے خریدنے لگے تو امیہ نے '' کچھ اوقیہ چاندی اور ایک سفید رنگ کا رومی غلام'' بطور قیمت طے کیے، یہ قیمت بہت زیادہ تھی لیکن سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ قیمت بھی ادا کر کے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو خرید لیا تو امیہ بولا: اے ابوبکر! میں تم کو بہت عقلمند تاجر سمجھتا تھا لیکن تم نے ایک کالے غلام کے بدلے اتنی زیادہ قیمت دیدی تو سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسکرا کے جواب دیا: میں آنکھیں بند کر کے خریدنے والوں میں سے نہیں، لعل و جواہر کی قدر ہمیشہ جوہری ہی کو معلوم ہوتی ہے تم بلال کی کالی رنگت کو دیکھتے ہو، اور میں اس کے دل میں نورِ ایمان کے چمکتے ہوئے سفید جوہر کو دیکھ رہا ہوں، اللہ کی قسم! اگر تم بلال کی قیمت اس سے بھی کہیں زیادہ یہاں تک کہ تم مجھ سے میرا سب کچھ مانگ لیتے تو میں تمہیں وہ بھی خوشی خوشی دے دیتا اور پھر بھی بلال کو خرید لیتا''۔

الجواب:

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی قیمتِ خرید سے متعلق روایات و واقعات مختلف ضرور ہیں جنہیں سابق میں تفصیلات کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے، لیکن حتی الوسع کوشش کے باوجود ہمیں کسی بھی روایت میں امیہ کا حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو'' کالا'' کہنے یا بدلے میں ''سفید رنگ'' کے غلام کا تذکرہ نہیں ملا، اولاً تو یہ ذمہ داری خود بیان کرنے والوں کی تھی کہ وہ مذکورہ بالا واقعہ کا کوئی

مستند حوالہ تو پیش کر دیتے، لیکن تحقیق سے خالی بیانات نے عوام میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی خریداری سے متعلق اس روایت میں بیان شدہ واقعہ بھی عجیب وغریب حد تک بدل کے رکھ دیا ہے، سچ پوچھیں تو یہ واقعہ دراصل حضرت سیّدنا بلال حبشی یمنی رضی اللہ عنہ کی رنگت کے ''گندمی'' ہونے کی دلیل تھا جسے بیان کرنے والوں نے اس طرح عوام کے سامنے توڑ مروڑ کر پیش کر دیا ہے کہ اب یہی واقعہ حضرت سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے ''کالے'' ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، اور ''چھٹتی نہیں ہے کافر منہ کو لگی ہوئی''، عوام بھی اس کے خلاف سننا پسند نہیں کرتے، ظاہر ہے کہ بیان کرنے والوں کے لئے اس کی اصل وجہ داد طلبی یا مال طلبی ہی ہو سکتی ہے، حق بیانی کا تو اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں چنانچہ ہم آپ کے سامنے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی خریداری سے متعلق ''20'' مستند کتب کی روشنی میں ایک ایسا واقعہ پیش کرتے ہیں کہ: جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ: آپ رضی اللہ عنہ کے بدلے میں جو غلام دیا گیا تھا حقیقت میں وہ غلام خود رنگ کا ''کالا'' تھا، ''سفید'' نہیں، ملاحظہ فرمائیں!

اصل روایت:

☆۔ "قال ابن اسحاق : وحدثني هشام بن عروة عن ابيه: قال: ورقة بن نوفل يمر به وهو يعذب بذالك، وهو يقول: احد احد، فيقول احد احد والله يا بلال : ثم يقبل على امية بن خلف، ومن يصنع ذالك به من بني جمح، فيقول: احلف بالله، لئن قتلتموه على هذا، لاتخذنه حنانا حتى مر به ابوبكر الصديق (ابن ابي قحافة) رضي الله عنه

یوما وهم یصنعون ذالك به، وکانت دار ابی بکر فی بنی جمح، فقال لامیة بن خلف: الا تتقی اللّٰه فی هذا المسکین؟ حتی متی؟ قال: انت الذی افسدته، فانقذه مماتری، فقال ابوبکر: افعل، عندی غلام اسود اجلد منه، واقوی علی دینك، اعطیکه به، قال: قد قبلت، قال: هولك، فاعطاه ابوبکر الصدیق رضی اللّٰه عنه غلامه ذالك، واخذه فاعتقه"

(السیرة النبویة لابن هشام جلد 1 صفحه نمبر 297، 298)
(فضائل الصحابة لامام احمد بن حنبل صفحه 32 رقم 89)
(صفة الصفوة لابن الجوزی صفحه نمبر 117)
(سیر اعلام النبلاء للذهبی جلد 3 صفحه نمبر 213)
(تاریخ الاسلام للذهبی جلد 3 صفحه نمبر 386)
(تفسیر الصاوی جلد 3 حصه نمبر 2 صفحه نمبر 287)
(تفسیر معالم التنزیل للبغوی جلد 4 صفحه نمبر 630)
(الاصابة فی تمییز الصحابة جلد 1 صفحه نمبر 187)
(حلیة الاولیاء لابی نعیم جلد 1 صفحه نمبر 210، 211)
(تاریخ الخمیس للدیار بکری جلد 3 صفحه نمبر 252)
(تفسیر مظهری جلد 12 پاره نمبر 30 سوره اللیل آیت نمبر 18)
(الریاض النضرة للطبری حصه نمبر 1 صفحه نمبر 115، 116)
(تاریخ ابن کثیر صفحه نمبر 389 بیت الافکار الدولیة لبنان)
(تفسیر روح البیان جلد 10 صفحه نمبر 540)
(سبل الهدیٰ والرشاد للصالحی جلد 2 صفحه نمبر 358)
(جامع الآثار للدمشقی جلد 3 صفحه نمبر 1474، 1475)
(السیرة الحلبیه (باب استخفائه صلی اللّٰه علیه وسلم.. جلد 1 صفحه 423)

(الکامل فی التاریخ لابن الاثیر جلد 1 صفحه 589)
(مدارج النبوت للشیخ عبد الحق دهلوی جلد2صفحه582)
(الروض الانف للسهیلی جلد3صفحه199، 200)

ترجمہ: ابن اسحاق کہتے ہیں کہ: مجھے بیان کیا ھشام بن عروہ نے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: جب حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے کی وجہ سے عذاب دیا جارہا تھا تو حضرت ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کا وہاں سے گزر ہوا تو اس وقت حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ ''احد، احد'' پکار رہے تھے یعنی ''خدا ایک ہی ہے، خدا ایک ہی ہے'' حضرت ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اے بلال! ہاں، اللہ کی قسم: ''خدا ایک ہی ہے، خدا ایک ہی ہے''، پھر آپ امیہ اور بنو جمح میں سے جو بھی اس کے ساتھ مشغول تھا کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ: اگر تم نے اسے قتل کر دیا تو میں اس کی قبر ''حنان'' (مکہ میں ایک متبرک مقام) پر بناؤں گا، چنانچہ ایک دن وہاں سے حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بھی گزر ہوا اس وقت وہ لوگ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ایذائیں دے رہے تھے اور حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا گھر قبیلہ بنو جمح میں ہی واقع تھا چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے امیہ سے فرمایا: کیا تمہیں اس مسکین کے بارے میں اللہ سے ڈر نہیں لگتا؟ ایسا کب تک کرو گے؟ تو امیہ نے جواب دیا: تم نے ہی اس کو خراب کیا ہے، لہٰذا تم ہی اس کو اس مصیبت سے نکال لو، تو سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو میں ایسا ہی کرتا ہوں، چنانچہ میرے پاس کالے رنگ کا ایک

غلام ہے، جو اس سے زیادہ صحت مند ہے اور تیرے مشرکانہ عقیدہ پر بھی پکا ہے میں تمہیں اِس کے بدلے میں وہ غلام دیتا ہوں، اس نے کہا: میں نے قبول کیا، فرمایا: وہ اب تیرا ہوا، چنانچہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنا غلام دے دیا اور حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اس سے لے لیا پھر آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں آزاد کر دیا۔

فائدہ:

اس روایت میں بالکل واضح ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے بدلے میں دیا جانے والا غلام رنگ کا ''کالا'' تھا، اس مشرک کالے غلام کے نام میں روایات مختلف ہیں مثلاً! بعض میں ''نسطاس''، بعض میں ''فسطاس'' اور بعض میں ''قسطاس'' بیان کیا ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ کوئی اختلاف نہیں بلکہ کسی دور میں فقط کتابت کی غلطی کی وجہ سے یہ نام تبدیل ہوا ہے، نیز یہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وہی غلام تھا جسے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسلام میں داخل ہونے کے لئے بہت سے مال کی پیش کش بھی کی لیکن اس نے اسلام قبول نہ کیا، وغیرہ۔

ازالہء وہم:

بعض حضرات نے ''نسطاس'' کو ''رومی'' بھی لکھا ہے جیسا کہ تفسیر روح البیان جلد 10 صفحہ نمبر 540 میں علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے ''علامہ کاشفی'' کے حوالے سے ایسا ہی تحریر فرمایا ہے، چنانچہ اگر ''رومی'' کا مطلب سفید لیا جائے تو یہ درست نہیں کیونکہ ماقبل کالے رنگ کے الفاظ کی صراحت مذکورہ بالا 20 کتب کے حوالے سے بیان کی جا چکی ہے اور اگر رومی سے مراد ''روم''

سے لایا ہوا غلام سمجھ لیا جائے تو پھر اس میں بھی کوئی تقابل نہیں۔

اسی طرح بعض خطباء سے ہم نے نسطاس کے بارے میں ''مصری'' کے لفظ بھی سنے ہیں۔ لیکن وہ خطباء خود اس کا کوئی مستند حوالہ نہیں دیتے، جستِ بسیار کے باوجود ہم نے بھی ان الفاظ کا ثبوت کہیں نہیں پایا۔

بہرحال رومی مانیں یا مصری، اس غلام کا ''کالا'' ہونا طے ہے، اسے ''سفید'' قرار دینا کہیں بھی ثابت نہیں، نیز یہ روایت اور اس کے سیاق وسباق کے بھی بالکل خلاف ہے، چنانچہ ہوسکتا ہے کہ: قاری کا ذہن اس طرف مائل ہو کہ: نسطاس کے بارے میں استعمال شدہ لفظ ''اسود'' کو بھی کالے کی بجائے حبشی کے معنیٰ میں مراد لے لیا جائے جیسا کہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایات میں بولے گئے لفظ ''اسود'' کو ''حبشی'' کے معنیٰ میں مراد لیا گیا تھا۔

تو میں کہتا ہوں کہ: اولاً تو اس تکلف کا کوئی مفاد نہیں۔ اور ثانیاً مذکورہ الفاظ بھی اس معنیٰ کے خلاف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔

....

چوتھا جمال

فصاحتِ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ

باب

(فصیح اللسانی اور مروّجہ طعن کا رد)

طعن نمبر 1:

سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اور سین شین

علامہ موفق بن قدامہ اپنی کتاب ''المغنی'' میں فرماتے ہیں کہ: ''روی ان بلالا کان یقول اسھد یجعل الشین سینا'' یعنی روایت کیا گیا ہے کہ: بلاشبہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ (اشھد کو) ''اسھد'' پڑھا کرتے تھے یعنی آپ شین کو سین کردیا کرتے تھے۔ نیز یوں بھی روایت کیا گیا ہے کہ: ''سین بلال عند اللہ شین'' یعنی بلال (رضی اللہ عنہ) کی سین اللہ کے نزدیک شین ہی ہے۔ علامہ جمال الدین مزی سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔

الجواب:

اس سے پہلے کہ مذکورہ روایتوں کا جواب پیش کیا جائے ہم یہاں ایک وضاحت کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ: زبان میں خرابی عموماً دو طرح کی ہوتی ہے!

(۱)۔ ''لُثغه'' (توتلا پن) یعنی کسی حرف کو دوسرے حرف سے بدل دینا۔

(۲)۔ ''لُکنَة'' (ہکلانا) یعنی الفاظ کو رُک رُک کر ادا کرنا یا ایک ہی لفظ کا زبان سے بلاقصد تکرار کے ساتھ صادر ہو جانا۔

ہمارے علم کے مطابق اس سلسلہ میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی زبان میں ''لکنت'' کا سوائے جہلاء کے تو کوئی مدعی ہی نہیں البتہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ پر زبان کے جس عیب کو مشہور کیا گیا ہے وہ ''لثغہ'' ہے یعنی توتلا

پن جیسا کہ مشہور شاعر ''سیماب اکبرآبادی'' کا ایک شعر ہے کہ!

توتلے پن میں بھی تیرے اِک نرالی بات تھی
کیف زا! تیری زباں پر فرق شین وسین تھا

چنانچہ جو حضرات سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی زبان کے توتلے پن کے حق میں ہیں ان میں خود ایک اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ: ڈاکٹر سید محمد عامر گیلانی صاحب نے اپنی کتاب ''عاشقِ رسول حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ'' کے صفحہ نمبر 153 اور 154 پر اور پروفیسر محمد طفیل چوھدری کی کتاب ''سیّدنا حضرت بلال'' کے صفحہ نمبر 244 پر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ ک توتلے پن کے ثبوت پر مولائے روم علیہ الرحمۃ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:

''آں بلال صدق در بانگِ نماز
''حی'' را''ہی'' خواند از روئے نیاز''

''تا بگفتند اے پیغمبر نیست — راستایں خطا اکنوں کہ آغازِ بناست''
''اے نبی والے رسول کردگار — یک مؤذن کہ بود افصح بیار''
''عیب باشد اول دین وصلاح — لحن خواندن حی علی الفلاح''
''خشم پیغمبر بجوشید وبگفت — یک دو رمزے از عنایاتِ نہفت''
''کالے خساں نزد خدا ''ہی'' بلال — بہتر از صد ''حی، حی'' وقیل وقال''
''وامشورانید تامن زارِ تاں — وانگویم زآخرو آغازِ تاں''
''گرنداری تو دمِ خوش در دعا — رودعا می خواہ زاخوانِ صفا''

ترجمہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ وہ صادق ہستی تھے جو اذان دیتے ہوئے لفظ ''حی'' کی ادائیگی لفظ ''ہی'' سے کر کے اظہارِ عجز

کرتے لیکن منافقوں نے اعتراض کیا کہ: ''اے پیغمبر! یہ درست نہیں کہ اسلام کے آغاز ہی میں اتنی بڑی غلطی کی جائے اس لئے ایک ایسا فصیح مؤذن لائیں جو لفظوں کی صحیح ادائیگی کی اہلیت رکھتا ہو، دین اور نیکی کے کاموں کے آغاز کے وقت ''حی علی الفلاح'' کو غلط پڑھنا عیب بنے گا۔ اس پر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے جلال میں آتے ہوئے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلال (رضی اللہ عنہ) کی ''ہی'' شور وغل کے سینکڑوں ''حی'' اور ''حی'' کے صحیح تلفظ سے بہتر ہے مجھے غصہ نہ دلاؤ ورنہ میں تمہارے رازوں کو اول تا آخر بیان کردوں گا اگر تم دعا میں اچھا دم نہیں رکھتے ہو تو جا کر اہلِ صفا سے دعا کے طالب بنو''۔

ازالہ وہم:

''لثاغت'' (توتلے پن) کے حامی حضرات ان روایتوں کو سامنے رکھ کر ذرا جواب دیں کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ شین کو سین پڑھتے تھے یا حاء کو ھاء؟ اگر کہو کہ: شین کو سین، تو مولائے روم کی ''حاء'' والی روایت نامقبول، اور اگر کہو کہ: ''حاء'' والی روایت صحیح ہے تو لامحالہ مذکور الصدر ''شین'' والی روایتیں نامقبول، اور اگر کہو کہ: دونوں ہی غیر مقبول ہیں تو ہمارا مدعیٰ ثابت اور اگر کہو کہ: دونوں ہی صحیح ہیں تو پھر ثابت یہ ہوا کہ: (معاذ اللہ) حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی صرف شین ہی خراب نہیں تھی بلکہ حاء کا مخرج بھی درست نہیں تھا اور اس سے ایک نیا فتنہ کھڑا ہو گیا حالانکہ یہ سب کچھ روایت ودرایت اور عقل وفہم کے بالکل منافی ہے جس پر ہم ان شاء اللہ العزیز دلائل سے جواب دیں گے چونکہ جمالِ شخصیت کے 14 امورِ لازمہ میں سے تین کا بیان سابق میں گزر چکا!

چنانچہ اب باری ہے آپ رضی اللہ عنہ کی زبان یا بیان کے جمالِ بے مثال کی، چنانچہ اس سلسلہ میں !"جامع صغیر للسیوطی صفحہ219 رقم 3599، مسند الشھاب للقضاعی جلد1 صفحہ164 رقم233، کنوز الحقائق للمناوی جلد1 صفحہ249 رقم 3157اور صفحہ252 رقم 3202، مسند الفردوس لابی شجاع الدیلمی جلد2 صفحہ 110 رقم 2583 اور صفحہ 120 رقم2629، کشف الخفاء للعجلونی جلد 1 صفحہ 298 رقم 1073، المقاصد الحسنۃ للسخاوی صفحہ 180 رقم 370 اور البدر المنیر للشعرانی صفحہ147 رقم1123" میں ہے کہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جمال الرجل فصاحة لسانه'' یعنی کسی بھی شخص کا جمال اسکی فصیح اللسانی میں ہوتا ہے۔

نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ ''جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' سے یوں بھی روایت فرماتے ہیں کہ: ''الجمال صواب المقال'' یعنی کلمات کی درست ادائیگی کا نام ''جمال'' ہے۔

اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ عنہ ''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' سے یوں روایت فرماتے ہیں کہ: ''الجمال فی الرجل اللسان'' یعنی آدمی میں جمال کا باعث زبان ہوتی ہے۔

اور سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' سے یہ روایت فرماتے ہیں کہ: ''رحم الله امرأ اصلح لسانه'' یعنی اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے اپنی زبان کی اصلاح کرلی۔

بحمدہ تعالیٰ: ہمارے آقا و مولیٰ حضور سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ میں یہ جمال بھی بدرجہ ءاتم واکمل موجود تھا، چنانچہ "**جمالِ بلال** رضی اللہ عنہ" کی چوتھی لازمی و اصولی چیز بھی دراصل یہی ہے کہ: آپ رضی اللہ عنہ کی قرابت، سیرت اور صورت کے ساتھ ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کی فصاحتِ لسانی کا بھی بیان کیا جائے، جو حق بھی ہے اور لازم بھی، اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی زبان پر کسی بھی لفظ، کلمے اور حرف کی ادائیگی دشوار نہیں تھی آپ رضی اللہ عنہ فصیح اللسان بلکہ تمام لوگوں سے زیادہ فصیح تھے۔ لہٰذا شین یا حاء کی خرابی کے دعویداروں کے رد میں، ہم اپنی جوابی تقریر کی دو قسمیں کرتے ہیں!

(۱)۔ مذکورہ روایتوں کی حقیقت

(۲)۔ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی فصاحت کا ثبوت

(۱)۔ مذکورہ روایتوں کی حقیقت:

"شین" والی روایت موضوع (من گھڑت) ہے جس بارے میں درج ذیل مستند کتب میں محدثین و محققین کی آراء ذیل میں نقل کی جارہی ہیں ملاحظہ فرمائیں!

(1)۔ علامہ ابن کثیر "البدایۃ والنھایۃ" جلد 5 صفحہ 139 رقم 5443 میں فرماتے ہیں کہ: "وما یروی: ان سین بلال عند اللہ شین، فلیس لہ اصل" یعنی جو یہ روایت کیا جاتا ہے کہ: "حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی سین اللہ کی بارگاہ میں شین ہی کا درجہ رکھتی ہے" اسکی کوئی اصل نہیں۔

(2)۔ شین والی روایت کو علامہ سخاوی اپنی کتاب "المقاصد الحسنۃ صفحہ نمبر

120 رقم 221 میں نقل کرنے کے بعد برھان سفاقسی کے حوالے سے علامہ جمال الدین المزی کا قول نقل کرتے ہیں کہ:''انه اشتهر على السنة العوام، ولم نره في شيء من الكتب''یعنی یہ روایت عوام کی زبان پر تو مشہور ہے لیکن ہم نے کسی بھی کتاب میں اسے نہیں پایا''۔

نیز علامہ سخاوی صفحہ نمبر 255 رقم 582 پر مزید لکھتے ہیں کہ:''قال ابن كثير : انه ليس له اصل، ولا يصح وكذا سلف عن المزى في : ان بلالا من الهمزة، ولكن قد اورده الموفق بن قدامة في المغنى بقوله: روى ان بلالا كان يقول اسهد يجعل الشين سينا والمعتمد الاول ''یعنی ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی یہ روایت صحیح ہے اور اسی طرح علامہ مزی کا بھی اس روایت کے بارے میں قول سابق میں بضمن ہمزہ گزر چکا لیکن علامہ موفق بن قدامہ نے المغنی میں اس کو یوں وارد کیا ہے کہ: روایت ہے کہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اذان میں اسھد کہتے ہوئے شین کو سین کر جایا کرتے تھے لیکن پہلی بات (یعنی بے اصل اور غیر صحیح ہونے) پر ہی اعتماد ہے''۔

(3)۔اس روایت کو علامہ عبدالوہاب الشعرانی اپنی کتاب ''البدر المنير في غريب احاديث البشير والنذير'' صفحہ نمبر 117 رقم 915 میں شین سین والی روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:''إشتهر على السنة العوام، ولم نره في شيء من الاصول ''یعنی یہ عوام کی زبان پر تو مشہور ہے لیکن اصول میں ہم نے اس بارے میں کوئی تائید نہیں دیکھی (یعنی اس روایت کی کوئی اصل نہیں)

نیز علامہ شعرانی صفحہ 186 رقم 1378 میں مزید فرماتے ہیں کہ: ’’قال ابن کثیر : لیس لہ اصل، وانما اوردہ ابن قدامۃ بلفظ "یروی"‘‘۔ یعنی ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں اور ابن قدامہ نے بھی اس روایت کو ’’یُروی‘‘ مجہول صیغہ سے نقل کیا ہے۔

(4)۔ شین والی روایت کو امام ملا علی القاری نے اپنی ’’الموضوعات الکبیر‘‘ رقم 257 اور 524 میں نقل کیا اور اسے موضوع قرار دیتے ہوئے علامہ برہان السفاقسی اور علامہ ابن کثیر کے اقوال کو نقل کیا ہے کہ ’’اس کی کوئی اصل نہیں‘‘۔

(5)۔ اسی روایت کو علامہ بدر الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ زرکشی نے ’’اللآلی المنثورۃ فی الاحادیث المشھورۃ‘‘ صفحہ 208207 میں نقل کیا ہے اور فرمایا کہ: ’’الحدیث الخامس : قال الحافظ جمال الدین المزی : انہ اشتھر علی السنۃ العوام" ان بلالا رضی اللّٰہ عنہ کان یبدل الشین فی الاذان سینا" ولم نرہ فی شیء من الکتب کذا وجدتہ عنہ بخط الشیخ برھان الدین السفاقسی ‘‘ یعنی پانچویں حدیث : چنانچہ اس بارے میں حافظ جمال الدین المزی فرماتے ہیں کہ: یہ روایت عوام کی زبانوں پر تو مشہور ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان میں شین کو سین کر دیا کرتے تھے، حالانکہ ہم نے اس بارے میں امہات الکتب میں کچھ بھی نہیں دیکھا، چنانچہ اس روایت کے بارے میں یہی بات میں نے شیخ برھان الدین السفاقسی کی تحریر میں بھی پائی ہے۔

(6)۔ نیز علامہ ابن المبرد المقدسی ’’التخریج الصغیر والتحبیر الکبیر‘‘ صفحہ 109 رقم 554 میں اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں

کہ: ''قال المزی : ما اشتهر علی السنة العوام من ان بلالا رضی الله عنه کان یبدل الشین فی الاذان سینا، لم یرد فی شیء من الکتب'' علامہ جمال الدین المزی فرماتے ہیں کہ: یہ جو عوام کی زبانوں پر مشہور ہے کہ: حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان میں شین کو سین سے بدل دیا کرتے تھے، مستند کتب میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔

(7)۔اسی طرح اس روایت کو علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی ''کشف الخفاء ومزیل الالباس عما اشتهر من الاحادیث علی السنة الناس'' کی جلد 1 صفحہ نمبر 203 رقم 694 میں نقل کر کے فرماتے ہیں کہ: ''قال فی الدرر: لم یرد فی شیء من الکتب وقال القاری : لیس له اصل، وقال البرهان السفاقسی نقلا عن الامام المزی انه اشتهر علی السنة العوام، ولم یرد فی شیء من الکتب'' یعنی امام سیوطی نے الدرر میں فرمایا کہ: امہات الکتب میں ایسا کچھ بھی وارد نہیں ہوا، اور امام ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ: اس کی کوئی اصل نہیں، اور امام المزی سے نقل کرتے ہوئے شیخ برہان سفاقسی فرماتے ہیں کہ: عوام کی زبان پر یہ روایت تو مشہور ہے لیکن اصل کتب میں ایسا کچھ بھی وارد نہیں ہوا۔

نیز علامہ عجلونی جلد 1 صفحہ 411 رقم 1518 میں مزید فرماتے ہیں کہ: ''قال ابن کثیر : لیس له اصل، ولا یصح'' یعنی ابن کثیر کہتے ہیں کہ: اس کی کوئی اصل نہیں اور یہ روایت صحیح بھی نہیں۔

(8،9،10،11،12)۔

مزید برآں اسی شین سین والی روایت کو'' تمییز الطیب من الخبیث،

تذکرۃ الموضوعات للھندی، الدرر المنتثرۃ للسیوطی، الفوائد للکرمی اور اسنی المطالب' میں بھی تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

اور رہا علامہ علامہ ابن قدامہ کا اس روایت کو بیان کرنا، تو اسے علماء نے کوئی اہمیت نہیں دی جس کی وجہ اِس روایت کا بے اصل ہونا بھی ہے اور خلافِ واقعہ ہونا بھی نیز اسے بصیغہ مجہول ''یروی'' سے بھی بیان کیا گیا ہے جو اس کے غیر مستند ہونے اور علامہ ابن قدامہ کے خود اس پر عدمِ اعتماد کی علامت بھی ہے اور جنہوں نے علامہ ابن قدامہ کے حوالے سے اسے نقل کیا بھی ہے تو انہوں نے بھی اس روایت کو صرف تنقید اور اس کا ضعفِ شدید بیان کرنے کے لئے ہی نقل کیا ہے لہٰذا ان کے نقل کرنے کو اس روایت کی اصل کے طور پر دلیل بنانا درست نہیں۔

لہٰذا حق واضح ہوا کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا شین کو سین سے بدلنے والا فلسفہ من گھڑت ہے۔

اور اسی کے ساتھ مولانا رومی علیہ الرحمۃ کے حوالے سے نقل کیا جانے والا حاء کو ھاء سے بدلنے والا فلسفہ بھی من گھڑت ہے، جس پر مزید تنقیدی بحث آگے ان شاء اللہ کی جائے گی، اور رہا یہ مسئلہ کہ: مولائے روم نے اسے درج کیوں کیا؟ تو اس کا تسلی بخش اور بہترین جواب ہم الحمدللہ سابق میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رنگ کے باب میں بیان کر چکے ہیں جس کے ضمن میں ہم مولائے روم رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی میں موجود ایسے واقعات کی وجہِ وجود اور ایسی روایات کا نا قابلِ قبول ہونا بھی بیان کر چکیں ہیں۔ (وہاں ملاحظہ فرمالیں)

....

(۲)

سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی فصاحت کا ثبوت

یہ بحث کئی طرح کے دلائل پر مشتمل ہے چنانچہ!

دلیل نمبر 1:

سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کلمات کو ظاہر کر کے پڑھتے تھے۔

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی زبان میں اگر لثاغت کو فی الواقع مان لیا جائے تو مستند تاریخ دانوں، سیرت نگاروں اور علماء حدیث کا اس بارے میں خاموشی اختیار کرنا لایعنی ہے کیونکہ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی، لہٰذا میرا ماننا یہ ہے کہ: اگر ایسی کسی بات کی کچھ بھی حقیقت ہوتی تو اسے اصحابِ سیر و تواریخ کی جانب سے کم از کم ذرا سی اہمیت تو دی جاتی لیکن اہمیت چھوڑ کر ان کی جانب سے الٹا اس بات کو بے اصل اور موضوع قرار دینا یہی ثابت کرتا ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ زبان کے فصیح تھے تبھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دینے پر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو صرف منتخب ہی نہیں فرمایا بلکہ انہیں عالمِ اسلام کا پہلا مؤذن ہونے کا شرف بھی بخش دیا، چنانچہ:

اسلام کی پہلی اذان:

"قال (عبد اللّٰه بن زيد الانصاری) لما اصبحنا اتينا رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم فاخبرته بالرؤيا، فقال:

ان هذه لرؤيا حق، فقم مع بلال، فانه اندى واحد صوتاً منك، فالق ماقيل لك، ولينادِ بذالك ......الخ۔"

(الجامع للترمذی صفحه 69رقم 189)

(السنن الكبرىٰ للبيهقى جلد1 صفحه 733رقم1835)

(...... .ايضاً...... جلد1 صفحه 798رقم2006)

(اسد الغابه لابن الاثير جلد2صفحه 672)

(كنز العمال جلد7صفحه 283رقم20948)

(مسند امام احمدجلد4صفحه43رقم16592)

(صحيح ابن حبان صفحه 532،533رقم1679)

(السنن لابی داؤد صفحه 111،112رقم499)

(السنن لابن ماجه صفحه122،123رقم706)

(صحيح ابن خزيمة جلد 1صفحه رقم373)

(السنن للدارمی جلد1صفحه286رقم1187)

(السنن للدارقطنی جلد1صفحه نمبر 241)

ترجمہ: (حضرت عبداللہ بن زید انصاری صحابی نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ: ان کو اذان کے کلمات سکھائے گئے ہیں) فرمایا: جب صبح ہوئی تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا خواب بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بلاشبہ یہ خواب حق ہے چنانچہ بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ! کیونکہ بلال تم سے زیادہ صاف اور اونچی آواز والا ہے چنانچہ تم اسے وہ بتاتے چلے جاؤ جو تمہیں خواب میں بتایا گیا ہے تاکہ وہ ان کلمات کی ندا دے......الخ۔

فائدہ:

حدیث میں بیان شدہ اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ فصیح اللسان تھے ورنہ شرع شریف میں مؤذن کا بلند آواز والا ہونا اتنا اہم نہیں جتنا مؤذن کا فصیح ہونا اہم ہے لہٰذا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کو صرف اس لئے اذان دینے کا حکم یا اجازت نہیں دی کہ: ان کی آواز اتنی بلند نہ تھی تو بھلا ہم یہ کیسے مان لیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان پڑھنے کا حکم دے دیں جو ''اشھد'' کو ''اسھد'' سے بدل کر پڑھ جاتے ہوں گے؟ لہٰذا حق یہی ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ فصیح اللسان تھے ان کی زبان ایسی کسی بھی طرح کی خرابی سے بالکل پاک تھی۔

حدیث میں موجود لفظ ''اندیٰ'' کی لغوی تحقیق:

لغت کی عام وخاص ہر طرح کی کتاب میں اس لفظ کو ''اچھی اور بلند آواز والے'' کے معنیٰ میں لیا گیا ہے، اور یہ اس کا عام استعمال ہونے والا معنیٰ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ تاج العروس اور لسان العرب جلد 8 صفحہ نمبر 740 میں لفظ ''نداء'' کا معنیٰ ''ظاہر کرنا'' بھی کیا گیا ہے جس کی رو سے اسم تفضیل ''اندیٰ'' کا معنیٰ ''سب سے زیادہ ظاہر کرنے والا'' ہوگا، چنانچہ لفظ ''اندیٰ'' میں مؤخر الذکر معنیٰ کی گنجائش بدرجہ اتم موجود ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے لئے لفظ ''اندیٰ'' کا استعمال فرمانا اس کا واضح ثبوت ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ زیادہ اچھی اور بلند آواز والے تھے اور الفاظ کو خوب ظاہر کر کے پڑھنے والے بھی تھے اور چونکہ

اظہار فصاحت کو مستلزم ہے لہٰذا دوسرے لفظوں میں اگر یوں کہہ دیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو فصیح اللسان قرار دیا ہے تو یہ معناً بالکل درست ہے۔

دلیل نمبر 2:

سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ فصیح اللسان تھے

اس دلیل میں چار اقوال پیش کئے جائیں گے چنانچہ!

(۱)۔ چنانچہ لفظ ''اندیٰ'' کو فصاحت کے معنیٰ میں مراد لینے کی تائید خود علامہ سخاوی نے بھی اپنی کتاب المقاصد الحسنہ صفحہ نمبر 255 میں اپنے الفاظ میں یوں کی ہے کہ: ''وقد ترجمه غير واحد بانه كان لدى الصوت حسنه فصيحه وقال النبي صلى الله عليه وسلم لعبد الله بن زيد صاحب الرؤيا: الق عليه -اى على بلال -الاذان فانه اندى صوتا منك، ولو كانت فيه لثغة لتوفرت الدواعى على نقلها ولغا بها اهل النفاق والضلال المجتهدين فى النقص لاهل الاسلام. نسأل الله التوفيق ''(یعنی) حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی فصیح اللسانی اور حسن الصوت کو اکثر اہل علم حضرات نے بیان کیا ہے اور بذاتِ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اذان کا خواب دیکھنے والے حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے بھی یوں فرمایا کہ: یہ الفاظ بلال کو سکھا دو کیونکہ وہ تم سے زیادہ ظاہر الصوت ہے، (علامہ سخاوی فرماتے ہیں) چنانچہ اگر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک میں توتلا پن ہوتا تو اس بات کو کثیر تعداد میں اہل علم نقل کرتے، (لثاغت

والی) بات تو ان منافقوں اور گمراہ لوگوں کے منہ سے نکلی ہوئی ہے جو اہل اسلام کی شان میں خرابی پیدا کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی توفیق کے ہی طلبگار ہیں۔

(2)۔ اسی کے ساتھ ہم علامہ حافظ ابن کثیر کے "البدایہ والنہایہ" المعروف "تاریخ ابن کثیر جلد 5 صفحہ 139" میں ذکر کردہ وہ الفاظ بھی بطور دلیل پیش کردیتے ہیں جس میں واضح طور پر آپ رضی اللہ عنہ کے فصیح ہونے کا ذکر ہے چنانچہ: "ولما شرع الاذان بالمدینة، کان هو الذی یؤذن بین یدی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وابن ام مکتوم یتناویان: تارة هذا وتارة هذا، وکان بلال ندی الصوت حسنه، فصیحا"

یعنی اور جب مدینہ میں اذان شروع ہوئی تو حضرت سیّدنا بلال اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما ہی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان دیا کرتے تھے چنانچہ کبھی یہ اذان دیتے اور کبھی یہ، اور حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ حسین الصوت اور فصیح اللسان تھے۔

(3)۔ نیز علامہ صالحی دمشقی نے سبل الھدیٰ والرشاد جلد 11 صفحہ نمبر 415 میں ماقبل سے بھی اوضح عبارت میں بصیغۂ تفضیل حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی فصاحت کا ذکر کیا ہے چنانچہ: " بلال بن رباح الحبشی، ویعرف بابن حمامة وهی امه، قال الحافظ : والمزی وابن کثیر وغیرهم : وکان من افصح الناس، لا کما یعتقده بعض الناس، ان سینه کانت شینا، حتی ان بعضهم یروی فی ذالك حدیثا لا اصل له عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم انه قال: (سین) بلال

عند الله كانت شيئا''۔

یعنی حضرت سیّدنا بلال بن رباح حبشی رضی اللہ عنہ جنہیں ابن حمامہ بھی کہا جاتا ہے حضرت حمامہ رضی اللہ عنہا آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، علامہ الحافظ، علامہ مزی، علامہ ابن کثیر اور ان کے علاوہ دوسرے علماء بھی فرماتے ہیں کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سب لوگوں سے زیادہ فصیح تھے، نہ کہ اس طرح جیسا لوگ ان کے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ: ان کی سین بھی شین ہی ہے حتی کہ وہی بعض لوگ اس بارے میں ایک بے اصل حدیث بھی روایت کر دیتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلال کی سین بھی اللہ کے نزدیک شین ہی ہے۔

(4)۔علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی اپنی کتاب ''كشف الخفاء ومزيل الالباس '' کی جلد 1 صفحہ 411 رقم 1518 میں فرماتے ہیں کہ: ''وقد ترجمه غير واحد بانه كان اندى الصوت حسنه فصيح الكلام، وقال النبي صلى الله عليه وسلم لصاحب رؤيا الاذان عبد الله بن زيد: الق عليه -اى على بلال الاذان فانه اندى صوتا منك، ولو كانت فيه لثغة لتوفرت الدواعي على نقلها ولعابها اهل النفاق عليه المبالغون في التنقيص لاهل الاسلام، انتهٰى، وقال العلامة ابراهيم الناجي في مولده: واشهد بالله لله ان سيدى بلالا ما قال: اسهد بالسين المهملة قط كما وقع لموفق الدين بن قدامة في مغنيه، وقلده ابن اخيه الشيخ ابوعمر شمس الدين في شرح كتاب المقنع، ...... بل كان بلال من افصح الناس وانداهم صوتا ''۔

یعنی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی فصیح اللسانی اور حسن الصوت کو اکثر اہل علم حضرات نے بیان کیا ہے اور بذاتِ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اذان کا خواب دیکھنے والے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے بھی یوں فرمایا کہ: یہ الفاظ بلال کو سکھا دو کیونکہ وہ تم سے زیادہ ظاہر الصوت ہے، چنانچہ اگر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک میں توتلا پن ہوتا تو ایسی بات کو کثیر تعداد میں اہل علم نقل ضرور کرتے، (لثاغت والی) بات تو ان منافقوں اور گمراہ لوگوں کے منہ سے نکلی ہوئی ہے جو اہل اسلام کی شان میں خرابی پیدا کرنے کی بھرپور کوششوں میں لگے رہتے ہیں، یہ کلام مکمل ہوا۔ نیز علامہ ابراہیم ناجی اپنی کتاب ''المولد'' میں فرماتے ہیں کہ: میں اللہ کو گواہ بنا کر اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ: میرے آقا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی اشھد کی بجائے سین مہملہ کے ساتھ اسھد نہیں کہا، جیسا کہ علامہ موفق الدین بن قدامہ سے ان کی المغنی میں واقع ہوا ہے، اور اس معاملہ میں علامہ ابراہیم کے بھتیجے شیخ ابوعمر شمس الدین نے ''کتاب المقنع'' کی اپنی شرح میں بھی علامہ ابراہیم ناجی کی ہی تقلید کی ہے، ...... بلکہ حق بھی یہی ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ لوگوں سے زیادہ فصیح اللسان تھے اور ان سب سے زیادہ ظاہر الصوت بھی تھے۔

الحمد لله على ذالك واضح ہوگیا کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ ''افصح الناس'' یعنی تمام لوگوں سے زیادہ فصیح تھے، اور یہی حق ہے، ورنہ آپ رضی اللہ عنہ کی بجائے کسی اور کو اسلام کا پہلا مؤذن بنا دیا جاتا۔

دلیل نمبر 3:

سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ شین اور حاء کو صحیح ادا کیا کرتے تھے

بطورِ ثبوت چند روایات پیشِ خدمت ہیں ملاحظہ فرمائیں!

☆۔طبقات ابن سعد، ابن عساکر، سیر اعلام النبلاء وغیرہ میں ہے کہ:

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے خود اپنے بارے میں فرمایا: "انما انا حبشی کنت بالامس عبدا" یعنی میں تو ایک حبشی ہوں جو کل تک ایک غلام تھا۔

چنانچہ اس روایت پر غور کریں تو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے خود کو "حبشی" فرمایا ہے، نہ کہ "ھبسی"۔ معلوم ہوا آپ رضی اللہ عنہ کی زبان پر حاء اور شین دونوں کا مخرج درست تھا۔

☆۔طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ نمبر 127 میں ہے کہ: آپ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: "ان کنت انما اشتریتنی لنفسك فامسکنی وان کنت انما اشتریتنی للہ فذرنی وعملی للہ" یعنی اگر آپ نے مجھے اپنے لئے خریدا تھا تو مجھے روک لیجیے! اور اگر مجھے اللہ کی خاطر خریدا تھا تو مجھے اور میرے معاملات کو اللہ کے لئے چھوڑ دیجئے۔

اس روایت میں بھی "اشتریتنی" کی شین درست روایت کی گئی ہے۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ: روایات کے مطابق حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اذان کیسے دیتے تھے؟ کیا واقعی آپ رضی اللہ عنہ "اشہد" کو "اسہد" یا "حی" یا "ھی" ہی پڑھا کرتے تھے؟

☆۔چنانچہ طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ نمبر 125 میں ہے کہ: حضرت

سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ جب اذان سے فارغ ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس پر حاضر ہوکر ''حی علی الصلوٰۃ ، حی علی الفلاح ، الصلوٰۃ علیك یارسول اللّٰہ'' پکارا کرتے تھے۔

☆۔طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ نمبر 126 میں ہے کہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال پُر ملال ہوا تو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی ''فکان اذا قال اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ '' یعنی جب آپ نے ''فکان اذا قال اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ'' کہا تو لوگ مسجد میں جمع ہوگئے......الخ۔

☆۔اسی طرح مجمع الزوائد جلد 2 صفحہ نمبر 63،64 رقم الحدیث 1855، 1856 میں امام طبرانی کی المعجم الصغیر حصہ 2 صفحہ نمبر 142 اور المعجم الکبیر جلد 1 صفحہ نمبر 280 رقم 1064 کے حوالے سے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اذان بیان کی گئی ہے اس میں واضح طور پر ''اشھد ''اور ''حی علی الصلوٰۃ ''و ''حی علی الفلاح'' ہی روایت کیا گیا ہے یعنی جب بھی آپ رضی اللہ عنہ نے اذان دی تو ''اشھد'' کو شین کے ساتھ ''اشھد'' ہی پڑھا، نہ کہ سین غیر منقوطہ کے ساتھ ''اسھد''اور ''حی ''کو ''ھی ''نہیں بلکہ ''حی'' ہی پڑھا۔

☆۔السنن الکبریٰ للبیہقی جلد 1 صفحہ نمبر 780 رقم 1967 میں حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ بھی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اذان اور اقامت کے الفاظ میں ''اشھد''، ''محمدا'' اور ''حی'' وغیرہا بالکل صاف صاف ہی روایت کرتے ہیں۔

☆۔السنن الکبریٰ للبیہقی جلد 1 صفحہ نمبر 791 رقم 1989 میں ہے کہ:

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ فجر کی اذان میں "حی علی الفلاح" اور "الصلٰوۃ خیر من النوم" کہا کرتے تھے۔

☆۔اس کے علاوہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا ملکِ شام سے مدینہ واپس آ کر اذان پڑھنا سیر اعلام النبلاء جلد 3 صفحہ نمبر 218 وغیرہ میں بھی بیان کیا گیا ہے جس میں صاف صاف ''اشھد'' اور ''محمدا'' کے الفاظ ہی روایت کئے گئے ہیں۔

☆۔نیز ابن عساکر جلد 6 صفحہ نمبر 239، 240، 241 میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا روزِ حشر اذان دینا بھی بیان فرمایا گیا ہے جس میں بھی صاف صاف ''اشھد'' اور ''محمدا'' ہی روایت کیا گیا ہے۔

☆۔فتوح الشام حصہ نمبر 1 صفحہ نمبر 230 میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا ملکِ شام میں سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی فرمائش پر اذان دینا بیان کیا گیا ہے اس میں بھی صاف صاف ''اشھد'' اور ''محمدا'' ہی روایت کیا گیا ہے، نہ کہ: ''اسھد'' اور ''مھمدا''۔

☆۔نیز المعجم الکبیر للطبرانی جلد 2 صفحہ 193 میں ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درِاقدس کے سامنے کھڑے ہو کر وقفے وقفے سے دو بار یوں کہا: ''السلام علیك یا رسول اللّٰہ ورحمۃ اللہ، الصلاۃ رحمك اللہ''۔اس روایت میں بھی حاء روایت کیا گیا ہے نہ کہ ھاء۔

ان تمام دلائل سے بھی ثابت ہوا کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی شین اور حاء کا مخرج بالکل درست تھا۔

دلیل نمبر 4:

سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کلماتِ اذان کو ترتیل و ترسیل سے ہی ادا کیا کرتے تھے

''تحفۃ الاشراف للمزی'' جلد2 صفحہ 133 رقم 2222، سبل الھدی والرشاد جلد 8 صفحہ نمبر 61، السنن الکبریٰ للبیہقی جلد 1 صفحہ نمبر 798 رقم 2008، المرقاۃ شرح مشکوۃ جلد2 صفحہ 317، کنوز الحقائق للمناوی جلد2 صفحہ نمبر 361 اور کنز العمال جلد 7 صفحہ نمبر 283 رقم 20956 نیز سنن دار قطنی، مسند امام احمد، المعجم الاوسط للطبرانی، ترمذی، مشکوۃ اور مستدرک للحاکم میں بھی مروی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یا بلال اذا اذنت فترسل فی اذانك'' اے بلال! جب بھی تم اذان پڑھو تو اپنی اذان کے کلمات کو نکھار کر پڑھو۔

ترسیل کا معنیٰ:

اس روایت میں لفظ ''ترسل'' کے بارے میں لسان العرب جلد 6 صفحہ نمبر 377 میں ہے کہ: ''الترسل فی القرأۃ والترسیل واحد'' یعنی قرأت کے معاملے میں ''ترسل'' اور ''ترسیل'' ایک ہی ہیں۔

چنانچہ ''ترسیل'' کا معنیٰ کرتے ہوئے لسان العرب اور تاج العروس میں مزید لکھا ہے کہ: ''والترسیل فی القرأۃ : الترتیل ......وفی الحدیث :کان فی کلامہ ترسیل ای ترتیل ''یعنی قرأۃ کے معاملے میں ترتیل ہی

ترسیل ہے۔۔حدیث میں آتا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ترسیل ہوا کرتی تھی یعنی ترتیل۔

ترتیل کا معنیٰ:

معلوم ہو چکا کہ: ترسیل کو ترتیل سے تعبیر کیا جاتا ہے لہٰذا ترسیل کے معنیٰ کو سمجھنے کے لئے ترتیل کا معنیٰ معلوم کرنا لازمی قرار پایا چنانچہ!

☆۔امام راغب کی'' المفردات فی غریب القرآن'' صفحہ نمبر 194 اور علامہ مرتضیٰ زبیدی کی ''تاج العروس من جواهر القاموس'' جلد 29 صفحہ نمبر 18 میں لکھا ہے کہ: ''الترتیل : ارسال الکلمة من الفم بسهولة واستقامة'' (ترتیل: کسی کلمہ کو منہ سے سہولت اور استقامت کے ساتھ ادا کرنے کو کہتے ہیں)

☆۔علامہ قرطبی اپنی ''تفسیر احکام القرآن'' حصہ 19 صفحہ نمبر 37 میں لکھتے ہیں کہ: ''الترتیل: التنضید والتنسیق وحسن النظام'' (ترتیل: چن چن کر، ترتیب وار، اچھے نظم وضبط کے ساتھ پڑھنے کو کہتے ہیں)

☆۔علامہ ابن منظور ''لسان العرب جلد 6 صفحہ نمبر 362 میں ترتیل کا معنیٰ ''حسن، ابانة اور تمهل'' کرتے ہیں یعنی ترتیل کا معنیٰ اچھا کرنا، ظاہر کرنا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا ہوتا ہے۔

☆۔علم التجوید کی عام درسی کتاب ''علم التجوید'' میں حضرت مولیٰ علی شیرِ خدا کا '' ترتیل'' کے بارے میں یہ فرمان بھی پڑھایا جاتا ہے کہ: ''الترتیل: تجوید الحروف ومعرفة الوقوف'' یعنی حروف کو نکھار نکھار کر پڑھنا اور وقفوں کو سمجھ کر پڑھنا ترتیل کہلاتا ہے۔

☆۔علامہ اسماعیل حقی ''تفسیر روح البیان جلد 10 صفحہ نمبر 241'' میں الکشاف کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ: ''ترتیل القرآن : قرائته علی ترسل وتؤدہ بتبیین الحروف واشباع الحرکات'' (قرآن کی ترتیل کا مطلب یہ کہ: اسے حروف اور حرکات کو واضح کر کے میانہ روی کے ساتھ نکھار کر ادا کرنے کو کہتے ہیں)

☆۔امام جلال الدین السیوطی ''تفسیر الدر المنثور جلد 8 صفحہ نمبر 290، 291'' میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت قتادہ اور حضرت حسن بصری رحمہما اللہ سے ترتیل کا معنیٰ ''التبیین'' یعنی واضح اور ظاہر کر کے پڑھنا ہی نقل کرتے ہیں۔

چنانچہ لفظ ''التبیین'' کے بارے میں لسان العرب جلد 6 صفحہ نمبر 362 میں علامہ ابواسحاق کا قول یوں نقل کیا گیا ہے کہ: ''انما یتم التبیین بان یبین جمیع الحروف'' (تبیین کا اطلاق تو تب ہی ہوگا جب تمام حروف کو نکھار کر ادا کیا جائے)

اور ساتھ ہی ''التبیین'' کے سلسلے میں علامہ الضحاک کا قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ: ''انبذہ حرفا حرفا'' خلاصہ یہ کہ: حرف کو حرف سے جدا کر کے پڑھنے کا نام تبیین ہے۔ معلوم ہوا کہ: تبیین، ترتیل اور ترسیل اس لحاظ سے ہم معنیٰ ہیں۔

اذان میں ترتیل وترسیل کا معنیٰ کرتے ہوئے امام ملا علی القاری ''المرقاۃ شرح مشکوۃ'' جلد 2 صفحہ 317 میں علامہ ابن حجر کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ: ''ای تأن فی ذالك بان تأتی بکلمات مبینۃ من غیر تمطیط

مجاوز للحد، ومن ثم تأكد على المؤذنين ان يحترزوا من اغلاط يقعون فيها فان بعضها كفر لمن تعمده ......وبعضها لحن خفي ''۔یعنی اذان میں ایسی عمدگی ہونی چاہیے جس سے کلمات کی ادائیگی بغیر حد سے بڑھنے والے کھینچاؤ کے بڑی واضح ہو سکے، اور اسی کی اذان دینے والوں کو تاکید بھی ہے کہ وہ ایسی غلطیوں سے باز رہیں جنہیں وہ اکثر کر جایا کرتے ہیں جن میں سے بعض جان بوجھ کر کی جانے والی غلطیاں کفریہ ہوتی ہیں......اور بعض ان میں سے لحن خفی پر مشتمل ہوتی ہیں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان میں ترسیل یعنی اذان کے الفاظ اور حروف کو ستھرا اور خوب نکھار کر ادا کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ اس بات کا ایک اور بین ثبوت ہے کہ: سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی زبان بالکل صاف تھی ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی معذوری اور زبان میں لثاغت سے خبردار ہوتے ہوئے یا تو اذان کی ڈیوٹی نہ لگاتے اور یا پھر خدا کی طرف سے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو رخصت جانتے ہوئے انہیں اذان کے کلمات کی ادائیگی میں ترتیل و ترسیل کا حکم ہی نہ دیتے۔

دلیل نمبر 5:

اذان دینا فصیح اللسان شخص کا کام ہے

اذان ایسے افراد کی ذمہ داری ہے جن میں حدیث کے مطابق اذان دینے کی پوری پوری صفات پائی جائیں چنانچہ اس سلسلے میں روایات میں یوں بیان کیا

گیا ہے کہ:

☆۔کنز العمال جلد 7 صفحہ نمبر 284 رقم 20965 میں ابوداؤد اور ابن ماجہ کے حوالے سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لیؤذن لکم خیارکم'' یعنی تمہارے لئے اذان دینے کا کام تم میں سے بہتر لوگ ہی کریں۔

چنانچہ بہتری سے مراد تقویٰ بھی ہے اور لب ولہجہ کی فصاحت بھی۔

☆۔اسی طرح کنزالعمال جلد 7 صفحہ نمبر 284 رقم 20973 میں صحیح بخاری وصحیح مسلم کے حوالے سے منقول ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یا بنی حطمة ! اجعلوا مؤذنکم افضلکم فی انفسکم'' یعنی اے بنوحطمہ! تم اپنا مؤذن اپنے میں سے افضل شخص کو ہی بناؤ!۔

یہاں سابق روایت کی طرح تقویٰ اور لب ولہجہ کا اعتبار کیا جائے گا۔

☆۔کنز العمال جلد 7 صفحہ نمبر 289 رقم 21022 میں مصنف عبد الرزاق کے حوالے سے منقول ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بادروا الاذان والاقامة'' یعنی اذان اور اقامت کو خوب ظاہر کر کے پڑھو۔

چنانچہ فیروز اللغات وغیرہ کتبِ لغت میں ''بدر'' کا معنی ظاہر ہونا بھی کیا گیا ہے۔

☆۔امام بدر الدین العینی ''عمدة القاری شرح صحیح بخاری جلد 5 صفحہ 166 باب رفع الصوت بالنداء'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم : لا یؤذن لکم الا فصیح'' یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ

عنہما سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فصیح شخص کے علاوہ تم میں سے کوئی بھی اذان نہ دے۔

☆۔نیز تنبیہ الغافلین صفحہ نمبر 158 میں علامہ ابو اللیث سمرقندی ''مؤذن'' کے اوصاف تحریر کرتے ہوئے ان میں سے ایک وصف یہ بھی لکھتے ہیں کہ: ''ان یحسن الاذان ''یعنی وہ اذان کو اچھا کر کے پڑھے۔

ان تمام دلائل سے اشارہ ملا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کی ذمہ داری صرف اسی لئے سپرد فرمائی کہ ان میں اذان دینے کی ساری خوبیاں بمع فصاحت بدرجہء اتم پائی جاتی تھیں۔

دلیل نمبر 6:

جسے حروف کی ادائیگی مشکل ہو وہ اذان نہ دے

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد 5 صفحہ 166، سبل الھدیٰ والرشاد جلد 8 صفحہ نمبر 88 اور کنز العمال جلد 7 صفحہ نمبر 283 رقم 20954 میں دار قطنی کے حوالے سے بروایت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما منقول ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ان الاذان سمح وسهل فان كان اذانك سهلا سمحا والا فلا تؤذن ''یعنی بلاشبہ اذان میانہ روی اور سہولت کے ساتھ پڑھنے کا نام ہے چنانچہ اگر تمہاری اذان میں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں تو تم اذان نہ دو۔

امام بدر الدین عینی عمدۃ القاری میں اسی جگہ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث اس مؤذن کے لئے ہے جس کے لہجے میں فصاحت نہ ہو۔

نیز امام بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری میں اسی جگہ یہ واقعہ بھی نقل فرمایا کہ:

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے بھی اسی وجہ سے ایک غیر فصیح مؤذن کو منصبِ اذان چھوڑ دینے کا حکم دیدیا تھا۔

لہٰذا مذکورہ بالا روایت کی رو سے الزامی جواب یہ بھی دیا جائے گا کہ: اگر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو شین کی ادائیگی میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا تھا تو بفرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اذان کی ذمہ داری کے اہل ہی نہیں تھے حالانکہ ترمذی وغیرہ کی حدیث سابق میں گزر چکی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو "اندیٰ منك صوتا" فرما کر ان کی اہلیت ثابت کردی اور یہ بھی ثابت کر دیا کہ: ان کی زبان میں ایسی کوئی خرابی نہیں تھی جو استحقاقِ منصبِ اذان سے مانع ہو، اس سے ان حضرات کو بھی کان ہو جانے چاہییں جو لثاغت کا راگ الاپتے نہیں تھکتے۔

دلیل نمبر 7:

اذان میں لحن (کلمات کو بدلنا) ناجائز ہے

☆ علامہ شمس الائمہ السرخسی اپنی کتاب "المبسوط" جلد 1 صفحہ نمبر 284 میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول "والتلحین فی الاذان مکروہ" (یعنی اذان میں لحن کرنا مکروہ ہے) کے تحت رقمطراز ہیں کہ: "ان رجلا جاء الی عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ فقال: انی احبك فی اللّٰہ، فقال: انی ابغضك فی اللّٰہ، فقال: لم؟ قال: لانہ بلغنی انك تغنی فی اذانك یعنی التلحین" ایک شخص سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور بولا: میں اللہ کی خاطر آپ سے محبت کرتا ہوں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں اللہ ہی کی خاطر تم سے نفرت کرتا ہوں، اس نے عرض کیا: وہ کیوں؟ فرمایا: کیونکہ مجھے خبر ملی ہے کہ: تم اپنی اذان میں لحن کرتے ہو۔

تاج العروس اور لسان العرب جلد 7 صفحہ نمبر 962، 963 میں لحن کا معنی یوں بیان کیا گیا ہے کہ: "اللحن : العدول عن الصواب" لحن: درستی سے پھر جانے کو کہتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ: سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اذان کے کلمات کو لحن کے ساتھ ادا کرنے والا قابلِ نفرت ہے قابلِ محبت نہیں لہٰذا یہ کیسے مان لیا جائے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ بھی یہ قابلِ نفرت کام کرتے ہوں گے؟ حالانکہ بذاتِ خود سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو "سیّدنا" (یعنی ہمارے سردار) جیسے عظیم لقب سے یاد کیا کرتے تھے جو کہ: محبت کی علامت ہے اور جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اذان کے کلمات کو بدلنے جیسے الزام سے بالکل بری تھے۔

دلیل نمبر 8:

لثاغت کے حامی حضرات پر چند الزامی سوالات

اگر مان لیا جائے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ واقعی شین کو سین یا حاء کو ھاء سے بدل کر پڑھا کرتے تھے تو کیا حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ صرف اذان میں ہی ایسا کیا کرتے تھے؟ یا پھر عام بول چال میں بھی ایسا ہی کرتے تھے؟ اگر یوں کہو کہ: اذان میں ہی ایسا کیا کرتے تھے تو معاذ اللہ ایسی بات کو ہم حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی شان میں توہین سمجھتے ہیں، یعنی یہ کیسے ممکن ہے

کہ: آپ رضی اللہ عنہ عام بول چال میں تو شین اور حاء کو درست ادا کیا کرتے ہوں لیکن جب اذان کی باری آئے تو جان بوجھ کر شین کو سین اور حاء کو ھاء سے بدل کر پڑھا کرتے ہوں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو اذان میں کلمات کی بہتری ثابت رکھنے کا ہی حکم دیا تھا، اور اگر یوں کہو کہ: عام بول چال میں بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے تو پھر اس مذکورہ روایت میں اذان ہی کی تخصیص کیوں؟ مزید برآں اگر عام بول چال میں بھی اسی طرح کرتے تھے تو سوال پیدا ہوا کہ: جب حضرت عبد اللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کی ذمہ داری نہیں سونپی گئی کیونکہ ان کی آواز حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی طرح نہیں تھی تو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی زبان میں لثاغت مان لینے کی صورت میں سوال قائم ہوگا کہ: پھر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری کیونکر سونپ دی گئی؟ پھر عرب کے دوسرے فصیح اللسان صحابہ کرام کو چھوڑ کر اذان جیسا اہم کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر کیوں ڈال دیا؟ نیز اسی وقت وہاں موجود دوسرے جلیل القدر صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کی ذمہ داری دیئے جانے پر استفسار کیوں نہ کیا؟ اور اگر کیا تھا تو کیا جواب ملا؟ اور اگر کہو کہ: یہ جواب دیا گیا تھا کہ ''سیّدنا بلال کی سین اللہ کے نزدیک شین ہی ہے'' یا ''سیّدنا بلال کا ''ھیّ'' اللہ کے نزدیک ''حیّ'' ہی ہے'' تو بقیہ دلائل سے قطع نظر! پھر ان روایتوں کی آج تک کسی قسم کی اصل کیوں معلوم نہ ہوسکی؟ جن کی نہ تو سند کا پتہ اور نہ ہی روایت کرنے والے صحابہ کا نام تک کسی کو معلوم، حاء والی روایت کا تو کسی بھی مستند کتاب میں کہیں کوئی وجود تک نہیں۔

مثنوی رومی کی حاء والی روایت کی ایک اور کمزوری یہ ہے کہ: وہاں کہا گیا ہے کہ: ''جب حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اذان میں ''حیّ'' کہنے کی کوشش کرتے تو وہ لفظ ''ھیّ'' بن کر صادر ہوتا تھا'' میں پوچھتا ہوں کہ: پوری اذان میں ''حیّ'' کی حاء میں ہی خرابی کیوں؟ حالانکہ لفظ ''محمد'' میں بھی حاء ہے کیا اس کی ادائیگی درست ہوا کرتی تھی؟ اگر کہو: نہیں! تو مثنوی رومی میں ''حیّ'' کی ہی تخصیص کیوں؟ اور اگر کہو کہ: ہاں! تو پھر ''حیّ'' کی حاء میں کیا دشواری تھی؟ حالانکہ لفظ ''محمد'' کی حاء کے سالم ہونے کی تخصیص کا بھی پوری روایت میں کہیں کوئی ذکر نہیں۔ یہ تمام وجوہ حاء والی روایت کے ناقابلِ قبول ہونے کے لئے کافی ہیں۔

اور شین والی روایت کا محدثین کی نظر میں موضوع، بے اصل اور مخالفِ حقیقت ہونا ہم سابق میں اچھی طرح بیان کر چکے ہیں لہٰذا مزید تفصیل کی ضرورت نہیں ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سب لوگوں سے زیادہ فصیح اللسان تھے۔

اعتراض:

آپ نے سابق میں امام شعرانی کی ''البدر المنیر'' کے حوالے سے سین شین والی روایت پر جرح نقل کی حالانکہ امام شعرانی نے سین شین والی روایت کو جرح سمیت نقل کرنے کے بعد صفحہ 117 رقم 915 میں یہ بھی فرمایا ہے کہ: ''ولکن یؤیدہ حدیث: ان العبد اذا قرأ القرآن فلحن فیہ کتبہ الملك کما انزل'' یعنی (سین شین والی حدیث کی اگرچہ کوئی اصل نہیں) لیکن اسکی تائید یہ حدیث بھی کرتی ہے کہ: بلاشبہ جب کوئی بندہ قرآن پڑھتے ہوئے

معذور الحن کرتا ہے تو فرشتہ اس کے لئے اسی طرح لکھتا ہے جس طرح قرآن نازل ہوا ہے۔

نیز امام شعرانی نے صفحہ 186 رقم 1378، 1379 پر بھی کچھ اسی طرح کا کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ''یؤیدہ ما تقدم من حدیث : اذا قرأ الرجل القرآن فلحن فیہ أو غلط کتبہ املك کما انزل''۔

لہٰذا ''البدر المنیر'' کی مختلف جگہوں سے لی گئی ان دونوں عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ: امام شعرانی سین شین والی روایت کو معناً درست قرار دے رہے ہیں؟

الجواب:

امام شعرانی کی پوری عبارت دراصل دو الگ الگ عنوانوں پر مشتمل ہے جس میں سے پہلا ''حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی زبان میں نقص کا ہونا'' اور دوسرا ''کسی بھی شخص کا عذر کی حالت میں شین کو سین یا کسی حرف کو دوسرے کسی حرف سے بدل دینا'' ہے چنانچہ ''البدر المنیر'' کی مذکورہ بالا عبارتوں سے امام شعرانی کی مراد اگر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی زبان میں نقص کی تائید کرنا مان لی جائے تو یہ مراد قطعاً غلط بھی ہے اور مردود بھی کیونکہ نہ تو امام شعرانی کا یہ مقصد ہے اور نہ ہی سیاق وسباق اسے تسلیم کرنے کی اجازت ہی دیتا ہے، جیسا کہ امام شعرانی کا مزاج اور مؤیدہ روایت کا مضمون اس پر واضح دال ہے، مزید برآں! سابق میں بحمدہ تعالیٰ اچھی خاصی بحث گزر چکی ہے جس میں بلاگنجائش ثابت کر دیا گیا ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ تمام لوگوں سے زیادہ فصیح اللسان اور ظاہر الصوت تھے یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے سب سے پہلا مؤذن ہونے کا اعزاز بھی آپ رضی اللہ عنہ کو ہی عطاء فرمایا، اور اشارتاً کسی بھی غیر فصیح کو اذان دینے سے منع بھی فرما دیا۔

میں کہتا ہوں جب ثابت ہو چکا کہ: امام شعرانی کی تائید کرنے کا مطلب حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی زبان کے نقص کو ثابت کرنا نہیں تھا تو بداہتاً دوسرا عنوان متعین ہوا جس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ اگر کوئی شخص معذور ہو اور اپنی زبان کے عذر کی وجہ سے محنت کے باوجود بھی قرآنی آیات کے کلمات درست ادا نہ کر پائے تو اس معذور کے لئے صحیح قرآن پڑھنے کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے، بلاشبہ یہی ثابت کرنا امام شعرانی کا مقصد تھا ورنہ کہاں اذان دینے کی ذمہ داری جس میں فصحاء کی موجودگی میں کسی معذور کو اذان دینے کی شرعاً اجازت ہی نہیں اور کہاں قرآنی آیات کی تلاوت کی آزادی اور وہ بھی انفرادی طور پر جس میں ہر خاص وعام اور صحیح ومعذور حتی کہ سبھی اس اذنِ عام میں داخل، جب اتنا بڑا فرق موجود ہے تو لامحالہ امام شعرانی کی تائید سے اذان میں کسی معذور کو اجازت ہونا بالکل بھی مراد نہیں لیا جا سکتا، چہ جائے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ پر زبان کا عیب بلا وجہ منسوب کر دیا جائے، لہٰذا خلاصہ یہ کہ: امام شعرانی نے شین سین والی روایت کے بعد تلاوتِ قرآن میں عذراً لحن والی روایت کا بطور تائید ذکر فرمایا جس کا مطلب فقط اتنا ہی ہے کہ: یہ حکم اور اجازت محض تلاوتِ قرآن کے لئے ہے نہ کہ اذان کے لئے یعنی اگر کسی شخص کی زبان سے معذوراً حروف کی ادائیگی درست نہیں صادر ہو پاتی تو قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے جس طرح بھی مجبوراً تلاوت کرے گا اس کو صحیح قرآن پڑھنے کا ثواب دیا جائے گا، اسی کی تائید میں ہم مسند ابن الجعد صفحہ 150 رقم 956 کی روایت پیش کرتے ہیں

کہ”عن عائشة : عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: مثل الماهر بالقرآن مثل الشفرة الکرام البررة ومثل الذی یقرؤہ وهو علیه شاق، له اجران“یعنی ام المؤمنین اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تلاوتِ قرآن کی مہارت رکھنے والے کی مثال ان نیک فرشتوں کی سی ہے جو لکھتے نہیں تھکتے، اور اس شخص کا اجر جس پر قرآن کی تلاوت زبان کے عذر کی وجہ سے شاق ہے دوگنا ہے۔

میں کہتا ہوں ثابت ہوگیا کہ اذان کی ذمہ داری جماعت سے متعلق ہے جس کا مقصد اجتماع نماز ہے اور یہ اہم وخاص ہے اور مذکورہ روایات کا تعلق اذان سے نہیں بلکہ قرآن کی تلاوت والی روایات کا تعلق انفرادی بور پر تلاوت سے متعلق ہے جو عام ومرخص بھی ہے، لیکن باجماعت نماز میں ایسے شخص کو امام بنانے کی اجازت نہیں جو قرآن صحیح پڑھنے میں لحن کرنے پر معذور ہو اسکی وجہ بھی اذان ہی کی طرح محض اجتماع ہے، خلاصہ یہ نکلا کہ: انفرادی تلاوت کو اذان وامامت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اس پر کافی وشافی دلائل سابق میں گزر چکے ہیں، یہی وجہ ہے کہ: ہم نے سابق میں امام شعرانی کی صرف اتنی ہی عبارت کو نقل کیا تھا، جس کا تعلق حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی فصیح اللسانی سے تھا اور بس۔ للہ فافہموا۔

طعن نمبر 2:

اذانِ بلالی رضی اللہ عنہ اور طلوعِ سحر

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان نہ دی تو طلوعِ فجر نہ ہوئی؟

الجواب:

سابق میں بیان کی جانے والی شین اور حاء والی من گھڑت روایتیں بھی دراصل اسی روایت کا چربہ ہیں، چنانچہ مجھے یہ روایت کسی بھی مستند کتاب میں نہیں ملی اور جن کتابوں میں ملی ہے وہاں بھی مستند حوالہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہ خود استناد کے قابل نہیں، مجھے اس سلسلہ میں دورِ حاضر کے ''انّے واہ'' قلم چلانے والے سیرت نگاروں اور بغیر سوچے سمجھے اسے بیان کر کے مال کمانے والے جاہل واعظین پر کوئی تعجب نہیں، لیکن حیرت کی انتہاء ہے کہ: ماضی قریب کے ایک منجھے ہوئے محقق اور کئی لاجواب اور قابلِ قدر کتابوں کے مصنف نے اپنی اسی موضوع پر لکھی جانے والی ایک کتاب کے صفحہ نمبر 41 میں اس واقعہ کو لکھ کر ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی فرمادیا کہ:

''بعض لوگ واقعہ مذکورہ کو غلط کہتے وہ خود غلط ہیں یہ واقعہ مع حوالہ جات اور مدلل ومحقق طور فقیر کی شرح میں پڑھیے''۔

حضرت محقق کی عظمت واحترام سر آنکھوں پر، جس گمنام شرح کا ذکر حضرت کی عبارت میں ہے، اگر مل جاتی تو ہمارے لئے وہ کسی نایاب تحفہ سے کم نہ ہوتی، لیکن معاف کیجئے گا!

اولاً تو حضرت محقق کی ایسی کسی شرح کے بارے میں خوب جستجو کے باوجود

ہمیں کچھ بھی علم نہیں ہوسکا، جس کا مطلب یہ ہے کہ: ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ حضرت کے پاس اس واقعہ کی صحت کے کونسے دلائل باہرہ موجود تھے؟ تا کہ ہم ان کی روشنی میں کچھ لکھ پاتے۔

اور ثانیاً یہ کہ: حضرت نے اپنی کتاب میں طلوعِ فجر والی اسی روایت پر وارد ہونے والے وہابیوں کے ایک اعتراض کو بیان کیا جس میں وہابیوں کی طرف سے اس واقعہ کو ''جھوٹا قصہ'' کہا گیا اور حضرت نے اپنی اس کتاب کے صفحہ نمبر 41 سے 48 تک یعنی سات صفحات پر مشتمل جواب دینے کی کوشش میں ایک طویل تقریر تو ضرور فرمائی لیکن روایتِ مذکورہ کے دفاع میں ایک لفظ بھی تسلی بخش نہیں لکھا سوائے اتنی سی بات کے کہ: ''جو اس واقعے کو غلط کہے وہ خود غلط ہے'' حالانکہ ہم سمجھتے ہیں کہ: واقعہ مذکورہ پر مکمل دلائل بمعہ حوالہ جات کو بیان کر دینے کا حضرت کے پاس یہی ایک بہترین موقع تھا لیکن معلوم نہیں کہ: حضرت نے اس کام کو اپنی کسی ''نامعلوم بلکہ معدوم شرح'' پر معلق کیوں فرما دیا؟

ہم نے اس سلسلے میں کئی محقق علماء سے رابطہ کیا اور کروایا لیکن ہمیں نہ تو واقعہ مذکورہ کے ثبوت پر ٹھوس دلائل و مستند حوالہ جات ہی ملے، اور نہ ہی حضرت کی مذکورہ عنوان سے متعلق کسی بھی ''شرح'' کا علم ہوسکا، اس پر بھی طرفہ یہ کہ: حضرت نے روایتِ مذکورہ کو غلط کہنے والوں کو ہی غلط قرار دے دیا، چنانچہ عین ممکن ہے کہ ان کا اس روایت کے کمزور پہلوؤں اور اس میں موجود علتوں کی طرف دھیان نہیں گیا لیکن ہم نے اس روایت میں جو سقم محسوس کئے ہیں وہ بیان کرنے پر ہم بھی مجبور ہیں چنانچہ!

(ا)۔ اس روایت کی کوئی سند نہیں، روایت کرنے والے کسی صحابی کا نام

تک معلوم نہیں، کسی مستند و محقق عالم نے اسے قبول نہیں کیا، اس روایت میں مذکورہ واقعہ کا محلِ وقوع معلوم نہیں، سنِ ہجری معلوم نہیں، کوئی مستند حوالہ نہیں، حدیث، سیرت، فضائل، تاریخ اور اصول کے ماہرین متقدمین تو ایک طرف، متأخرین اہل تحقیق کی بھی کسی کتاب میں اس واقعہ کا تذکرہ نہیں، بلکہ ماہرین کی جانب سے اس پر تنقید تو دور خود وجود بھی نہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ: یہ واقعہ بعد کی پیداوار ہے لہٰذا اس کی اوقات کتبہائے موضوعات کی موضوع قرار دی جانے والی روایات سے بھی گئی گزری ہے۔

(۲)۔ اس روایت میں بیان کردہ واقعہ کی ساری عمارت صرف ایک ہی اینٹ پر ٹکی ہے اور وہ ہے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی زبان میں توتلے پن کا پایا جانا حالانکہ ہم نے سابق میں ٹھوس دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ فصیح اللسان تھے اور توتلے پن والی سب باتیں جو آپ رضی اللہ عنہ سے منسوب ہیں بے بنیاد ہیں لہٰذا جب دَلدَلی ریت کی طرح بنیاد ہی مضبوط نہیں تو پھر عمارت کے قیام کا تصور ہی کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

(۳)۔ اس واقعہ کے حامی حضرات کی نقل میں بھی خود کئی باتوں کا اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ:

☆۔ بعض نے بیان کیا ہے کہ: ”حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اذان وزبان پر اعتراض کرنے والے منافقین تھے“ اور بعض نے یہ نسبت صحابہ کرام کی طرف کر دی۔ العیاذ باللّٰہ من ذٰلک۔

☆۔ بعض نے فجر کی اذان بیان کیا ہے اور بعض نے سحری کی اذان۔

☆۔ بعض نے طلوعِ فجر بیان کیا اور بعض نے طلوعِ شمس۔

(۴)۔ اس واقعہ کے خلاف روایاتِ صحیحہ ثابتہ کی روشنی میں کئی طرح کے لاجواب اشکالات قائم ہوتے ہیں جن سے عین الیقین حتی کہ حق الیقین بھی حاصل ہوجاتا ہے کہ: یہ واقعہ من گھڑت ہے، یہ تمام اشکالات خوب توجہ سے ملاحظہ کرلیں تاکہ اس کے من گھڑت ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہے مثلاً!

اشکال نمبر 1:

(رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ ہی اکیلے مؤذن نہیں تھے)

یہ بات بھی حق ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی شریف میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے علاوہ ایک اور مؤذن کو بھی مقرر فرما رکھا تھا جن کا نام حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تھا اور یہ نابینا صحابی تھے چنانچہ اگر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کا بھی اذان دینا اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں تھی تو انہیں مقرر کرنے کا کیا مطلب؟

اشکال نمبر 2:

(اذان اور اقامت میں ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی تھیں)

☆۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد 1 صفحہ نمبر 245 اور طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ نمبر 423 میں مدینہ کے کسی بزرگ سے روایت کیا گیا ہے کہ: "کان بلال یؤذن ویقیم ابن ام مکتوم، وربما اذن ابن ام مکتوم واقام بلال"۔ یعنی کبھی تو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اذان کہا کرتے اور حضرت ابن

ام مکتوم رضی اللہ عنہ اقامت پڑھا کرتے اور کبھی حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان کہہ دیا کرتے اور حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اقامت پڑھا کرتے۔

☆۔سبل الہدیٰ والرشاد جلد 8 صفحہ نمبر 88 میں دار قطنی کے حوالے سے بروایت حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ:

"قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : یا سعد! اذا لم تر بلالا معی فاذن ومسح رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رأسه وقال : بارك الله فيك اذا لم تر بلالا فاذن"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے سعد! جب تم (نماز کے وقت) میرے ساتھ بلال کو نہ دیکھو تو اذان تم پڑھ دیا کرو چنانچہ انہوں نے اذان دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور دعاء دی کہ: اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے، جب بھی بلال کو نہ دیکھو تو اذان تم پڑھا کرو۔

اشکال نمبر 3:

(فجر اور سحری کی اذان کیلئے بھی ڈیوٹی تبدیل ہوتی تھی)

☆۔طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ نمبر 423 میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ان بلالا ینادی بلیل فکلو واشربوا حتی ینادی ابن ام مکتوم" یعنی جب بلال (رمضان شریف میں سحری کی) اذان دیں تو اس وقت تک کھاؤ اور پیو جب ابن ام مکتوم (فجر کی) کی اذان دینے لگیں۔

☆۔ نیز طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ نمبر 425 میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ان ابن ام مکتوم ینادی بلیل فکلو واشربوا حتی ینادی بلال "یعنی جب ابن ام مکتوم (رمضان شریف میں سحری کی) اذان دیں تو اس وقت تک کھاؤ اور پیو جب بلال (فجر کی) کی اذان دینے لگیں۔

رمضان المبارک میں فجر کی نماز سے پہلے دو اذانیں ہوا کرتی تھیں ایک سحری کھانے والوں کو بیدار کرنے کے لئے اور دوسری فجر کی اذان اور یہ ڈیوٹیاں حضرت سیّدنا بلال اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما باری باری ادا کیا کرتے تھے یعنی جب کبھی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سحری کی اذان دیتے تو حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ فجر کی اذان پڑھ دیتے اور جب کبھی حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سحری کی اذان پڑھتے تو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ فجر کی اذان دیا کرتے چنانچہ یہاں سوال پیدا ہوا کہ: جب حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سحری کی اذان نہیں دیا کرتے تھے، تو فجر کیوں طلوع ہوا کرتی تھی؟

اشکال نمبر 4:

(اذانِ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے بغیر ہی سورج نکل آیا)

☆۔ "لیلۃ التعریس" کا واقعہ کتبِ حدیث مثلاً! "صحیح مسلم صفحہ نمبر 275 رقم 1560 اور موطا امام مالک" میں بھی موجود ہے کہ: غزوہ خیبر سے واپسی پر کسی مقام میں رات کے آخری حصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ ڈالا اور حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ: وہ جاگتے رہیں چنانچہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سبھی صحابہ سو گئے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ جتنا ہو سکا اتنی دیر تک نوافل پڑھتے رہے بالآخر اپنے کجاوے سے ٹیک لگائی تو تھکاوٹ کی وجہ سے نیند آ گئی جب سورج نکل آیا تو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ مبارک کھلی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے اپنی نیند کے غلبہ والا عذر بیان کیا چنانچہ فوراً اس جگہ سے کوچ کیا گیا اور کسی اور مقام پر جا کر قضاء نمازِ فجر کی جماعت کروائی گئی۔

یہی واقعہ سبل الہدیٰ والرشاد جلد 8 صفحہ نمبر 90 میں بھی نقل کیا گیا ہے۔

☆۔ نیز سبل الہدیٰ والرشاد جلد 8 صفحہ نمبر 87 میں طبرانی کبیر اور مسند عبد بن حمید کے حوالے سے بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نقل ہے کہ:

"ابطأ بلال یوما بالاذان فاذن رجل، فجاء بلال فاراد ان یقیم، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : یقیم من اذن"

یعنی ایک دن حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ دیر سے آئے چنانچہ ایک شخص نے اذان پڑھ دی تھی تو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے آتے ہی اقامت پڑھنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا: (آج) اقامت وہی پڑھے جس نے اذان دی ہے۔

نیز یہی روایت مسند امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، سنن کبریٰ بیہقی، دلائل النبوۃ بیہقی، ابن ابی شیبہ، طبقات ابن سعد اور مجمع الزوائد میں بھی موجود ہے۔

☆۔ مشکوۃ کتاب الصلوٰۃ باب الاذان الفصل الثانی

رقم 648 میں غالباً اسی مذکورہ واقعے کو یوں بھی نقل کیا گیا ہے کہ: " عن زیاد بن الحارث الصدائی قال امرنی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم : ان اذن فی صلاۃ الفجر، فاذنت، فاراد بلالی ان یقیم فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ان اخاصداء قد اذن ومن اذن فهو یقیم۔ رواه الترمذی، وابوداؤد وابن ماجة "یعنی حضرت زیاد بن حارث الصدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: مجھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ: نماز فجر کی اذان دو چنانچہ میں نے اذان دے دی پھر بلال آئے اور انہوں نے چاہا کہ: وہ اقامت کہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چونکہ صداء کے بھائی نے اذان دی ہے لہٰذا جس نے اذان دی ہے وہی اقامت کہے۔ اس حدیث کو ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

اس کے علاوہ یہی حدیث مسند امام احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 169 میں بھی ہے۔

ثابت ہوا کہ: اذان نہ دینے پر طلوعِ فجر نہ ہونے والی بات من گھڑت ہے۔

اشکال نمبر 5:

(فجر کی اذان وقت سے پہلے نہیں ہوتی)

☆۔ دوسری نمازوں کی اذانوں کی طرح فجر کی اذان بھی وقت سے پہلے نہیں ہوتی چنانچہ السنن الکبریٰ للبیہقی، مسند الرویانی جلد 2 صفحہ نمبر 13 رقم 748 اور صفحہ نمبر 16 رقم 762، مصنف ابن ابی شیبہ جلد 1 صفحہ نمبر 242، سنن ابی

داؤد صفحہ نمبر 120 رقم 534، المعجم الکبیر جلد 1 صفحہ نمبر 290 رقم 1110 میں ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”لا تؤذن حتی تری الفجر “یعنی جب تک فجر طلوع نہ ہو جائے فجر کی اذان نہ پڑھا کرو۔

مصنف ابن ابی شیبہ جلد 1 صفحہ نمبر 242 میں ہے کہ: ”کان لایؤذن حتی ینشق الفجر “حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ فجر کی اذان اس وقت تک نہیں دیتے تھے جب تک فجر طلوع نہیں ہوتی تھی۔

چنانچہ سبل الہدیٰ والرشاد جلد 8 صفحہ نمبر 91 میں سنن دارقطنی، ابو داؤد، ترمذی کے حوالے سے بروایت حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم منقول ہے اس کے علاوہ یہ حدیث عمدۃ القاری، مسند عبد بن حمید، ترمذی، مستدرک، طحاوی، بیہقی وغیرہ میں بھی ہے کہ: ”ان بلالا اذن قبل الفجر فامرہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یرجع......الخ “یعنی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ صبح کی اذان غلط فہمی کی وجہ سے وقت شروع ہونے سے پہلے ہی دیدی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وقت شروع ہونے پر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اذان دی۔

نیز عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد 5 صفحہ 192 اور مصنف ابن ابی شیبہ جلد 1 صفحہ 243 میں ہے کہ: ”انھم کانوا لایؤذنون للصلوٰۃ الا بعد طلوع الفجر “یعنی بلاشبہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا معمول یہی تھا کہ وہ فجر کی اذان طلوع فجر سے پہلے نہیں دیا کرتے تھے۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ: وقت سے پہلے دی جانے والی اذان کا اعادہ لازمی ہے

لہٰذا حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے علاوہ جن لوگوں نے فجر کی اذان دی تھی تو اگر انہوں نے وقت سے پہلے ہی دیدی تھی تو اذان ہی نہ ہوئی لہٰذا حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو پریشان ہونے اور رونے کی کوئی ضرورت نہیں تھی بلکہ خود وقت میں اذان دیدیتے اور اگر وقت شروع ہونے کے بعد دی تھی تو ثابت ہوا کہ پھر اذانِ سیّدنا بلالی اور طلوعِ فجر نہ ہونے والی بات ہی درست نہیں۔

اشکال نمبر 6:

(سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی غیر موجودگی میں مدینہ میں پڑھی جانے والی اذان پر بھی سورج نکل آیا کرتا تھا)

جب حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مدینہ طیبہ سے باہر کسی سفر یا غزوہ میں شریک ہوتے اور مدینہ میں کوئی اور اذان دیتا تو اس وقت سورج کیوں طلوع ہوا کرتا تھا؟

اشکال نمبر 7:

(سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے اذان سے انکار پر بھی سورج نکل آیا کرتا تھا)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ مدینہ اور اذان دونوں کو چھوڑ کر شام چلے گئے تھے تو ان دنوں میں سورج کیوں نکل آیا کرتا تھا؟ حالانکہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ بھی اس وقت حیات تھے۔

اشکال نمبر 8:

(اذانِ بلالی رضی اللہ عنہ کے بغیر آج بھی سورج نکل آتا ہے)

آج جب سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اذان نہیں دیتے تو سورج کیوں نکل آتا ہے؟

لہٰذا ان تمام اشکالات کی روشنی میں ظاہر ہو گیا کہ: سورج نہ نکلنے والا واقعہ من گھڑت ہے اور اتنے ظاہر دلائل کے باوجود خواہ مخواہ اس واقعہ کا دفاع کرنا اور دفاع ہی نہیں بلکہ اس واقعہ کو موضوع قرار دینے والے کو وہابی، نجدی یا گستاخِ رسول قرار دے دینا یقین مانیے! ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

انکشاف:

امام جلال الدین السیوطی کی ''انیس الجلیس'' صفحہ 330 میں میں نے یوں لکھا ہوا پایا ہے کہ: ''ثم اعلم ان الشمس رجعت الی مکانها ثلاث مرات لکرامة ثلاث من خواص اللّٰہ تعالیٰ، احدها لاجل سلیمان والثانی لاجل احمد جواد والثالث لاجل بلال الحبشی لیعلم الخلائق ان درجة خادم من خدام النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کدرجة نبی بنی اسرائیل لقوله علیه السلام عالم من امتی کنبی بنی اسرائیل'' یعنی پھر تو جان لے کہ: بلا شبہ سورج واپس اپنی جگہ پر تین مرتبہ اللہ کے تین خاص بندوں کی کرامت سے لوٹا ہے، جن میں سے ایک بار ''سلیمان'' کی خاطر، دوسری بار ''احمد جواد'' کی خاطر اور تیسری بار ''سیّدنا بلال الحبشی'' (رضی اللہ عنہم) کی خاطر، تاکہ لوگ جان جائیں کہ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے خادمین کا درجہ بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: میری امت کا عالم بنی اسرائیل کے نبی (علیہم السلام) کی طرح ہے۔

نوٹ:

اس روایت کو یہاں درج کرنا میں اپنی ذمہ داری سمجھتا ہوں لیکن معاف کیجیے گا! اس واقعے کی تفصیل، مأخذ اور پس منظر کے بارے میں کچھ نہیں جانتا، خوب جستجو کے باوجود میں اس کی تفصیلات پر مطلع نہ ہو پایا، اس لئے فقط اس کے اکتفاء بالنقل پر ہی مجبور ہوں۔

......واللّٰہ ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اعلم......

متفرقاتِ جمال

باب

چند مزید اوہامِ باطلہ

وہم نمبر 1:

(سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اور حور کی ہنڈیا)

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے گھر میں جنت کی ایک حور نے ہنڈیا پکائی تو آپ رضی اللہ عنہ نے جلال میں آ کر ہنڈیا کو ٹانگ مار کر گرا دیا اور حور کو اپنے گھر سے نکل جانے کا حکم دیا؟

ازالہءِ وہم:

معلوم نہیں ہو سکا کہ: یہ واقعہ واعظین حضرات کی ''سیاہ ستہ'' میں سے کہاں سے لیا گیا ہے؟ اور یہ تو کچھ بھی نہیں، ایک لوکل واعظ نے تو اس سے بھی حد پار کر دی اس نے کسی چھوٹے سے پروگرام میں اسی واقعہ کو ''لون مرچ'' لگا کے کچھ ایسے لفظوں سے بیان کیا کہ: خدایا تیری پناہ! پھر جاہل عوام سے خوب داد سمیٹی، کہنے لگا کہ:

''ایک دفعہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو کچھ لوگوں نے طعنہ مارا کہ: اے بلال! ہمارے گھروں میں کھانا پکانے والیاں موجود ہیں لیکن تمہارے گھر میں کوئی کھانا پکانے والی نہیں۔ یہ سن کر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ غمگین ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل سے فرمایا: اے جبریل! عرض کیا: یا رب جلیل؟ فرمایا: آج ہمارے بلال کو چند ناسمجھوں نے طعنہ مارا ہے کہ: اس کے گھر میں کھانا پکانے والی کوئی نہیں، لہٰذا جاؤ اور جنت سے ایک حور کو لے جا کر میرے بلال کے گھر میں بھیج دو تا کہ بلال کے آنے سے پہلے وہ اس کے لئے کھانا پکا دے اور دنیا والوں کے لئے یہ سبق ہو جائے کہ: تمہارا کھانا دنیا کی عورتیں پکاتی

ہیں لیکن میرے بلال کا کھانا پکانے کے لئے جنت سے حور آئی ہے چنانچہ حور کو لے کر جبریل حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے حور نے کھانا پکانا شروع کر دیا، اور ادھر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ جب اپنے گھر واپس آئے تو گھر کے اندر سے دھوواں اٹھتا دکھائی دیا حیران ہو کر جب دروازہ کھولا تو دیکھا کہ: ایک موٹی موٹی آنکھوں والی، نہایت ہی خوبصورت عورت بیٹھی کھانا پکا رہی ہے آپ رضی اللہ عنہ نے حیران ہو کر پوچھا کہ: تم کون ہو اور کہاں سے آئی ہو؟ تو اس نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ: میں جنت کی حور ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے لئے کھانا پکانے بھیجا ہے تا کہ لوگ آپ کو اس حوالے سے آئندہ طعنے نہ ماریں یہ سن کر حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے چولہے پر رکھی ہوئی ہنڈیا کو ٹانگ مار کر دور گرایا اور حور کو حکم دیا کہ میرے گھر سے نکل جاؤ ورنہ میں ابھی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تمہاری شکایت لگا دوں گا......وغیرہ وغیرہ" اد کما قال ذالک السفیہ۔

یہ سارے کا سارا واقعہ من گھڑت، روایاتِ صحیحہ سے متصادم اور بے ادبی ہے۔

....

وہم نمبر 2:

(امام حسن رضی اللہ عنہ کا رونا اور آٹے کی چکی)

حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ فجر کی اذان دے کر فارغ ہوئے تو سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے گھر سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے رونے کی

آواز آئی آواز دے کے پوچھا تو جواب آیا کہ: میں چکی میں آٹا پیس رہی ہوں اور ''حسن'' رو رہا ہے، عرض کیا: آپ شہزادہ حسن کو سنبھالیں چکی میں چلاتا ہوں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر پڑھائی اور لوگوں سے پوچھا کہ: بلال کہاں ہے؟ عرض کیا: اذان کے بعد سے نہیں دیکھا، تھوڑی دیر بعد حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ بھی حاضرِ خدمت ہو گئے پوچھا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ: اذان دے کر مسجد سے باہر نہیں جایا کرتے؟ تو سارا ماجرا عرض کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا: اے بلال! تم میرے در کے بھی غلام ہو اور زہراء کے گھر کے بھی غلام ہو۔

ازالۂ وہم:

کافی تگ ودو کے باوجود میں اس روایت کی اصل وغیرہ پر مطلع نہیں ہو پایا، بلکہ اس واقعے کے بیان کرنے والے کئی خطباء حضرات سے بھی اس واقعہ کی اصل معلوم کرنے کی کوشش کی گئی لیکن نتیجہ جان چھڑانے کے سوا کچھ بھی نہیں نکلا، یہ روایت مستند کتب تو بہت دور، دورِ حاضر کے سیرت نگاروں کی بھی کتب میں میں نے نہیں دیکھی، اگر اس کی کچھ اصل ہوتی تو احکامات سے متعلق ہونے کی وجہ سے کم از کم سنن میں تو بیان کی جاتی۔ البتہ اس روایت کا سیاق بتاتا ہے کہ: یہ بھی موضوع اور بے اصل ہے۔

......واللہ اعلم ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم......

باب

(وصالِ نبوی ﷺ کے بعد اذانیں)

سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کتنی اذانیں دی ہیں؟ یقین سے کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا، البتہ جو مستند کتابوں کے حوالے سے روایت کی گئی ہیں ہم وہ روایتیں چند طبقوں میں پیش کرتے ہیں چنانچہ!

(فصل)

وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اذان

صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی صفحہ 118 اور طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ نمبر 126 میں ہے کہ: ''عن محمد بن ابراھیم بن الحارث التیمی قال: لما توفی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذن بلال ورسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یقبر فکان اذا قال: "اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ "انتخب الناس فی المسجد......الخ'' یعنی محمد بن ابراہیم بن حارث التیمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال پُر ملال ہوا تو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی حالانکہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن نہیں کیا گیا تھا چنانچہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے'' اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ'' کہا تو لوگ مسجد میں جمع ہو گئے...... الخ۔

....

(فصل)

دورِ صدیقی میں اذان اور روایتوں کا اختلاف

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذانیں پڑھی ہیں یا نہیں اس بارے میں بھی روایات میں دو طرح کا اختلاف پایا جاتا ہے!

(ا)۔ دورِ صدیقی میں بھی اذانیں دی ہیں!

چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ: حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت کی وجہ سے بھی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی شریف میں اذانیں پڑھی ہیں، جیسا کہ!

☆۔ عن عبد الله، وعمار، وعمر عن آبائهم، عن اجدادهم انهم اخبروهم: ...... لما توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم جاء بلال الى ابي بكر الصديق، فقال له: يا خليفة رسول الله صلى الله عليه وسلم اني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يقول: افضل عمل المؤمن الجهاد في سبيل الله، فقال ابوبكر: فما تشاء يا بلال؟ قال: اردت ان اربط في سبيل الله حتى اموت، فقال ابوبكر: انشدك الله يا بلال، وحرمتي وحقي فقد كبرت، وضعفت واقترب اجلي، فاقام بلال مع ابي بكر حتى توفي ابوبكر، فلما توفي ابوبكر، جاء بلال الى عمر بن

الخطاب، فقال له: كما قال لابي بكر، فرد عليه عمر كما رد عليه ابوبكر فابى بلال عليه، فقال عمر: فالى من ترى ان اجعل النداء؟ فقال: الى سعد، فانه اذن لرسول الله صلى الله عليه وسلم فدعا عمر سعدا فجعل الاذان اليه، والى عقبه من بعده".

(تاريخ ابن عساكر جلد6صفحه نمبر248)

(المعجم الكبير للطبراني جلد1صفحه نمبر267رقم1006)

ترجمہ: عبد اللہ، عمار اور عمر اپنے آباء واجداد سے روایت کرتے ہیں کہ:۔۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، عرض کیا: اے خلیفہء رسول! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: مؤمن کا سب سے بہتر عمل "جہاد فی سبیل اللہ" ہے، تو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے بلال تم کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ: اللہ کے راستے میں نکلوں یہاں تک کہ میں شہادت پاؤں، سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر اپنا حق اور اپنی حرمت یاد دلاتا ہوں میں بوڑھا اور کمزور ہو چکا ہوں، میرا وقت بھی قریب آ چکا ہے، تو سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات تک ان کے پاس ٹھہرے رہے، ان کی وفات کے بعد سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ان سے بھی اسی طرح

اجازت مانگی جس طرح سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مانگی تھی، چنانچہ سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں ویسا ہی جواب دیا جیسا کہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا، لیکن اس بار سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نہ مانے، تو سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بتاؤ میں اذان کی ذمہ داری کس کے سپرد کروں؟ عرض کیا: ''سعد القرظ'' کے ذمہ، کیونکہ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن ہیں، تو سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ کو بلوایا، اور اذان کی ذمہ داری ان کے سپرد کردی، اور ان کے بعد وہی ڈیوٹی دیتے رہے۔

☆۔"عن سعد القرظ:...... فجاء بلال الی ابی بکر الصدیق، فقال: انی سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: ان افضل اعمالکم الجهاد فی سبیل اللّٰه، وقد اردت الجهاد، فقال له ابوبکر: اسألك بحقی الا ما صبرت انما هو الیوم او غد حتی اموت، فاقام بلال معه یمشی بالعنزة بین یدیه حتی توفی ابوبکر، فجاء الی عمر، فقال له کما قال لابی بکر: فسأله عمر بما سأله ابوبکر فابی، فقال: فمن یؤذن، قال: سعد القرظ، فانه قد کانُ اذن بین یدی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فاعطاه العنزة، فمشی بین یدی عمر حتی قتل، ثم بین یدی عثمان".

(تاریخ ابن عساکر جلد6 صفحہ نمبر 247)
(جامع الآثار لابن ناصر الدین الدمشقی جلد5 صفحہ 2812)

ترجمہ: حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ......سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: تمہارے تمام اعمال سے افضل اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ہے چنانچہ میں نے جہاد کا ارادہ کرلیا ہے، تو ان سے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تم سے اپنے حق کا سوال کرتا ہوں کیا تم آج یا کل میری وفات تک صبر نہیں کرو گے؟ چنانچہ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ ٹھہر گئے اور سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات تک خاص موقعوں پر ان کے آگے آگے نیزہ لے کر چلا کرتے تھے، پھر وہ سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ان سے بھی وہی عرض کیا جو سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا تھا: تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی وہی مطالبہ کیا جیسا کہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا اس بار سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا، فرمایا: تمہارے بعد اذان کون دے گا؟ عرض کیا: سعد القرظ! کیونکہ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذانیں دیتے رہے ہیں، چنانچہ آپ نے نیزہ انہیں عطاء کر دیا، تو وہ نیزہ لے کر سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت تک ان کے آگے آگے چلا کرتے تھے اور ان کے بعد سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے آگے آگے چلا کرتے تھے۔

☆۔"عن شیخ یقال له الحفص، عن ابیه عن جده، قال: اذن بلال حیاة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ثم اذن لابی بکر حیاته، ولم یؤذن فی زمن عمر فقال له عمر: ما یمنعك ان تؤذن؟ قال: انی اذنت لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم حتی قبض، واذنت لابی بکر حتی قبض، وکان ولی نعمتی، وقد سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: ما من شیء افضل من عملك الا الجهاد فی سبیل اللّٰه، فخرج فجاهد"۔

(تاریخ لابن عساکر جلد6صفحہ نمبر246)

(مدارج النبوت للشیخ عبد الحق دھلوی جلد2صفحہ583)

ترجمہ: ایک بزرگ سے روایت ہے جنہیں ''حفص'' کہا جاتا ہے وہ اپنے والداور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ: سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں اذانیں پڑھیں پھر سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کے لئے اذانیں پڑھیں لیکن سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اذانیں نہیں پڑھیں، تو ان سے سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہیں اذان سے کس نے منع کیا؟ عرض کیا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اذانیں دیں، اسی طرح میں نے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات تک اذانیں دیں کیونکہ وہ میری آزادی کا وسیلہ تھے، چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: تمہارے تمام اعمال سے افضل عمل اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ہے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے، اور جہاد میں حصہ لیا۔

(۲)۔دورِ صدیقی میں اذانیں نہیں دیں!

اور بعض روایات میں ہے کہ: آپ رضی اللہ عنہ کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے روکنے کی کوشش کی لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ کا واسطہ دے کر جانے کی اجازت مانگی اور مدینہ سے شام منتقل ہو گئے، چنانچہ!

☆۔"عن قیس بن ابی حازم، قال: قال بلال لابی بکر حین توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہما: ان کنت اشتریتنی لنفسک فامسکنی، وان اعتقتنی للہ فذرنی اعمل للہ عزوجل"۔

(المعجم الکبیر للطبرانی جلد 1 صفحہ 266 رقم 1003)

(الصحیح للبخاری صفحہ 631 رقم 3755)

(مدارج النبوت للشیخ عبد الحق دهلوی جلد 2 صفحہ 583)

ترجمہ: قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اگر آپ نے مجھے اپنے لئے آزاد کیا تھا تو مجھے روک لیں اور اگر آپ نے مجھے اللہ کے لئے آزاد کیا تھا تو مجھے چھوڑ دیں تا کہ میں اللہ کے لئے کچھ عمل کرلوں۔"

☆۔"عن سعید بن المسیب، قال: لما کان خلافۃ ابی بکر تجھز بلال للخروج الی الشام، فقال لہ ابوبکر: ما

كنت اراك يا بلال ؟ تدعنا على هذه الحال لو اقمت معنا فاعنتنا، فقال: ان كنت انما اعتقتني لله عزوجل فدعني اذهب الى الله، وان كنت انما اعتقتني لنفسك، فاحتبسني عندك، فاذن له فخرج الى الشام فمات بها"۔

(تاریخ ابن عساکر جلد6صفحہ نمبر248)

(جامع الاثار لابن ناصر الدين الدمشقي جلد5صفحہ2805)

(تاریخ الخمیس جلد3صفحہ نمبر253)

ترجمہ: سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ: جب سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا تو سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف نکلنے کی تیاری کر لی، سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: میں کیا دیکھ رہا ہوں اے بلال! تم ہمیں اس حال میں چھوڑ کر جا رہے ہو؟ کاش تم ہمارے پاس ٹھہر جاتے ورنہ ہم ٹوٹ جائیں گے، عرض کیا: اگر آپ نے مجھے اللہ کے لئے آزاد کیا تھا تو مجھے چھوڑ دیں تاکہ میں اللہ کی طرف نکل جاؤں، اور اگر آپ نے مجھے اپنے لئے آزاد کیا تھا تو مجھے اپنے پاس روک لیجیے! تو آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں اجازت دیدی چنانچہ وہ شام کی طرف نکلے اور وہیں فوت ہوئے۔

☆۔"عن موسى بن محمد بن ابراهيم بن الحارث التيمي عن ابيه، قال: لما توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم اذن بلال ورسول الله صلى الله عليه وسلم لم يقبر، فكان اذا قال: اشهد ان محمدا رسول الله انتحب الناس في المسجد، قال: فلما دفن رسول الله صلى الله عليه

وسلم قال له ابوبكر: اذن، فقال: ان كنت انما اعتقتني لان اكون معك فسبيل ذالك، وان كنت اعتقتني لله فخلني، ومن اعتقتني له؟ فقال: ما اعتقتك الا لله، قال: فاني لاأؤذن لاحد بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: فذاك اليك، فاقام حتى خرجت بعوث الشام فسار معهم حتى انتهى اليها"۔

(تاریخ ابن عساکر جلد6صفحہ 248)

(طبقات الکبریٰ لابن سعد جلد2صفحہ 126)

(جامع الآثار لابن ناصر الدین الدمشقی جلد5صفحہ2803)

(تاریخ الخمیس جلد3صفحہ نمبر253)

ترجمہ: موسیٰ بن محمد بن ابراہیم بن حارث التیمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے پہلے تک اذانیں دیتے رہے چنانچہ جب وہ "اشهد ان محمدا رسول الله" کہتے تو لوگ مسجد میں کھنچے چلے آتے، (راوی) کہتے ہیں کہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر دیا گیا تو سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اذان دو! تو انہوں نے عرض کیا: اگر آپ نے اس لئے مجھے آزاد کیا تھا کہ: میں آپ کے ساتھ ہی رہوں تو ٹھیک ہے اور اگر آپ نے مجھے اللہ کے لئے آزاد کیا تھا تو مجھے چھوڑ دیں، آپ نے مجھے کس لئے آزاد کیا تھا؟ فرمایا: صرف اللہ کے لئے! عرض کیا: لہٰذا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے بعد کسی کے لئے بھی اذان نہیں دوں گا، فرمایا: یہ تمہاری مرضی ہے، چنانچہ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ شام جانے والے قافلے کے نکلنے تک مدینہ میں ہی رہے پھر ان کے ساتھ سفر کر کے شام پہنچ گئے۔

☆۔"عن سعید بن عبد العزیز وابن جابر وغیرهما، ان بلال لم یؤذن لاحد بعد رسول اللّٰه واراد الجهاد، فأراد ابوبکر منعه وحبسه فقال: ان کنت اعتقتنی للّٰه تعالٰی فلا تحبسنی عن الجهاد، وان کنت اعتقتنی لنفسك اقمت فخلی سبیله ......الخ۔"

(تاریخ ابن عساکر جلد6صفحہ 249)

(السنن الکبریٰ للبیهقی جلد 1 صفحہ 785رقم1974)

ترجمہ: سعید بن عبدالعزیز، بن جابر اور ان دونوں کے علاوہ نے بھی یہی روایت کیا ہے کہ: بلاشبہ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے بھی اذان نہیں دی، نیز جب آپ رضی اللہ عنہ نے جہاد کا ارادہ کیا تھا، تو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو روکنے کی کوشش کی تھی، لیکن انہوں نے جواب دیا کہ: اگر آپ نے مجھے اللہ کے لئے آزاد کیا ہے تو مجھے جہاد سے نہ روکیں اور اگر اپنے لئے آزاد کیا ہے تو میں ٹھہر جاتا ہوں چنانچہ انہوں نے ان کا راستہ چھوڑ دیا......الخ۔

☆۔"عن محمد بن زیاد، عن السلف، انهم قالوا: ...... لما

توفي النبي صلي الله عليه وسلم ، اراده ابوبكر رضي الله عنه علي ان يؤذن له فابي ثم اراده فابٰي، فلما اكثر عليه، قال له بلال رضي الله عنه : يا ابا بكر! ان كنت انما اشتريتني عبدا، فاصنع بي مابدالك، وان كنت اشتريتني لله، فدعني، او قال: خلني فقال له ابوبكر رضي الله عنه: بل اشتريتك لله، فاذهب حيث شئت "

(جامع الآثار لابن ناصر الدين الدمشقي جلد5صفحه2804)

ترجمہ: محمد بن زیاد "اسلاف" میں سے کسی سے روایت کرتے ہیں: انہوں نے فرمایا:...... جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال پُر انوار ہوا تو سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے اپنے ارادے کا اظہار فرمایا کہ: وہ ان کے لئے اذان دیا کریں تو انہوں نے انکار کردیا، پھر فرمایا، انہوں نے پھر انکار کردیا تو جب ان کا اصرار بڑھا تو سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ان سے عرض کیا: اے ابوبکر! اگر آپ نے مجھے غلامی کے لئے ہی خریدا تھا تو جو آپ کو اچھا لگتا ہے وہ کیجیے! اور اگر آپ نے مجھے اللہ کے لئے خریدا تھا تو مجھے چھوڑ دیجیے! یا یہ عرض کیا کہ: مجھے جانے دیجیے! تو ان سے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بلکہ میں نے تمہیں اللہ کے لئے ہی خریدا تھا چنانچہ جہاں تم چاہو جا سکتے ہو۔

☆۔"عن سعيد بن المسيب رضي الله عنه : ان ابا بكر رضي الله عنه لما قعد علي المنبر يوم الجمعة قال له

بلال رضی اللّٰه عنه: یا ابا بکر ! قال: لبیك، قال: اعتقنی لله او لنفسك، قال: فاذن لی حتی اغزو فی سبیل اللّٰه تعالیٰ فاذن له، فذهب الی الشام فمات ثم“.

(جامع الآثار لابن ناصر الدین الدمشقی جلد5صفحه2805)

ترجمہ: سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ: بلاشبہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب منبر پر جمعہ کے دن خطبہ دینے کے لئے بیٹھے تو ان سے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے ابوبکر! فرمایا: حاضر ہوں، عرض کیا: آپ نے مجھے اللہ کے لئے آزاد کیا تھا یا اپنے لئے؟ پھر کہا: چنانچہ مجھے اجازت دیں تاکہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں تو آپ نے انہیں اجازت دیدی پھر وہ شام چلے گئے اور وہیں پر انتقال فرمایا۔

☆۔”عن حبیب ابن ابی ثابت : ان ابا بکر اعتق بلال رضی اللّٰه عنهما، فلما قبض النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کره المقام، فقال ابوبکر رضی اللّٰه عنه : اذهب حیث شئت، فخرج الی الشام فمات بالشام “

(جامع الآثار لابن ناصر الدمشقی جلد5 صفحه 2809، 2810)

ترجمہ: حبیب بن ابی ثابت کہتے سے روایت ہے کہ: بلاشبہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کیا چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال پُر ملال ہوا تو سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا چنانچہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے

فرمایا: تم جہاں چاہتے ہو جاسکتے ہو، چنانچہ وہ شام چلے گئے اور شام میں ہی فوت ہوئے۔

رفعِ ابہام:

ان روایتوں میں شدید اختلاف ہے جن میں تطبیق ایک نہایت مشکل امر ہے، چنانچہ! علامہ ابن ناصر الدین الدمشقی نے جامع الآثار میں کہا ہے کہ: بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی جگہ مسجد نبوی شریف میں اذانیں دینے کے لئے ''حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ'' کو سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مقرر کردیا تھا اور بعض روایتوں میں ہے کہ: ''سعد القرظ'' کو اذانوں کے لئے سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مقرر کیا تھا۔ چنانچہ دورِ صدیقی میں حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ کی تقرری سے پتہ چلتا ہے کہ: دورِ صدیقی میں سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذانیں نہیں دیں اور دورِ فاروقی میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تقرری سے معلوم ہوتا ہے کہ: دورِ صدیقی میں سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذانیں دی ہیں، چنانچہ اس اختلافِ روایات کو تقریباً سبھی نے بیان کیا ہے، لیکن حیرت ہے کہ: اس کے باوجود علامہ ابن ناصر الدین الدمشقی سمیت کسی نے بھی ان روایتوں میں تطبیق دینا ضروری نہیں سمجھا۔

بلکہ جن علماء نے اس پر کسی طرح کا کوئی کلام کرنا بھی چاہا ہے تو انہوں نے بھی اس روایتوں میں تطبیق کی بجائے محض ترجیح کو ہی پسند کیا ہے جن میں سے حافظ ابن کثیر نے ''البدایۃ والنھایۃ'' جلد 5 صفحہ 139، ابن حزم الظاہری نے ''المحلّی'' جلد 3 صفحہ 126 اور علامہ ابن ناصر الدین الدمشقی نے ''جامع الآثار'' جلد 5 صفحہ 2807 میں کہا ہے کہ: ''سیّدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دورِ

صدیقی میں مسجدِ نبوی میں اذانیں نہیں دیں''، چنانچہ اس قول پر اعتماد کی وجہ سے ان روایتوں کو چھوڑ دینا پڑے گا جن میں دورِ صدیقی میں اذانیں دینے کا ذکر ہے۔

حالانکہ دیگر محدثین مثلاً امام بدر الدین عینی نے ''عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری''، امام ابن حجر عسقلانی نے ''فتح الباری شرح صحیح بخاری''، امام عبد الحق دہلوی نے ''مدارج النبوت''، امام ابن عبد البر نے ''الاستیعاب'' اور علامہ ابن الاثیر نے ''اسد الغابہ'' میں اور ان کے علاوہ کئی اور علماء نے دورِ صدیقی میں اذانوں والی بات کو برقرار رکھا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ: ان حضرات کے نزدیک دورِ صدیقی میں اذانیں نہ دینے والی بات متروک ہے۔

اور مذکورہ بالا ان دونوں طبقوں کے ارجاح وترجیح سے ایک بات تو سمجھ میں آتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ: دونوں طبقوں کے نزدیک ان دونوں طرح کی روایتوں کے درمیان تطبیق کی کوئی گنجائش نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ: مذکورہ بالا دونوں طبقوں میں سے ہر ایک نے دوسرے طبقے کی روایات کو مرجوح قرار دیکر ترک کردیا ہے۔

لیکن جہاں تک بہتر امر کا تعلق ہے تو بلاشبہ تطبیق ہی ہے یعنی ان روایتوں کے کسی بھی ایک طبقے کو مطلقاً ترک کردینے کی بجائے امکانِ تطبیق کو یکسر نظرانداز کردینا جلد بازی ہوگی، یعنی جہاں تک ممکن ہو تطبیق کی کوشش ہی بہتر ہوگی۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں تو ان طبقوں کے مابین بھی تطبیق کی گنجائش موجود ہے یہی وجہ ہے کہ: ہم نے آئندہ صفحات میں جہاں تک ممکن ہوسکا ان روایتوں کے درمیان تطبیق دی ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں، لیکن یہ یاد رہے کہ اس تطبیق سے

میرا مقصد محض دونوں طرح کی روایتوں کا تحفظ ہی ہے، جسکا بیان ہم ان شاء اللہ آگے "ملکِ شام میں اذان" کی فصل میں کریں گے۔

ازالہ وہم:

مدینہ سے شام منتقل ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے دورِ حاضر کے بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ملک شام کی شادابی پسند آگئی تھی اسی لئے مدینہ چھوڑا لیکن یہ درست نہیں، کیونکہ ان روایتوں سے واضح ہوگیا کہ: مدینہ چھوڑنے کی اصل وجہ جہاد ہے۔

نکتہ:

ہوسکتا ہے کسی کے ذہن میں سابقہ روایات کی وجہ سے ایک اشکال پیدا ہو کہ: اذان کی فضیلت میں کثرت سے احادیث مروی ہیں، اس کے باوجود سیّدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ آخر اذان دینا چھوڑ کر جہاد کو ترجیح کیوں دی؟ حالانکہ اذان کی ذمہ داری خود جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے عطاء ہوئی تھی، لہٰذا سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا اذان کو چھوڑ کر جہاد میں جانا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

تو اس کا جواب بالاختصار یہ ہے کہ: بلاشبہ اذان کی ڈیوٹی بھی جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے لگائی گئی تھی جسے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے بخوبی انجام دیا لیکن اذان چھوڑ کر جہاد کرنے کا فیصلہ خود جنابِ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا نہیں تھا بلکہ انہیں اس کی تلقین بھی خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی فرمائی تھی، چنانچہ "مسندِ الفردوس للدیلمی جلد 5 صفحہ 389 رقم 8519" میں ہے کہ: "عن بلال رضی اللہ عنہ، قال: قال

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم :یا بلال! لیس شیء افضل من عملك هٰذا الا الجهاد في سبيل اللّٰه يعني الاذان''یعنی خود سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے بلال! تمہارے اس اذان والے عمل سے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کے علاوہ کوئی عمل بھی افضل نہیں۔

چنانچہ اگر اذان کی فضیلت میں کثیر دلائل وارد ہیں تو جہاد کی فضیلت میں اس سے بھی زیادہ دلائل وارد ہیں، لہٰذا مذکورہ روایت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اشکال کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہتی۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں مزید نکھار آیا ہے کہ: جب اذان کی ذمہ داری دی گئی تو اسے بھی بخوبی نبھایا اور جب جہاد کا حکم ہوا تو اس میں بھی سرِ تسلیم خم کر دیا، لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ کے اذان چھوڑ کر جہاد میں جانے والی بات پر کسی طرح کا اعتراض وارد کرنا خود محلِ اعتراض ہے۔ خدا سمجھنے کی توفیق دے۔

....

(فصل)

شام سے واپسی پر اذان

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے شام جانے کے بعد مدینہ آ کر بھی اذان پڑھی ہے چنانچہ!

☆۔"(عن ابی الدرداء :)(خرج بلال الی الشام، فمکث زمانا)ثم ان بلالا رأی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی منامہ وھو یقول: ما ھذہ الجفوۃ یا بلال؟ اما ان لك ان تزورنی؟ فانتبہ حزینا، ورکب راحلتہ، وقصد المدینۃ، فاتی قبر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ، فجعل یبکی عندہ ویمرغ وجھہ علیہ، فاقبل الحسن والحسین، فجعل یضمھما، ویقبلھما، فقالا لہ: یا بلال: نشتھی ان نسمع اذانك، ففعل، وعلا السطح، ووقف، فلما ان قال: اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، ارتجت المدینۃ، فلما ان قال: اشھد ان لااله الا اللّٰہ، ازداد رجتھا، فلما قال: اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ، خرجت العواتق من خدورھن، وقالوا: بعث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم؟فما رؤی یوم اکثر باکیا ولا باکیۃ بالمدینۃ بعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من ذالك الیوم"۔

(سیر اعلام النبلاء للذھبی جلد3صفحہ نمبر218)

(تاریخ الاسلام للذھبی جلد3صفحہ نمبر390)

(تاریخ ابن عساکر جلد4صفحہ نمبر287،288)

(تاریخ الخمیس جلد3صفحہ نمبر254)
(وفاء الوفاء للسمھودی جلد2حصہ 2صفحہ 212)
(شفاء السقام للسبکی صفحہ 185،186)
(اسد الغابہ لابن الاثیر جلد1صفحہ130)
(فتاویٰ الرضویۃ جلد10صفحہ نمبر720)
(جامع الآثار لابن ناصر الدین الدمشقی جلد5صفحہ2807)
(الزرقانی علی المواھب جلد5صفحہ71،72)
(البدایہ والنہایۃ جلد5صفحہ139مختصرا)
(تہذیب الکمّال فی اسماء الرجال للمزی جلد4صفحہ290)
(الجوھر المنظم لابن حجرمکی)
(مدارج النبوت للشیخ عبد الحق دھلوی جلد2صفحہ583)

ترجمہ: (حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے) (سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ شام تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ وہاں ٹھہرے) پھر سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں: اے بلال! یہ کیا جفاء ہے؟ کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم ہماری زیارت کرو؟ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ پریشانی کے عالم میں بیدار ہوئے، اپنے کجاوے پر سوار ہوئے اور مدینہ کی جانب چل پڑے، چنانچہ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور پر حاضری دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں خوب روئے اور اپنا چہرہ قبرِ انور پر ہی رکھ دیا، پھر حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما بھی تشریف لے آئے، تو سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ انہیں اپنے سینے سے لگانے لگے اور چومنے لگے تو ان دونوں نے فرمایا:

اے بلال! ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں اپنی اذان سناؤ! تو آپ رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا، اور چھت پر چڑھ کر کھڑے ہو گئے، جب آپ رضی اللہ عنہ نے "اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر" کہا تو سارا مدینہ غم میں ڈوب گیا پھر جب انہوں نے کہا: "اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ" مدینہ والوں کا غم اور بڑھ گیا، پھر جب انہوں نے کہا: "اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ" تو شدتِ غم میں کنواری لڑکیاں بھی اپنے گھروں سے باہر نکل آئیں اور سب کہنے لگے: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزارِ پُر انوار سے باہر تشریف لے آئے؟ چنانچہ وہ دن ایسا تھا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد کسی دن بھی مدینہ والے اتنی شدت سے نہ روئے جتنا اس دن روئے۔

☆۔"قال ابن ناصر الدين الدمشقي : وفي كتاب "الرسالة" في (الصلوٰة) عن الامام احمد بن حنبل رواية مهنا بن يحيى الشامي عنه قال: لان الحديث جاء عن بلال رضي اللّٰه عنه انه لم يؤذن لاحد بعد النبي صلى اللّٰه عليه وسلم الا يوما واحدا، اذ اتى مرجعه من الشام، ولم يكن للناس عهد باذانه حينها، فطلب اليه ابوبكر رضي اللّٰه عنه واصحاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم رضي اللّٰه عنهم فاذن، فلماسمع اهل المدينة صوت بلال رضي اللّٰه عنه وذكر النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بعد طول عهدهم باذان بلال رضي اللّٰه عنه وصوته، جدد ذالك في قلوبهم

امر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وشوقهم اذانه اليه، حتى قال بعضهم: بعث النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم شوقا منهم الى رؤيته. فلما هيجهم بلال رضی اللّٰہ عنہ اليه باذانه وصوته، فرقوا عند ذالك وبكوا بكاء ا، واشتد بكاؤهم عليه صلی اللّٰہ علیہ وسلم حتى خرج العواتق من خدورهن شوقا الى النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم حين سمعن صوت بلال رضی اللّٰہ عنہ واذانه، وذكر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ، ولما قال بلال رضی اللّٰہ عنہ : اشهد ان محمدا رسول اللّٰہ، امتنع من الاذان فلم يقدر عليه، وقال بعضهم : سقط مغشيا عليه حبا للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وشوقا اليه"۔

(جامع الآثار لابن ناصر الدين الدمشقی جلد5صفحه2808)

ترجمہ: علامہ دمشقی کہتے ہیں کہ: نماز کے بیان میں لکھی جانے والی کتاب ''الرسالہ'' میں امام احمد بن حنبل سے روایت ہے جسے مھنا بن یحیی شامی روایت کرتے ہیں فرمایا: چونکہ حدیث میں آیا ہے کہ: سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے بھی اذان نہیں دی سوائے ایک دن کے، یعنی جب آپ رضی اللہ عنہ شام سے لوٹے، اور لوگوں نے ایک عرصے سے آپ رضی اللہ عنہ سے اذان نہیں سنی تھی چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے آپ رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے

اذان دی چنانچہ جب اہلِ مدینہ نے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو ایک لمبی مدت کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کی اذان اور آواز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہو گئی اور لوگوں کے دل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کی یاد سے کھِل گئے اور آپ رضی اللہ عنہ کی اذان نے انہیں مسجد کی طرف کھینچ لیا، یہاں تک کہ بعض کہنے لگے کہ: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے؟ اور وہ لوگ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی دید کے شوق میں بھاگے چلے آئے، ان کے شوق کو سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اذان اور آواز نے اور زیادہ کر دیا چنانچہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے اردگرد خوب رونے لگے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں ان کا رونا اس سے بھی زیادہ ہو گیا یہاں تک کہ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اذان اور آواز سن کر مدینہ کی کنواری لڑکیاں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اور دید کے شوق میں اپنے گھروں سے باہر نکل آئیں، چنانچہ جب سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ''اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ'' کہا، تو اذان سے رُک گئے اور اگلے الفاظ پر قادر ہی نہ ہو سکے، بعض کہتے ہیں کہ: آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور دید کے شوق میں بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

☆۔ چنانچہ اسی مضمون کی تائید میں کہ یہ واقعہ سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ پاک میں ہی ہوا ہے یہی روایت تاریخ الخمیس میں ان الفاظ سے منقول ہے کہ:

''وفی المنتقی :......فخرج بلال الی الشام فمکث زمانا

فرأى النبى صلى الله عليه وسلم فى المنام فقال له : يا بلال ! جفوتنا وخرجت فى جوارنا فاقصد الى زيارتنا، فانتبه بلال وقصد المدينة وذالك بقرب من موت فاطمة، فلما انتهى الى المدينة تلقاه الناس فاخبر بموت فاطمة فصاح وقال: بضعة النبي صلى الله عليه وسلم ما اسرع ما لقيت بالنبي صلى الله عليه وسلم وقالوا له: اصعد فاذن، فقال: لا افعل بعد ما اذنت لمحمد صلى الله عليه وسلم فألحوا عليه فصعدنا فاجتمع اهل المدينة رجالهم ونسائهم وصغارهم وكبارهم وقالوا: هذا بلال مؤذن رسول الله صلى الله عليه وسلم يريد ان يؤذن لنسمع الى اذانه، فلما قال: الله اكبر، الله اكبر، صاحوا وبكوا جميعا، قال: اشهد ان لا اله الا الله، ضجوا جميعا، فلما قال: اشهد ان محمدا رسول الله، لم يبق فى المدينة ذو روح الا بكى وصاح وخرجت العذارى والابكار من خدورهن يبكين وصار كيوم موت رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى فرغ من اذانه فقال: ابشركم انه لا تمس النار عينا بكت على النبى صلى الله عليه وسلم ، ثم انصرف الى الشام وكان يرجع فى كل سنة مرة فينادى بالاذان الى ان مات۔"

(تاریخ الخمیس جلد3صفحہ نمبر253، 254)

ترجمہ: المستقی میں ہے کہ: ......سیّدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ ملکِ شام تشریف لے گئے پھر کچھ عرصہ ٹھہرے تو سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں: اے بلال! تم نے ہم سے جفاء کی؟ اور ہمارے قرب سے نکل کر چلے آئے؟ لہٰذا اب تم ہماری زیارت کے ارادے سے آجاؤ، چنانچہ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے، اور مدینہ کی جانب چل پڑے، اور یہ واقعہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات شریف کے قریب کا ہے، چنانچہ جب مدینہ پہنچ گئے، تو لوگ ملنے آئے پھر لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات شریف کی خبر دی تو آپ رضی اللہ عنہ کی چیخ نکل گئی اور فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر کا ٹکڑے نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات میں بہت جلدی دکھائی، تو لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: مینارے پر چڑھ کر اذان دیجیے! تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسا کسی کے لئے بھی نہیں کروں گا، چنانچہ لوگوں نے خوب اصرار کیا تو آپ رضی اللہ عنہ مینارے پر چڑھ گئے، پھر مدینے کے تمام مرد، عورتیں اور ان کے چھوٹے، بڑے سبھی جمع ہو گئے اور کہنے لگے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن ''بلال'' ہیں، جو ہمیں اذان سنانے لگے ہیں لہٰذا آؤ! تاکہ ہم آپ رضی اللہ عنہ کی اذان سنیں، پھر جب آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر'' تو تمام لوگوں نے چیخنا اور رونا

شروع کر دیا، پھر کہا: ''اشهد ان لااله الا الله'' تو شور مچ گیا، پھر جب انہوں نے کہا: ''اشهد ان محمدا رسول الله'' تو مدینہ میں کوئی بھی ذی روح باقی نہ رہا جو رویا اور چیخا نہ ہو، نیز شدتِ غم میں کنواری لڑکیاں بھی اپنے گھروں سے روتی ہوئی باہر نکل آئیں، اور وہ دن ایسا بن گیا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے وقت تھا، یہاں تک کہ: سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہو گئے پھر فرمایا: میں تمہیں خوشخبری سناتا ہوں کہ: جو آنکھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں اشکبار ہوئی اسے کبھی بھی آگ نہ چھوئے گی، پھر آپ رضی اللہ عنہ ملکِ شام واپس تشریف لے گئے اور اپنے وصال شریف تک ہر سال میں ایک دفعہ مدینہ میں لوٹ کر اذان پڑھا کرتے۔

رفعِ ابہام:

اس روایت کو کئی کتب میں مختلف الفاظ سے بیان کیا گیا ہے جس سے کئی طرح کا فرق سامنے آیا ہے، چنانچہ!

(i)۔علامہ سمہودی وفاء الوفاء میں لکھتے ہیں کہ: حافظ عبدالغنی کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ نے وفات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف ایک بار ہی اذان دی ہے اور وہ یہی تھی۔ لیکن تاریخ الخمیس میں ہے کہ: اس واقعہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ ہر سال آکر اپنی وفات تک مدینہ شریف میں ایک اذان پڑھا کرتے تھے۔

نیز خود علامہ سمہودی کہتے ہیں کہ: بعض علماء کے مطابق روایات سے ثابت ہے کہ: آپ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے بھی اذانیں

پڑھی ہیں۔اور میرے نزدیک راجح بھی یہی ہے کہ: وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کئی بار مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اذان دی ہے۔

(ii)۔علامہ سمہودی کہتے ہیں کہ: حافظ عبد الغنیٰ کے مطابق: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے یہ اذان پوری نہیں کی تھی۔لیکن تاریخ الخمیس میں ہے کہ: ''حتی فرغ من اذانہ''یعنی آپ رضی اللہ عنہ نے اذان پڑھی یہاں تک کہ: اذان پوری کر کے فارغ ہو گئے۔

(iii)۔تاریخ الخمیس میں ہے کہ: یہ اذان والا قصہ دورِ صدیقی میں ہوا۔لیکن سمہودی وغیرہ کے نزدیک یہ واقعہ دورِ فاروقی میں ہوا۔

......واللّٰہ اعلم ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ......

ازالہ وہم:

بعض حضرات نے اسی اذان کی وجہ سے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا مینارے سے گر کر شہادت پانا بھی بیان کیا ہے لیکن علامہ سمہودی فرماتے ہیں کہ: یہ صحیح نہیں،اور حق بھی یہی ہے کہ یہ صحیح نہیں۔

......واللّٰہ اعلم ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ......

(فصل)

ملکِ شام میں اذان

چنانچہ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ شام گئے تو حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی فرمائش پر وہاں بھی اذان پڑھی جیسا کہ!

☆۔"عن سعيد بن عبد العزيز وعن ابن جابر وغيرهما: ...... فكان بالشام حتى قدم عليهم عمر بن الخطاب الجابية، فسأل المسلمون عن عمر بن الخطاب ان يسأل لهم بلالا يؤذن لهم، فسأله فاذن لهم يوما او قالوا صلاة واحدة، قالوا: فلم ير يوما اكثر باكيا منهم يومئذ حين سمعوا صوته ذكرا منهم لرسول الله صلى الله عليه وسلم قالوا: فنحن نرى ان اذان اهل الشام عن اذانه يومئذ"۔

(تاریخ ابن عساکر جلد6صفحہ نمبر249)
(فتوح الشام للواقدی حصہ 1صفحہ نمبر230)
(السنن الکبریٰ للبیهقی جلد1صفحہ نمبر785رقم1974)
(سیر اعلام النبلاء للذهبی جلد3صفحہ نمبر217)
(تاریخ الاسلام للذهبی جلد3صفحہ391)
(البدایة والنهایة لابن کثیر جلد5صفحہ139)
(المواهب اللدنية للقسطلانی (بالزرقانی) جلد5صفحہ71)
(الزرقانی علی المواهب جلد5صفحہ71)

(مدارج النبوت للشیخ عبد الحق دھلوی جلد2صفحہ583)

ترجمہ: سعید بن عبدالعزیز، ابن جابر اور ان دونوں کے علاوہ نے بھی روایت کیا ہے کہ:......سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ شام میں ہی تھے کہ جابیہ کے مقام پر سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی مجاہدینِ اسلام کے پاس تشریف لے آئے، تو مسلمانوں نے سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے ان کے لئے اذان سنانے کا مطالبہ کریں، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کے مطالبہ پر انہوں نے ایک دن کے لئے یا ایک نماز کے لئے اذان دی، کہتے ہیں کہ: صحابہ کرام سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کر کے اتنا روئے کہ انہیں اتنا روتے ہوئے کسی نے کبھی نہیں دیکھا، کہتے ہیں: ہم نے دیکھا کہ: شامیوں کی اذان اس دن آپ رضی اللہ عنہ ہی کی اذان سے ہے۔

☆۔"عن زید بن اسلم، عن ابیه قال: قدمنا الشام مع عمر فاذن بلال فذكر الناس النبی صلی الله علیه وسلم، فلم ار یوما اکثر باکیا منه"

(تاریخ ابن عساکر جلد6صفحہ نمبر249)

(جامع الآثار لابن ناصر الدین الدمشقی جلد5صفحہ2807)

(سیر اعلام النبلاء للذهبی جلد3صفحہ نمبر217)

ترجمہ: حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: ہم سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی معیت میں شام پہنچے تو سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی تو لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کا زمانہ مبارک یاد آ گیا چنانچہ میں نے اس دن سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو رونے والا نہیں دیکھا۔

☆۔"عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ قصة ذکر فیها قدوم عمر الی الشام وفتحه بیت المقدس وفیها قال: فقال عمر رضی اللّٰہ عنہ: یا بلال! الا تؤذن لنا ؟ فقال: یا امیر المؤمنین! ما اردت ان اؤذن لاحد بعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ولکنی ساطیعك اذا مرتنی فی هذه الصلوٰة وحدها، فلما اذن بلال رضی اللّٰہ عنہ، سمعت الصحابة اذانه، بکوا بکاء شدیدا، وکان اطول الناس بکاء ا یومئذ عقبة بن عامر ومعاذ بن جبل رضی اللّٰہ عنهما، فقال لهما عمر رضی الله عنه : حسبکما رحمکما اللّٰہ"۔

(جامع الآثار لابن ناصر الدین الدمشقی جلد5صفحه2807)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیت المقدس فتح ہونے پر شام جانا روایت کیا گیا ہے جس میں یہ بھی ہے کہ: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے بلال! کیا تم ہمارے لئے آج اذان نہیں دو گے؟ عرض کیا: اے امیر المؤمنین! میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں کسی کے لئے بھی اذان نہیں دوں گا لیکن میں اس ایک ہی نماز کے لئے آپ کی اطاعت کروں گا، چنانچہ جب سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی

تو صحابہ کرام ازان کو سن کر خوب رونے لگے اور اس دن لوگوں میں سے سب سے زیادہ دیر تک رونے والے حضرت عقبہ بن عامر اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما تھے، چنانچہ ان دونوں سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بس کرو! اللہ تم پر رحمت فرمائے!۔

گزشتہ تمام روایات میں تطبیق:

میں کہتا ہوں کہ: ان روایات میں تطبیق دینا مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں چنانچہ میرے نزدیک ان تمام روایتوں میں تطبیق یوں بھی دی جا سکتی ہے کہ: حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی چند روز اذانیں دیں جیسا کہ طبقات ابن سعد میں ہے پھر فرطِ جذبات کی تاب نہ لاتے ہوئے خلافتِ صدیقی کے ابتدائی ایام میں جلد ہی سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اجازت مانگی اور شام چلے گئے جیسا کہ ابن عساکر وغیرہ میں ہے، وہاں تھوڑے ہی عرصہ بعد (جس کا دورانیہ مدارج النبوت جلد 2 صفحہ 583 میں ''6 ماہ'' بیان کیا گیا ہے) خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے فیضیاب ہوئے اور دورِ صدیقی میں ہی مدینہ لوٹ آئے اس وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا تھا چنانچہ المختصر مسجد نبوی شریف میں اذان دی جیسا کہ تاریخ الخمیس وغیرہ میں ہے اور جب واپسی کا ارادہ کیا تو اس بار سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں مدینہ میں ہی ٹھہرنے اور اذانیں دینے کے لئے منانے کی کوشش کی لیکن یہ کوشش کارگر ثابت نہ ہوئی پھر شام چلے گئے جیسا کہ ابن عساکر وغیرہ کی بعض روایتوں میں ہے اور اگلے سال پھر مدینہ آ کر اذان دی جیسا کہ تاریخ الخمیس میں ہے لیکن اس بار سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

نے حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے پُر زور فرمائش کیساتھ انہیں مدینہ میں ہی اقامت اختیار کرنے اور اذانیں دینے کی ذمہ داری سونپتے ہوئے اپنی محبت اور حق یاد دلا کر رُک جانے پر منالیا چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اذانوں کی ذمہ داری پھر سے سنبھال لی حتیٰ کہ: دورِ فاروقی تک وہیں رہے اور اذانیں دیتے رہے جیسا کہ ابن عساکر وغیرہ کی دوسری بعض روایتوں میں ہے لیکن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے منصب خلافت پر متمکن ہوتے ہی پھر اجازت لے کر شام چلے گئے جیسا کہ ابن عساکر وغیرہ میں ہے اور وہاں سے ہر سال سابق کی طرح صرف ایک بار اذان دینے کے لئے مدینہ آتے رہے، جیسا کہ تاریخ الخمیس میں ہے، پھر شام میں سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی آمد اور فرمائش پر اذان دی جیسا کہ فتوح الشام وغیرہ میں ہے اور وہیں پر وفات پائی جیسا کہ بیشتر کتب میں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ: ان صورتوں کا امکانِ وقوع یکسر نظر انداز کر دینا بھی قطعاً انصاف نہیں ہوگا لہٰذا یہ تطبیقِ روایات کی صورت اس امر سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ: ایک طرح کی روایات کو کلی طور پر چھوڑ کر دوسری کو ترجیح دی جائے، لیکن یہ بھی حق ہے کہ: اگر کوئی شخص ہماری اس تطبیق سے اختلاف رکھنا چاہے تو بلاشبہ پوری پوری گنجائش موجود ہے بشرطیکہ کوئی اس سے بھی بہتر تطبیق دے سکے، لیکن ایسی توقع کی توقع بھی ان شاء اللہ العزیز بہت کم ہے۔

......واللّٰہ اعلم ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم......

(فصل)

میدانِ حشر میں اذان

چنانچہ ان شاء اللہ العزیز حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ میدانِ حشر میں بھی خصوصی اعزاز کیساتھ اذان پڑھیں گے!

☆۔"عن كثير بن مرة الحضرمي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : حوضي اشرب منه يوم القيامة انا ومن آمن بي، ومن استسقاني من الانبياء، وتبعث ناقة ثمود لصالح فيحتلبها ويشرب من لبنها هو، والذين آمنوا معه، ثم يركبها من عند قبره حتى توافي به المحشر لها رغاء، وهو يلبي عليها، فقال معاذ: وانت تركب العضباء يا رسول الله، قال: لا، تركبها ابنتي، وانا على البراق اختصصت به من دون الانبياء يومئذ، ثم نظر الى بلال فقال: ويبعث هذا يوم القيامة على ناقة من نوق الجنة ينادي على ظهرها بالاذان محقا او قال: حقا، فاذا سمعت الانبياء وامهما "اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله "نظروا كلهم الى بلال، ونحن نشهد على ذالك قبل ذالك ممن قبل منه، ورد على من رد فاذا وافى بلال، استقبل بحلة من الجنة فلبسها،

واول من یکسی من حلل الجنۃ بعد النبیین والشھداء،
بلال وصالح المؤذنین"

(تاریخ ابن عساکر جلد 6صفحہ نمبر 239، 240، 241عنہ، وعن علی بن علی بن ابی طالب وعن بریدۃ وعن ابی ھریرۃ)

(جواھر البحار للنبھانی جلد 1 صفحہ نمبر 336)

ترجمہ: حضرت کثیر بن مرہ حضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اور مجھے ماننے والے حوضِ کوثر سے قیامت کے دن نوش کریں گے، اور وہ انبیاء بھی جو مجھ سے جام مانگیں گے، اور قومِ ثمود والی اونٹنی حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام وعلیٰ نبینا کے لئے اٹھائی جائے گی چنانچہ وہ اور ان کے ماننے والے اس کا دودھ نکال کر نوش کریں گے، پھر وہ اس پر سوار ہو جائیں گے اور وہ اونٹنی انہیں ان کی قبرِ انور سے گرجتی ہوئی محشر میں لے کر پہنچے گی، اس وقت حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام وعلیٰ نبینا اس پر بیٹھے تلبیہ کہہ رہے ہوں گے، تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا آپ اس وقت "عضباء" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی) پر سوار ہوں گے؟ فرمایا: نہیں! بلکہ اس پر میری بیٹی سوار ہوگی، اور میں براق پر سوار ہوؤں گا جسے اس دن صرف میرے لئے ہی خاص کیا جائے گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور فرمایا: اسے قیامت کے دن جنت کی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی پر بٹھا کر لایا جائے گا جس کی پشت پر سوار ہو کر یہ پُرخلوص اذان دے گا، پھر جب انبیاء اور ان کی امتیں "اشھد ان لا الٰہ الا

اللّٰہ "اور "اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ "کہیں گے تو سبھی بلال کو دیکھ رہے ہوں گے، اور ہم اذان کا جواب دینے والوں سے بھی پہلے اس کی گواہی دینگے، چنانچہ جب بلال اذان مکمل کر لے گا تو اسے جنت کا حلہ دیا جائے گا جسے یہ زیب تن کر لے گا، اور نبیوں اور شہیدوں کے بعد سب سے پہلے جسے جنت کے حلے پہنائے جائیں گے وہ بلال اور نیک مؤذن ہوں گے"۔

نوٹ:

اس مضمون کی بقیہ تمام روایات ہم ان شاء اللّٰہ العزیز "**مسندِ بلال** رضی اللہ عنہ" میں درج کریں گے۔

....

(فصل)

جنت میں اذان

قال المراکشی :روی عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما انہ قال: ان اللّٰہ تعالیٰ اوحی الی جبریل علیہ السلام ان ئت محمدا صلی اللّٰہ علیہ وسلم فأقرئہ عنی السلام وبلغہ رسالۃ امتہ، قال: فیأتی جبریل علیہ السلام الی محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم فینادیہ : السلام علیک یا محمد ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ، العلی الاعلیٰ یقرئک السلام، فیرد النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بما شاء اللّٰہ ان یرد، ثم یقول: وعلیک السلام یا جبریل ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ، فیقول: ان امتک یقرؤنک السلام، فیقول: الیس امتی معی فی الجنان منعمین؟ قال: فتدمع عینا جبریل ویتغیر لونہ، فیقول لہ: حبیبی جبریل علیہ السلام۔ الیس نحن فی الجنان، فیقول: بلیٰ، فیقول: ففی الجنان حزن؟ فیقول: لا یا محمد، ولکن اقواما من امتک بین اطباق النیران، قد اکلتہم وانضجتہم وہم یقرؤنک السلام، فینادی محمد صلی اللّٰہ علیہ وسم یا جبریل، فجعتنی فی امتی، قطعت نیاط قلبی، ولا صبر لی، یا بلال، ارکب ناقۃ من نوق الجنۃ وائتنی بالبراق، وناد بالاذان

محضا غضا، قال: فيركب النبي صلىٰ اللّٰه عليه وسلم، ويركب النبيون، جميع اهل الجنة، حتي يأتوا المقام الذى فيه ميكائيل، فاذا نظر اليهم ميكائيل قال: يامحمد اين تريد؟ فيقول: اريد ربي عزوجل، فيقول ميكائيل : هذا مقام لا يجاوزه احد، فينادى محمد صلى اللّٰه عليه وسلم : هذا ميكائيل يحول بيني وبينك يارب، فاذا النداء من قبل الله، يا ميكائيل، يجوز محمد ومن معه، فيجوزون حتي يأتون المقام الذى فيه اسرافيل، فاذا نظر اليهم اسرافيل، قال له: يا محمد، اين تريد؟ فيقول: اريد اربي عزوجل، فيقول له اسرافيل: هذا مقام لا يجاوزه احد الا احترق من نور اللّٰه عزوجل، فينادى محمد صلى اللّٰه عليه وسلم : هذا اسرافيل يحول بيني وبينك يا رب، فاذا النداء من قبل اللّٰه : يجوز محمد وحده، قال: وذالك قوله عزوجل : "عسى ان يبعثك ربك مقاما محمودا" فهو ذالك المقام، قال ابن عباس : فيأتي الى العرش، فيخر بين يدى الله تعالىٰ ساجدافيقول له: يا محمد، ارفع رأسك، ليس هذا يوم ركوع ولا سجود، قال: فينادى : يا رب، امتي امتي الذين قد طال فيهم تعبي ونصبي، فينادى : يا محمد، خاطئين ومذنبين عصاة، فيقول: واين حاجتي؟ واين

وعدك الذى وعدتنى انك تعطينى فى امتى حتى ارضا وفوق الرضا؟ قال: فيوحى الله عزوجل اليه: يا محمد! اليوم تعطى فى امتك حتى ترضا وفوق الرضا، يا جبريل: انطلق مع نبيى محمد حتى ينظر اليهم، قال: فينطلق به صلى الله عليه وسلم الى مالك، قال: فيقول له: يامحمد، اين تريد؟ وليست لك النار بمكان! فيقول له محمد صلى الله عليه وسلم: يا مالك! ما فعلت وديعتى عندك؟ قال: فيميل مالك السلسلة ويرفع الطبقة فاذا اشرف عليهم محمد صلى الله عليه وسلم، خمدت النار عنهم فلم تحرقهم اعظاما له صلى الله عليه وسلم، فيقول الشيخ للشاب: ليس تحرقنى النار، وتقول المرأة للمرأة: ونا ليس تحرقنى النار، قال: فيرفعون رؤوسهم ويقولون: لعل جبريل اتانا بالفرج، فينظرون الى وجه محمد صلى الله عليه وسلم، فيقول بعضهم لبعض: ليس هذا جبريل، هذا احسن وجها من جبريل، فينادونه باجمعهم، من انت الذى من الله علينا بك، خمدت النار عنا، فلم تحرقنا؟ فيقول لهم، عز علىّ امتى، وانا نبيكم، فينادونه باجمعهم. لم انسكم اليوم اشفع لكم، قال: ثم يخر على شفيرها ساجدا، فينادى: يا محمد، ارفع رأسك، سل تعط، اشفع تشفع، فينادى: يا رب امتى امتى الذين

قد طال فيهم تعبي ونصبي، قال: فاذا النداء من قبل الله تعالىٰ : يا محمد ! لتخرجن اليوم من النار من كان في قلبه مثقال حبة من دينار من الايمان، ارضيت يا محمد ؟ فيقول: نعم يا رب، ولم ازل ارضا، فاذاالنداء : يا محمد! لتخرجن اليوم من النار من كان في قلبه مثقال دانق من الايمان، ارضيت يا محمد ؟ فيقول: نعم يا رب، ولم ازل ارضا، فاذا النداء : يا محمد! لتخرجن اليوم من النار من كان في قلبه مثقال حبة من ايمان، قال ابن عباس : فيخرج في ذالك اليوم من النار من شهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، فلا يبقىٰ في النار الا قاتل النبي او من قتله نبي، ثم تظلل اهل النار سحابة واهل الجنة سحابة فأما اهل الجنة، فتمطرهم الحلي والحلل، واما اهل النار، فتمطرهم الحميم والغسلين، فتفور جهنم مرة ثانية فور القدر على الآثافي، فيصير من في الدرك الاسفل في الدرك الاعلىٰ من النار، قال: فيتفقد المشركون الموحدون، فلا يرونهم، فعند ذالك يقولون : "ما لنا لا نرىٰ رجالا كنا نعدهم من الاشرار ○ اتخذناهم سخريا ام زاغت عنهم الابصار " فينادون : اولئك شفع فيهم نبيهم محمد صلى الله عليه وسلم فنجوا بتوحيدهم، فعند ذالك يود الذى كفروا لو كانوا مسلمين، انتهىٰ ما روى

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما، فنذ ذالك یزفون الی الجنة فی حال، وهم قائلون بلسان الحال:

"جرائمنا تمحی بجاه محمد اذا شفع المحبوب جاز المبهرج"

(مصباح الظلام للمراکشی صفحہ36تا39)

ترجمہ: علامہ مراکشی فرماتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم دے گا کہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور انہیں میرا اسلام کہنا اور انہیں ان کی امت کا پیغام پہنچا دو، فرماتے ہیں کہ: چنانچہ جبریل امین علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے، پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں گے: "السلام علیک یا محمد ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"، بلندیوں کا مالک آپ کو سلام کہتا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سلام کا وہ جواب دیں گے جو اللہ تعالیٰ چاہے گا، پھر فرمائیں گے" وعلیک السلام یا جبریل ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" بعد ازاں جبریل عرض کریں گے: آپ کی امت آپ کو سلام عرض کرتی ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے: کیا میری ساری امت میرے ساتھ جنت میں نہیں؟ فرماتے ہیں کہ: یہ سن کر جبریل کی آنکھوں سے آنسو نکل آئیں گے اور جبریل کا رنگ متغیر ہو جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبریل سے پھر فرمائیں گے: میرے دوست جبریل! کیا ہم جنت میں نہیں؟ تو وہ عرض کریں گے: کیوں نہیں، فرمائیں گے: تو

کیا جنت میں غم بھی ہے؟ عرض کریں گے نہیں یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! لیکن آپ کی امت کے کچھ لوگ دوزخ کے طبقات میں ہیں جنہیں دوزخ کھا رہی ہے اور جلا رہی ہے اور وہ آپ کو سلام کہہ رہے تھے، یہ سن کر غمگین حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پکار اٹھیں گے اے جبریل: تم نے مجھے میری امت کی خبر سنا کر پریشان کر دیا اور میرے دل کے ٹکڑے کر دیئے اب مجھ سے صبر نہیں ہوتا، اے بلال! جنت کی کسی اونٹنی پر سوار ہو جاؤ اور میرا براق بھی لاؤ! اور دکھ بھری آواز میں اذان دو، فرماتے ہیں کہ: چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، تمام انبیاء اور تمام اہل جنت سواریوں پر سوار ہو جائیں گے یہاں تک کہ میکائیل کے مقام کے قریب آ جائیں گے لیکن جب میکائیل کی نظر ان سب کی طرف پڑے گی تو عرض کریں گے: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمائیں گے: میں اپنے رب کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں، عرض کریں گے: اس مقام سے آگے تو کوئی نہیں جاتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ندا دیں گے: اے میرے رب یہ میکائیل ہیں جو تیرے اور میرے درمیان حائل ہیں، اچانک اللہ کی طرف سے نداء ہوگی: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی آ گے آ جائیں، چنانچہ سبھی وہاں سے بڑھتے ہوئے اسرافیل کے مقام پر پہنچیں گے جب اسرافیل دیکھیں گے تو عرض کریں گے: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمائیں گے: میں اپنے رب کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں، تو اسرافیل عرض کریں گے: اس

مقام سے آگے جو کوئی بھی جائے گا اللہ کے نور سے جل جائے گا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں سے اپنے رب کو نداء دیں گے: اے میرے پروردگار! یہ اسرافیل ہیں جو تیرے اور میرے درمیان حائل ہیں، تو اچانک اللہ کی جانب سے نداء ہوگی: اکیلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آگے آجائیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: اللہ کے اس فرمان ''عنقریب آپ کو آپ کا رب مقامِ محمود پر فائز فرمادے گا'' سے مراد یہی مقام ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مزید فرماتے ہیں کہ: چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرش معلیٰ کے سامنے پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں گر جائیں گے تو وہ فرمائے گا: اے میرے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنا سر اٹھاؤ آج رکوع، سجدے کا دن نہیں، فرماتے ہیں: تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرض کریں گے: اے میرے پروردگار! میری امت، میری امت، جن پر میری محنت اور بے قراری طویل ہوگئی، نداء فرمائے گا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! وہ تو خطا کار، گنہگار اور نافرمان تھے، عرض کریں گے: تو پھر تیرا مجھ سے کیا ہوا وعدہ کدھر گیا کہ تو میری امت کے بارے میں مجھے اتنا عطاء فرمائے گا کہ میں راضی ہوجاؤں، تو کیا میری رضا سے بڑھ کر بھی کچھ ہے؟ فرماتے ہیں کہ: پھر اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی فرمائے گا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آج تمہیں تمہاری امت کے بارے میں اتنا کچھ عطاء فرمایا جائے گا کہ تم راضی ہوجاؤ گے بلکہ اس سے بھی زیادہ، اے جبریل: میرے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے

ساتھ جاؤ تا کہ یہ اپنے امتیوں کو دیکھ لیں، فرماتے ہیں کہ: چنانچہ جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مالک (جہنم کے داروغے) کے پاس جائیں گے، فرماتے ہیں کہ: مالک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر عرض کریں گے: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کدھر؟ یہ دوزخ آپ کی جگہ تو نہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرمائیں گے: اے مالک! میری امانت تیرے پاس کیا کر رہی ہے؟ فرماتے ہیں: مالک یہ سن کر زنجیریں کھول کر جہنم کے ایک طبقے کو اٹھائیں گے کہ: اچانک جہنمیوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کی جلوہ گری ہوگی تو اسی کی برکت سے جہنمیوں سے ساری آگ بجھ جائے گی تو وہاں کا بوڑھا جوان سے کہے گا: یہ آگ مجھے جلا کیوں نہیں رہی؟ اور عورت عورت سے کہے گی: اور مجھے بھی یہ آگ نہیں جلا رہی، فرماتے ہیں کہ: پھر سبھی اپنے سر اٹھائیں اور کہیں گے: شاید جبریل ہماری فریادرسی کرنے آگئے تو جب وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک چہرہ انور کی رعنائیوں کو دیکھیں گے تو ایک دوسرے سے بول اٹھیں گے: یہ جبریل تو نہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ حسین چہرے والے ہیں، تو وہ سب کے سب پکار اٹھیں گے: آپ کون ہیں جنہیں بھیج کر اللہ نے ہم پر احسان کیا کہ ہم سے آگ بھی بجھ گئی جو اب ہمیں جلا بھی نہیں رہی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیں گے: مجھے میری امت کا پیغام پہنچا، میں تمہارا نبی ہوں یہ سن کر سبھی رو کر فریاد کرنے لگ جائیں گے، پھر فرمائیں گے: میں تمہیں نہیں بھولا، آج میں تمہارے،

شفاعت کروں گا، فرماتے ہیں کہ: پھر جہنم کے کنارے پر ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ فرمائیں گے، تو اللہ تعالیٰ نداء فرمائے گا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنا سر اٹھاؤ، مانگو! دیا جائے گا، شفاعت کرو! شفاعت قبول کی جائے گی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرض کریں گے اے میرے رب میری امت، میری امت، جن پر میری محنت اور بے قراری طویل ہوگئی، فرماتے ہیں: چنانچہ اللہ کی طرف سے اچانک نداء ہوگی: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آج تم جہنم سے ہر اس شخص کو نکال لو جس کے دل میں ایک دینار کے برابر بھی ایمان ہے، کیا تم راضی ہوا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! عرض کریں گے: ہاں میرے رب، میں راضی ہوں، پھر نداء ہوگی: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آج تم جہنم سے ہر اس شخص کو بھی نکال لو جس کے دل میں کھوٹے سکے کے برابر ہی ایمان بچا ہے، کیا تم راضی ہوا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! عرض کریں گے: ہاں اے میرے رب، میں راضی ہوں، پھر نداء ہوگی: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اب تم جہنم سے ہر اس شخص کو بھی نکال لو جس کے دل میں رتی برابر بھی ایمان بچا ہے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: چنانچہ جہنم سے اس دن ہر اس شخص کو نکال لیا جائے گا جس نے بھی دنیا میں یہ گواہی دی ہوگی کہ: اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، تو اس وقت جہنم میں صرف نبی کا قاتل یا کسی نبی کے ہاتھوں مارا جانے والا ہی بچے گا، پھر جہنم والوں اور جنت والوں پر بادل چھا جائیں گے، چنانچہ

اہلِ جنت پر تو انمول زیورات اور دلکش حلوں کی برسات ہوگی لیکن اہلِ دوزخ پر کوئلوں اور کھولتے ہوئے خون اور پیپ کی بارش ہوگی، چنانچہ جہنم کو دوسری بار بھڑکایا جائے گا اور اس بار ایسے جیسے چولہے پر ہنڈیا جوش مارتی ہے، پھر نچلے طبقے کو اوپر والے طبقے میں کردیا جائے گا، فرماتے ہیں کہ: پھر مشرک جہنم میں اہلِ توحید کو نہیں دیکھیں گے تو اس وقت وہ یوں کہیں گے ''ہمیں کیا ہے کہ: ہم ان لوگوں کو یہاں نہیں دیکھ رہے جنہیں ہم برے سمجھا کرتے تھے کیا ہم نے ان کا مذاق بنایا یا پھر ہماری آنکھیں ان سے ناکارہ ہوگئیں'' پھر ان کو کہا جائے گا: جنہیں تم تلاش کرتے ہو ان کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شفاعت کرلی جس سے وہ اہلِ توحید نجات پاگئے، تو اس وقت کافر چاہیں گے کاش وہ بھی مسلمان ہوتے،

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ختم ہوئی، چنانچہ جب ایمان والوں کو جنت میں داخل کیا جارہا ہوگا تو وہ زبانِ حال سے یہ کہہ رہے ہوں گے!

''ہمارے جرائم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے مٹ گئے''

''کیونکہ جب محبوب سفارش کردے تو کھوٹے سکے بھی چل جایا کرتے ہیں''۔

....

باب

(فضائل وفواضل)

(۱)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا: خوشخبری ہو اے بلال! فرمایا: اے عبداللہ! کس بات کی خوشخبری؟ فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: قیامت کے دن بلال سونے اور یاقوت کی سواری پر آئیں گے ان کے ہاتھ میں ایک جھنڈا ہوگا تمام مؤذن آپ کے پیچھے پیچھے جنت میں داخل ہو جائیں گے یہاں تک کہ: وہ شخص بھی آپ کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا جس نے فقط اللہ کی رضاء کے لئے 40 دن اذان دی ہوگی۔

(تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 241)

(۲)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمام مؤذنین کو قیامت کے دن جنت کی اونٹنیوں پر لایا جائے گا جن کے آگے بلال ہوں گے جو بلند آواز سے اذان دے رہے ہوں گے اور حشر والے انہیں دیکھ رہے ہوں گے، پھر پوچھا جائے گا یہ کون لوگ ہیں؟ جواباً فرمایا جائے گا: یہ امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن ہیں، اس دن تمام لوگ ڈر رہے ہوں گے لیکن انہیں کوئی ڈر نہیں ہوگا اور تمام لوگ غمگین ہوں گے لیکن انہیں کوئی غم نہیں ہوگا۔ (تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 242)

(۳)۔ حضرت سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سحری کا کھانا کھا رہے تھے کہ: سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ حاضر ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم اپنا رزق کھاتے ہیں اور بلال جنت میں چاندی کا رزق کھائے گا، اے بلال کیا تم جانتے ہو؟ کہ: بلاشبہ روزے دار کی ہڈیاں تسبیح کہتی ہیں اور جو کچھ اس کے پاس کھایا جائے فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ (تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 242)

(۴)۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ ''اللہ تعالیٰ'' کے اس فرمانِ عالیشان ''وہ بولے ہمیں کیا ہے کہ: ہم ان مردوں کونہیں دیکھتے جنہیں ہم برا سمجھا کرتے تھے کیا ہم نے ان کو ہنسی بنالیا یا ان سے ہماری آنکھیں پھر گئیں'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ابوجہل جہنم میں کہے گا: کہاں ہے بلال؟ اور کہاں ہے فلاں؟ اور کہاں ہے فلاں؟ ہم دنیا میں جنہیں برا سمجھتے تھے، کیا وہ ایسی جگہ میں ہیں جہاں ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے ؟ یا پھر جہنم کے ہی کسی مقام میں ہیں جہاں سے وہ ہمیں نظر نہیں آ رہے؟ (تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 245)

(۵)۔ حضرت عائذ بن عمرو سے روایت ہے: حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ حضرات بلال، سلمان اور صہیب رضی اللہ عنہم کے پاس سے گزرے، تو ان حضرات نے کہا: اس کی گردن اللہ کی تلواروں سے بچ گئی، تو سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم یہ باتیں قریش کے سردار اور بزرگ کے بارے میں کہہ رہے ہو؟ پھر سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اس معاملہ کی خبر دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوبکر: شاید کہ: تم نے ان کو غضبناک کر دیا چنانچہ اگر تم نے انہی غضبناک کر دیا ہے تو تم نے اپنے رب کو غضبناک کر دیا ہے، راوی فرماتے ہیں کہ: یہ سن کر سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لوٹے اور ان حضرات سے فرمایا: اے میرے بھائیو! شاید کہ: تم ناراض ہو گئے ہو، انہوں نے عرض کیا: اے ابوبکر! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے!۔ (تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 243)

(۶)۔ حضرت ابوالورد القشیری سے روایت ہے کہ: مجھے بنو عامر کی ایک عورت نے بیان کیا اور وہ روایت کرتی ہے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی زوجہ سے،

کہ: بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور سلام فرمایا: پھر فرمایا: کیا بلال نے کوئی جرم کیا؟ عرض کیا: نہیں! فرمایا: پھر شاید تم بلال سے ناراض ہو؟ عرض کیا: وہ تو مجھ سے بڑی محبت کرتے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: تجھ سے میرے بارے میں بلال جو بات بھی بتائے بلال سچا ہے وہ جھوٹ نہیں بولتا لہٰذا بلال کو ناراض نہ کرنا، کیونکہ اگر تو نے بلال کو ناراض کر دیا تو تمہارا کوئی عمل بھی قبول نہیں ہوگا۔

(تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 243،244)

(۷)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلال کی مثال شہد کی مکھی کی طرح ہے جو میٹھا اور کڑوا ہر قسم کا رس چوستی ہے لیکن شہد صرف میٹھا ہی بناتی ہے۔

(تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 244)

(۸)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سبقت لے جانے والے چار ہیں: میں عرب سے سبقت لے جانے والا ہوں، اور سلمان فارسی ''فارس'' سے، بلال ''حبشہ'' سے اور صہیب ''روم'' سے سبقت لے جانے والے ہیں۔

(تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 233)

(۹)۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ: بلال (رضی اللہ عنہ) خوب اچھے آدمی ہیں، قیامت کے دن مؤذنوں کے سردار ہیں اور قیامت کے دن مؤذنوں کی گردنیں بہت اونچی ہوں گیں۔

(تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 241،242)

(۱۰)۔حضرت عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: حبشیوں کے سردار یہ ہیں: حکیم لقمان، نجاشی ، بلال اور مھجع (رضی اللہ عنہم)۔(تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 243)

(۱۱)۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت تین ہستیوں کی مشتاق ہے (۱)۔علی المرتضی، (۲)۔عمار بن یاسر، (۳)، بلال بن رباح (رضی اللہ عنہم)۔

(تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 235)

(۱۲)۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ: میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے جوتے کی آہٹ سنی، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ عرض کیا گیا: بلال (رضی اللہ عنہ)۔(تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 237 تا 239)

(۱۳)۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے نماز فجر کے وقت فرمایا: مجھے اسلام میں اپنا سب سے پُر امید عمل بتاؤ، کیونکہ میں نے آج رات جنت میں اپنے آگے تمہارے جوتوں کی آہٹ سنی ہے، عرض کیا: میں نے جو سب سے زیادہ پُر امید عمل کیا ہے وہ یہ ہے کہ: میں دن یا رات کے لمحات میں جب بھی مکمل طہارت کرتا ہوں تو میں اپنے رب کے لئے دو رکعت نماز پڑھتا ہوں جو مجھ پر فرض نہیں کی گئی۔ (تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 238)

(۱۴)۔حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا، فرمایا: اے بلال! تم جنت میں مجھ سے پہلے کیسے داخل ہو گئے، کیونکہ آج رات میں جنت

میں داخل ہوا تو میں نے وہاں اپنے آگے آگے تمہارے قدموں کی آہٹ کو سنا، تو سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں جب بھی اذان دیتا ہوں دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور جب بھی بے وضو ہوتا ہوں تو وضو کے بعد بھی ایسا ہی کرتا ہوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسی وجہ سے۔ (تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 238)

(۱۵)۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: بلاشبہ سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: ابوبکر (سیّدنا) یعنی ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے (سیّدنا) یعنی ہمارے سردار بلال کو آزاد کروایا۔

(تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 249، 250)

(۱۶)۔ قاسم بن عبد الرحمٰن سے روایت ہے کہ: سب سے پہلے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ہی اذان پڑھی۔ (تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 231)

(۱۷)۔ حضرت سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ایک شاعر نے (میرے بھائی) بلال بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی مدح میں یہ شعر پڑھا کہ: ''عبد اللہ کے بلال بہترین بلال ہیں'' تو (ہمارے والد) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا: تم نے جھوٹ کہا، بلکہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلال بہترین بلال ہیں''۔ (تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 251)

(۱۸)۔ حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں 6 افراد موجود تھے، تو مشرکوں نے کہا: اپنے قریب سے ان کو اٹھا دیں تا کہ یہ ہم پر جری نہ ہو جائیں، اور اس وقت میں، ابن مسعود، بلال اور ایک آدمی بنو ہذیل کا اور دو اور آدمی وہاں موجود تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ

آیت نازل فرمائی: ''اوران لوگوں کو خود سے دور نہ کیجیے! جو اپنے رب کو پکارتے ہیں'' الآیہ (الانعام:52)۔ (تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 231)

(۱۹)۔ ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ: بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ کے موقعہ پر حکم دیا کہ: وہ کعبہ کی چھت پر اذان دیں تو انہوں نے اس کی چھت پر اذان دی۔

(تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 245،246)

(۲۰)۔ حضرت یحیٰی بن سعید سے روایت ہے کہ: سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو بیان کیا اور ان کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: یہ ہمارے سردار بلال ہیں جو انہی کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہیں۔ (تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 250)

(۲۱)۔ حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ عید اور استسقاء کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے نیزہ اٹھا کر چلا کرتے تھے۔ (تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 247)

(۲۲)۔ حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ: سب سے پہلے سات افراد نے اسلام ظاہر کیا، (۱)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، (۲)۔ سیّدنا صدیق اکبر، (۳)۔ سیّدنا بلال، (۴)۔ سیّدنا خباب، (۵)۔ سیّدنا صہیب، (۶)۔ سیّدنا عمار، (۷)۔ اور ان کی والدہ سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہم نے......الخ۔

(تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 225)

(۲۳)۔ عمیر بن اسحاق سے روایت ہے کہ: سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ پر جب بھی کافر عذاب دینے میں شدت کرتے تو آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے:

اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے، تو کافر کہا کرتے: وہ کہو جو ہم کہا کرتے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ فرماتے: میری زبان اسے اچھا نہیں سمجھتی۔

(تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 228)

(۲۴)۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ مظلوم ایمان والوں میں سے تھے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ جب سے اسلام لائے آپ کو اس غرض سے عذاب دیا جاتا تھا کہ: آپ رضی اللہ عنہ اپنے دین سے پھر جائیں لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک بات بھی ایسی نہیں دی جو وہ چاہتے تھے، اور آپ رضی اللہ عنہ وہی ہستی ہیں جنہیں امیہ بن خلف عذاب دیا کرتا تھا۔ (تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 226)

(۲۵)۔ حضرت حکیم بن جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سحری فرمارہے تھے، تو سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ عرض کیا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا وقت ہوگیا" تو فرمایا: اللہ تعالیٰ بلال پر رحم فرمائے، اگر بلال نہ ہوتا تو میں امید کرتا ہوں کہ: ہمیں سورج کے طلوع ہونے تک رخصت دے دی جاتی۔ (المسند الکبیر للشاشی صفحہ 328 رقم 906)

(۲۶)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی کو جن کا نام سفینہ تھا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس یمن کی طرف خط دے کر روانہ فرمایا، چنانچہ دورانِ سفر ان کے راستے میں شیر آگیا جو راستے کے درمیان میں ہی حملے کے لئے تیار بیٹھا تھا وہ آگے بڑھنے سے ڈرنے لگے اور وہیں پر کھڑے ہوگئے پھر فرمایا: اے درندے!

میں حضرت معاذ کی جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا ہوں، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط مبارک ہے، فرماتے ہیں کہ: درندہ یہ سن کر کھڑا ہو گیا، پھر وہ ان کے آگے آگے دُم ہلا کر چلنے لگا، پھر وہ دھاڑا اور غرّ ایا، اور وہ راستے سے ہٹ گیا، پھر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط مبارک لے کر یمن حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے، پھر جب جواب لے کر لوٹے تو اچانک وہی شیر سامنے آ گیا اس بار بھی حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھنے سے ڈر گئے اور فرمایا: اے درندے! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذ بن جبل کی جانب بھیجا ہوا ہوں اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط مبارک کا حضرت معاذ بن جبل کی طرف سے جواب ہے، تو وہ شیر وہیں کھڑا ہو گیا، پھر وہ غرّ ایا اور دھاڑا اور راستے سے ہٹ گیا، جب وہ واپس آ گئے تو اس واقعے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں خبر دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ: اس شیر نے پہلی بار کیا کہا تھا؟ اس نے کہا تھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں اور ابو بکر، عمر، عثمان اور علی (رضی اللہ عنہم) کیسے ہیں؟ اور دوسری مرتبہ کہا: میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر، عمر، عثمان، علی، سلمان، صہیب اور بلال (رضی اللہ عنہم) کو سلام دینا۔

(تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 251)

(۲۷)۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جنہیں اسلام کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا تھا اور وہ اس وقت بھی ''احد، احد'' ہی پکار رہے تھے چنانچہ حضرت ورقہ نے کہا: ہاں بلاشبہ ''وہ ایک ہی ہے، وہ ایک ہی ہے'' اللہ کی قسم اے

بلال! اس طرح تو تم ہرگز بھی چھوٹ نہیں پاؤ گے، پھر آپ امیہ اور بنو جمح کے کسی دوسرے اس شخص کی جانب متوجہ ہوئے جو عذاب دے رہا تھا فرمایا: میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں اگر تم نے اسے صرف اسی وجہ سے قتل کر ڈالا تو میں اس کی قبر بڑے ہی متبرک مقام پر بناؤں گا۔ (تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 227)

(۲۸)۔ حضرت ہشام بن عروہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سات ایسے افراد کو آزاد کروایا جن کو اللہ کی راہ میں عذاب دیا جاتا تھا، ان میں سے ایک سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ میں سے ہیں جو حبشیوں میں سے بہترین ہیں اور دوسرے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

(تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 227)

(۲۹)۔ حضرت عطاء خراسانی سے روایت ہے کہ: میں حضرت سعید بن مسیّب کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ: میں نے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا ذکرِ خیر کر دیا تو انہوں نے فرمایا: سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ اپنے دین پر بڑے سخت تھے انہیں اللہ کی راہ میں اپنے دین کے بارے میں بڑے سخت عذاب دیئے جاتے تھے حتی کہ: مشرکوں نے جب چاہا کہ: ان سے کلمہ کفر کہلوائیں تو انہوں نے اس وقت بھی ''اللہ، اللہ'' کہہ ڈالا۔ (تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 228)

(۳۰)۔ حضرت مسلم بن صبیح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ہماری تعداد بڑھ گئی ہے، اگر آپ ہم میں سے ہر دس افراد کو حکم دیں تو وہ رات کے اندھیرے میں قریش کے ایک ایک سرغنے کو پکڑ کر قتل کر دیں، تو سارے علاقے ہمارے لئے صاف ہو جائیں گے، یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند آئی

یہاں تک کہ: یہ آثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر بھی نظر آنے لگے، تو حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہمارے بیٹوں، ہمارے آباؤ اجداد اور ہمارے بھائیوں کا کیا ہوگا؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مشورے کو ناپسند فرمادیا، اور اس بار کی ناپسندیدگی کا اثر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے مبارک پر نظر آنے لگا اور پہلی بات کو چھوڑ دیا، تو رات ہوتے ہی ہمیں مشرکوں نے پکڑ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ پر ہی کلمہ حق کہنا مشکل کر دیا گیا سوائے بلال کے، جو سخت حالات میں بھی "احد"، "احد" کہا کرتے تھے۔

(تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 229)

(۳۱)۔ حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھ سے پہلے جتنے بھی نبی تشریف لائے ہیں ہر نبی کو سات حضرات بطور رفیق، نجیب اور وزیر ملے ہیں لیکن مجھے 14 عطاء کیے گئے ہیں، امیر حمزہ، جعفر، علی، حسن، حسین، ابوبکر، عمر، مقداد، حذیفہ، سلمان، عمار، بلال، ابن مسعود اور ابوذر (رضی اللہ عنہم) یہ پورے 14 ہوئے۔

(تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 235)

(۳۲)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن بلال اپنی ایسی سواری پر آئے گا جس کی لگام سونے کی ہوگی اور اس میں یاقوت اور موتی جڑے ہوں گے اس کے ہاتھ میں ایک جھنڈا ہوگا جس کے نیچے تمام مؤذن ہوں گے چنانچہ بلال ان تمام

مؤذنین کو جنت میں داخل کرے گا حتیٰ کہ ان مؤذنین کو بھی جنہوں نے صرف 40 دن اللہ کی رضاء حاصل کرنے کے لئے فجر کی اذان دی ہوگی۔

(مسند فردوس للدیلمی جلد 5 صفحہ 497 رقم 8874)

(۴۴) سعید بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ: جب سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کا آخری وقت آپہنچا تو فرمایا: کل ہم اپنے پیارے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گروہ سے ملنے والے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ: آپ رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے شدتِ غم میں کہا: ہائے بربادی! یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہائے خوشی۔

(تاریخ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 252، 253)

....

باب

(مرویات)

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد کچھ زیادہ نہیں علامہ ذہبی وغیرہ نے ان کی مرویات کی کل تعداد 44 بیان کی ہے حالانکہ حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ السابقون الاولون میں شامل ہیں اور جب سے اسلام کے دامن کو تھاما تب سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سائے کی طرح ساتھ ساتھ رہے بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محض 44 احادیث ہی سن سکے ہوں بلکہ قلۃ الروایۃ کا ایک اہم سبب محدثین کے نزدیک یہ ہے کہ: رواۃ صحابہ کی دو قسمیں ہیں!

(۱)۔ کثیر الروایۃ (۲)۔قلیل الروایۃ(۱)۔کثیر الروایہ:

وہ صحابہ جو "بلغوا عنی ولو آیۃ" پر عمل کرتے ہوئے ہر طرح کے قابلِ روایت مضمون کو روایت کر دیتے ہیں اگر چہ روایت بالمعنیٰ ہی ہو ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی فرمان کو چھپانا جائز نہیں جیسا کہ ساداتنا ابو ہریرہ، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(۲)۔قلیل الروایۃ:

وہ صحابہ جو "من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار" کے خوف سے روایت کرنے سے بچتے تھے، اور یہ حضرات روایت بالمعنیٰ کو جائز نہیں سمجھتے تھے اسی لئے ان حضرات کی روایات کی تعداد بہت قلیل ہے جیسا کہ: خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہم۔

حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ رواۃ صحابہ کی دوسری قسم میں داخل ہیں، چنانچہ ہم نے حضرت سیّدنا بلال یمنی حبشی رضی اللہ عنہ کی تمام روایات اپنی ایک

دوسری کتاب ''**مسند بلال بن رباح** رضی اللہ عنہ'' میں درج کردی ہیں جوان شاء اللہ العزیز جلد منظرِ عام پر آجائے گی۔

......تمت بالخیر......

وما توفيقي الا باللّٰه العلي العظيم

بحرمة النبي الكريم الرؤف الرحيم

وصلى اللّٰه تعالٰى عليه ووالديه وآله

واصحابه وبارك وسلم دائما ابدا

الحمد للہ العزیز یہ مبارک کتاب بنام ''**جمالِ بلال** رضی اللہ عنہ'' مؤرخہ 31 نومبر 2016ء بمطابق ۲۹ محرم الحرام ۱۴۳۷ھ بروز پیر قبل از نماز فجر اِتمام کو پہنچی

فتقبل اللّٰه منا هٰذا ، ونسئل اللّٰه عزوجل بها الامن والسلامة والعافية، وسعادة الدارين وحب حبيبه واحباء حبيبه وشفاعته صلى اللّٰه عليه وسلم في القبر والحشر وعند سكرات الموت.

......

مأخذ و مراجع

القرآن الکریم

من اللّٰہ العزیز الرحمٰن الرحیم الی النبی الرؤوف الامین العظیم صلی اللہ علیہ وسلم

کتب التفاسیر

☆-تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ-

☆-تفسیر معالم التنزیل للبغوی مکتبہ الحقانیہ پشاور-

☆-الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور للسیوطی مکتبہ اشرفیہ کوئٹہ-

☆-تفسیر روح البیان للحقی مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ-

☆-حاشیۃالصاوی علی الجلالین للصاوی قاسم پبلی کیشنز کراچی-

☆-تفسیر مظہری للقاضی پانی پتی(مترجم) ایچ ایم سعید کمپنی لاھور-

کتب الحدیث

☆-الموطا للامام مالک قدیمی کتب خانہ کراچی-

☆-المسند للامام احمد بن حنبل بیت الافکار الدولیہ لبنان-

☆-المصنف لعبد الرزاق دارالکتب العلمیہ بیروت-

☆-المصنف لابن ابی شیبہ مکتبہ امدادیہ ملتان-

☆-السنن للدارمی قدیمی کتب خانہ کراچی-

☆-الصحیح للبخاری دارالسلام للنشر والتوزیع الریاض-

☆-الصحیح للمسلم دارالسلام للنشر والتوزیع الریاض-
☆-الجامع للترمذی دارالسلام للنشر والتوزیع الریاض-
☆-السنن لابی داؤد دارالسلام للنشر والتوزیع الریاض-
☆-السنن للنسائی دارالسلام للنشر والتوزیع الریاض-
☆-السنن لابن ماجه دارالسلام للنشر والتوزیع الریاض-
☆-السنن للدارقطنی المکتبة العصریه بیروت-
☆-الصحیح لابن حبان دارالمعرفة بیروت -
☆-الصحیح لابن خزیمه مکتبه شانِ اسلام پشاور-
☆-شرح معانی الآثار للطحاوی مکتبه رحمانیه لاهور-
☆-المستدرك علی الصحیحین للحاکم قدیمی کتب خانه کراچی-
☆-مسند الصحابه للرویانی دارالکتب العلمیه بیروت-
☆-المسند الفردوس لابی شجاع الدیلمی دارالکتب العلمیه بیروت-
☆-المسند الکبیر للشاشی دارالکتب العلمیه بیروت-
☆-مسند الشهاب للقضاعی دارالرسالة العالمیة بیروت
☆-مسند البزار البحر الزخار للبزار دارالکتب العلمیه بیروت-
☆-جامع المسانید والسنن لابن کثیر دارالکتب العلمیه بیروت-
☆-مسند ابن الجعد دارالکتب العلمیه بیروت-
☆-موسوعه ابن ابی الدنیا المکتبه المعروفیه کوئٹه-
☆-المعجم الکبیر للطبرانی دارالکتب العلمیه بیروت-
☆-المعجم الصغیر للطبرانی دارالفکر بیروت-
☆-السنن الکبریٰ للبیهقی کتب خانه رشیدیه پشاور-
☆-کتاب الآداب للبیهقی دارالکتب العلمیه بیروت-

☆-غوامض الاسماء المبهمة لابن بشكوال اندلسی کتاب ناشرون بیروت-

☆-تنبیہ الغافلین لابی اللیث سمرقندی مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ-

☆-الاسرار المرفوعہ بالمعروف "الموضوعات الکبیر" لملاعلی القاری (مترجم) نعمانی کتب خانہ لاہور-

☆-مجمع الزوائد للہیثمی دارالکتب العلمیہ بیروت-

☆-الجامع الصغیر للسیوطی دارالکتب العلمیہ بیروت-

☆-البدر المنیر للشعرانی دارالکتب العلمیہ بیروت-

☆-التخریج الصغیر لابن المبرد المقدسی دارالنوادر لبنان-

☆-کنوز الحقائق للمناوی دارالکتب العلمیہ بیروت-

☆-المقاصد الحسنة للسخاوی النوریہ الرضویہ لاہور-

☆-کنزا لعمال لعلی متقی ھندی مکتبہ رحمانیہ لاہور-

☆-دلائل النبوۃ للبیہقی دارالحدیث قاہرہ-

☆-مشکوۃ المصابیح قدیمی کتب خانہ کراچی-

☆-المحلّٰی لابن حزم الظاہری مکتبہ دارالتراث القاہرہ-

☆-تحفة الاشراف بمعرفة الاطراف لجمال الدین المزی داراحیاء التراث-

☆-کشف الخفاء للعجلونی دارالکتب العلمیہ بیروت-

کتب شروح الحدیث

☆-عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ-

☆-فتح الباری شرح صحیح بخاری دارالحدیث قاہرہ-

☆-نوادر الاصول للحکیم الترمذی دار صادر بیروت-

☆-مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ-

☆-تلخیص الحبیر للعسقلانی دارالکتب العلمیہ بیروت-

کتب السیر

☆-السیرة النبویة صلی اللہ علیہ وسلم لابن ھشام النوریہ الرضویہ لاھور

☆-دلائل النبوة للبیہقی دارالحدیث قاھرہ-

☆-دلائل النبوة لابی نعیم النوریہ الرضویہ لاھور-

☆-جامع الآثار فی مولد النبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم دارالکتب العلمیہ بیروت-

☆-الروض الانف للسہیلی مکتبہ ابن تیمیہ القاھرہ-

☆-المواھب اللدنیة للقسطلانی (مع الزرقانی) النوریہ الرضویہ لاھور-

☆-شرح علی المواھب اللدنیہ للزرقانی النوریہ الرضویہ لاھور-

☆-الوفاء باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لابن الجوزی دارالکتب العلمیہ بیروت-

☆-سبل الہدیٰ والرشاد للصالحی مکتبہ نعمانیہ پشاور-

☆-تاریخ الخمیس للدیاربکری دارالکتب العلمیہ بیروت-

☆-السیرة الحلبیة للحلبی مکتبہ معروفیہ کوئٹہ-

☆-جواھر البحار للنبہانی النوریہ الرضویہ لاھور-

☆-مدارج النبوة لعبد الحق الدھلوی نوریہ رضویہ لاھور-

☆-المواھب اللدنیة علی الشمائل المحمدیہ للبیجوری ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ ملتان-

☆-جمع الوسائل لملا علی القاری وحاشیہ للمناوی تالیفات اشرفیہ ملتان-

☆-حجة اللہ علی العالمین للنبہانی قدیمی کتب خانہ کراچی-

☆-اشرف الوسائل لابن حجر الہیتمی دارالکتب العلمیہ بیروت -

کتب سیر الصحابہ

☆-فضائل الصحابۃ للامام احمد بن حنبل دارالکتب العلمیہ بیروت-

☆-فضائل الصحابہ للنسائی دارالکتب العلمیہ بیروت-

☆-معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم دارالکتب العلمیہ بیروت-

☆-اسد الغابہ لابن الاثیر مکتبہ وحیدیہ پشاور-

☆-الاصابۃ للعسقلانی مکتبہ وحیدیہ پشاور-

☆-الاستیعاب لابن عبد البر دارالمعرفۃ لبنان-

☆-معجم الصحابہ للبغوی دارالبیان کویت-

☆-الریاض النضرۃ للطبری النوریہ الرضویہ لاہور

☆-تذکرۃ الخواص لسبط ابن الجوزی دارالکتب العلمیہ

☆-موسوعۃ السیر للصلابی دارابن کثیر بیروت

☆-اصحاب البدر او المجاهدون الاولون للغلامی مصر

کتب الطبقات والتراجم واسماء الرجال

☆-الطبقات الکبریٰ لابن سعد مکتبہ عمریہ کوئٹہ-

☆-صفۃ الصفوۃ لابن جوزی دار ابن حزم بیروت-

☆-حلیۃ الاولیاء لابی نعیم دارالحدیث قاہرہ-

☆-تہذیب التہذیب للعسقلانی دارالکتب العلمیہ بیروت-

☆-سیر اعلام النبلاء للذہبی دارالحدیث قاہرہ-

☆-تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام للذہبی مکتبہ توفیقیہ-

☆-الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی دارالکتب العلمیہ بیروت-

☆-کتاب الثقات لابن حبان دارالکتب العلمیہ بیروت-

☆-تہذیب الکمال فی اسماء الرجال لجمال الدین المزی-

☆-الاکمال فی اسماء الرجال للتبریزی ملحق بالمرقاۃ مکتبہ رشیدیہ-

کتب التاریخ

☆-تاریخ مدینۃ دمشق بالمعروف "تاریخ ابن عساکر" دارالکتب العلمیہ بیروت-

☆-البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر مکتبہ توفیقیہ مصر-

☆-فتوح الشام للواقدی مکتبہ معروفیہ کوئٹہ-

☆-وفاء الوفاء للسمہودی مکتبہ شانِ اسلام پشاور-

کتب محبت

☆-تنبیہ الانام للامام ابی نصر القادری لاہور-

☆-شفاء السقام للسبکی دارالکتب پشاور-

کتب تصوف

☆-انیس الجلیس للسیوطی مطبع مجتبائی دہلی-

☆-رسالہ قشیریہ للقشیری (مترجم) مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور-

☆-مثنوی مولوی معنوی لمولانا رومی اسلامی کتب خانہ لاہور-

فتاویٰ جات

☆-المبسوط للسرخسی مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ-

☆-فتاویٰ السبکی دارالکتب العلمیہ بیروت-

☆-فتاویٰ رضویہ للشاہ احمد رضا خان البریلوی رضاء فاؤنڈیشن لاہور-

کتب حکایات

☆-روض الریاحین فی حکایات الصالحین للیافعی دارالکتب العلمیہ-

☆-عیون الحکایات لابن الجوزی دارالکتب العلمیہ بیروت-

☆-مصباح الظلام للمراکشی النوریہ الرضویہ لاھور-

کتب لغت

☆-لسان العرب لابن منظور دارالکتب العلمیہ بیروت-

☆-تاج العروس من جواھر القاموس للزبیدی دارالکتب العلمیہ بیروت-

☆-المفردات فی غریب القرآن للراغب قدیمی کتب خانہ کراچی -

☆-مشارق الانوار للقاضی عیاض المالکی دارالکتب العلمیہ بیروت-

☆-مقاییس اللغہ لابی الحسن دارالحدیث القاھرہ-

☆-کتاب التعریفات للجرجانی مکتبہ رحمانیہ لاھور-

☆-القاموس المحیط مؤسسۃ الرسالۃ بیروت-

☆-المنجد دارالاشاعت کراچی-

☆-المعجم الوسیط مکتبہ رحمانیہ لاھور-

☆-فیروز اللغات فیروزسنز لاھور-

....